ع اول : جون ۱۹۷۵ع

تعداد : ۶۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
ناظمِ مجلسِ ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ ، لاہور

طابع : محمد زرین خاں

سرورق وغیرہ : مطبعِ عالیہ ، ۱۲۰ ٹمپل روڈ ، لاہور

قیمت : ۲۸ روپے

بعونِ صانعِ مکین و مکاں بفضلِ خلاقِ زمین و زماں

۱۳۲

اردو کلاسیکی ادب

طالب بنارسی کے ڈرامے

مرتبہ

سید امتیاز علی تاج

ناشر

مجلس ترقی ادب

نرسنگھ داس گارڈن

لاہور

ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کے نام

فہرست

☆ ☆ ☆

تعارف

امانت کی ''اِندرسبھا'' سے لے کر آغا حشر اور ان کے ڈراما نگار معاصرین کی تصانیف تک ، ہماری ادبی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ گزرا ہے جس میں اُردو ڈراما قارئینِ ادب کی توجہ سے یکسر محروم رہا ۔ اس مدت میں ڈراما صرف ناٹک کی حیثیت سے دیکھا اور سنا جاتا تھا ، ادب کی حیثیت سے پڑھا نہیں جاتا تھا ۔ ساٹھ ستّر برس کے اس دور میں پارسی تھیئٹریکل کمپنیوں کے ''کھیل'' مقبولِ عام تھے ۔ یہ ''کھیل'' یا ناٹک بالعموم گھٹیا کاغذ پر چھپ کر بازار میں تو آ جاتے تھے مگر ان کی طبع ثانی کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی تھی ۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ پرانے ناٹک عہدِ حاضر کے قارئین کے لیے نایاب ہو کر رہ گئے ہیں ۔

سید امتیاز علی تاج مرحوم کو ڈرامے کی روایت سے جو تعلقِ خاطر تھا اس کی بنا پر انھوں نے تاریخِ ادب کے اس خلا کو پُر کرنے کا تہیّہ کر لیا اور ایک جامع منصوبے کی داغ بیل ڈالی ۔ اس منصوبے میں تقریباً ایک سو ڈراموں کی اشاعت مد نظر تھی جو تیس جلدوں میں تقسیم کیے گئے ۔ مجوزہ تیس جلدوں میں سے پہلی چھ جلدیں ، جو اٹھارہ ڈراموں پر مشتمل تھیں ، مرحوم کی زندگی میں شائع ہو گئیں ۔ ایک اور جلد (جلد ہشتم) جس کی ترتیب مرحوم نے مکمل کر دی تھی ، ان کی وفات کے بعد چھپی ، لیکن پہلی چھ جلدوں کے علاوہ باقی جلدیں ابھی طبع نہیں ہوئی تھیں اور ان میں شامل ہونے والے ڈراموں میں سے ستّر پچھتّر ڈراموں پر نظرثانی

اور تبصرہ و تحشیہ کا کام ابھی باقی تھا کہ سید امتیاز علی تاج کا رشتۂ حیات ناگہانی طور پر منقطع ہو گیا ۔ اس سانحے کے بعد مجلسِ ترقیِ ادب نے فیصلہ کیا کہ مرحوم کے ہاتھوں جو کام شروع ہوا تھا وہ جاری رہنا چاہیے ۔ چنانچہ باقی ماندہ جلدوں کو مطبع کے لیے تیار کرنے کا کام پروفیسر سید وقار عظیم کے سپرد کیا گیا ۔ انھوں نے مجلس کی دعوت کو نہ صرف اُردو ادب کی خدمت ، بلکہ ایک مرحوم دوست کی خدمت ، سمجھ کر بطیبِ خاطر قبول فرمایا ۔

جن سات جلدوں کا ذکر اوپر ہوا ان کے علاوہ اس سلسلے کی جتنی بھی جلدیں شائع ہو رہی ہیں ، ان میں صرف چند ابتدائی جلدوں کی جزوی ترتیب یا جزوی تحشیہ سید امتیاز علی تاج مرحوم کر چکے تھے ۔ یہ کیفیت قارئینِ کرام پر ان چند مذکورہ جلدوں کے مندرجات کے ملاحظے سے خودبخود آشکار ہوگی ۔ ساتویں سے تیسویں جلد تک (بہ استثنائے جلد ہشتم) فراہم شدہ مسودات کی نظرثانی اور متن سے متعلق تعارف ، تحشیے اور تبصرے کا تقریباً پورا کام پروفیسر سید وقار عظیم کی توجہ اور انہماک کا شرمندۂ احسان ہے ۔ بایں ہمہ پہلی چھ سات جلدوں کے مرتّب کو پورے منصوبے کی تکمیل سے جو بنیادی تعلق ہے اسے موت کا ہاتھ بھی قطع نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ اس سلسلے کی ہر کتاب کے سرورق پر مرحوم کا نام اُسی طرح موجود ہے جس طرح ان کی زندگی میں لامحالہ موجود ہوتا ۔ نیز ہر جلد کا انتساب مرحوم ہی کی طرف سے اُن تحریری اشارات کی روشنی میں شائع ہو رہا ہے جو مرحوم کی وفات کے بعد مجلس کو متعلقہ کاغذات میں دستیاب ہوئے ۔

حمید احمد خاں

ناظم

۳۰ جون ۱۹۷۱ع

ناٹک

نگاہِ غفلت

عرف

بھول میں بھول کانٹوں میں پھول

تبصرہ

کسی پرانے متن کو ترتیب دیتے وقت جو خیال دل میں
سب سے پہلے پیدا ہوتا ہے ، وہ یہ ہے کہ اس کتاب کے مطبوعہ اور
غیر مطبوعہ کتنے نسخے موجود ہیں ۔ نسخے جتنے زیادہ ہوں گے ، دل
اُتنا ہی زیادہ خوش ہوگا ، اس لیے کہ زیادہ نسخوں کی موجودگی سے
تقابل میں سہولت پیدا ہوتی ہے اور غور و فکر کے بعد صحت کے
زیادہ سے زیادہ قریب پہنچنا ممکن ہو جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم
ڈراموں کی ترتیب کے کام میں جب کسی ڈراما نگار کی باری آتی ہے
اور اُس کے بعض ڈراموں کو ترتیب کے لیے منتخب کیا جاتا ہے
تو پہلی بات یہی سوچی جاتی ہے کہ ان ڈراموں میں سے ہر ایک کے
کتنے متون مرتّب کی دسترس میں ہیں ۔ ''نگاہِ غفلت'' کے معاملے میں
بھی یہی صورت پیش آئی ۔ کاغذات میں اُس کی ایک نقل موجود تھی ۔
انھی کاغذات میں ایک چھپا ہوا نسخہ ملا ۔ میری یادداشتوں میں
ایک جگہ یہ بات لکھی ہوئی مل گئی کہ اس ڈرامے کا ایک نسخہ
ترقی اُردو بورڈ ، کراچی کے کتب خانے میں بھی موجود ہے ۔ وہ نسخہ
بھی وہاں سے منگایا اور خوشی خوشی کام کا ڈول ڈالا اور سب سے
پہلے تینوں متون کا فرق معلوم کرنے کی طرف توجہ کی ۔ پہلی ہی نظر
میں پتا چل گیا کہ چھپے ہوئے دونوں متن الف سے ''ے'' تک ایک
ہیں ۔ کام جس خوشی سے شروع کیا تھا وہ کافور ہوگئی اور رہی سہی
خوشی بھی اُس وقت رخصت ہوئی جب یہ دیکھا کہ کتابت شدہ متن بھی
'نگاہِ غفلت' کے اُسی متن کی نقل ہے جس کے دو نسخے میرے پاس ہیں ۔

یہ متن ۲۰ × ۳۰ / ۱٦ کے مسطر پر چھپے ہوئے اسی نسخے کی نقل ہے جسے نراین داس و جنگلی مل کتب فروش دہلی نے مطبع جوہرِ ہند دہلی میں چھپوایا اور جس کا سرورق مطبعِ افتخار دہلی میں چھپا۔ یہ چھاپا ۱۸۹۲ع کا ہے۔ نسخہ کتابت اور طباعت کی غلطیوں سے پُر ہے اور تصحیحِ متن کا واحد وسیلہ قیاس ہے۔ گو یہ صحیح ہے کہ قیاس ایک باقاعدہ منطقی عمل ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ کتابت و نقل کی ستم ظریفی اُن سب سہاروں کی دشمن ہے جن پر منطقی قیاس اپنی عمارت تعمیر کرتا ہے۔ اس ستم ظریفی کا عمل ''نگاہِ غفلت'' کے نقل شدہ نسخے میں قدم قدم پر کارفرما ہے اور اس لیے تصحیحِ متن کے کام میں بالآخر قیاس ہی کو رہنما بنایا گیا ہے۔ رہنمائی کا یہ کام قیاس کے لیے کہیں کہیں تو بہت آسان تھا لیکن کہیں کہیں ایسے بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان گوناگوں مرحلوں سے گزرنا، جن میں سے بعض آسان تھے اور بعض مشکل، ایک ایسا ذہنی تجربہ تھا جس میں میں قارئین کو بھی شریک کرنا چاہتا ہوں۔

پہلے آسان مرحلوں کی داستان سن لیجیے کہ یہ سیدھی سادی بھی ہے اور مختصر بھی۔ آسان اور سیدھی سادی کتابت کی غلطیوں میں سے ایک عام غلطی یہ ہے کہ لکھنے والا کسرہ یا زیر کی علامت اور یائے مجہول کے باہمی فرق کی طرف قطعاً توجہ نہیں دیتا۔ جس جگہ جی چاہے آزادی سے ان میں ادل بدل کرتا رہتا ہے۔ مثلاً ایک اور اک، تیرا میرا اور ترا مرا، دیوانی اور دوانی وغیرہ میں اس کے نزدیک کوئی فرق نہیں۔ یہ غلطی عموماً مصرعوں اور شعروں میں اپنا رنگ دکھاتی ہے اور یا تو انھیں سرے سے ناموزوں بنا دیتی ہے یا کسی اور بحر میں جا ڈالتی ہے۔ یہ غلطی جتنی کثرت اور

شدّت سے سرزد ہوتی ہے آتنی ہی آسانی سے اس کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے - مصرعے کو موزوں کر کے پڑھا جائے تو غلطی خود بخود درست ہو جاتی ہے - یہی صورت آن غلطیوں کی ہے جن میں فتحہ یا زبر اور الف کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا : مثلاً ماہ اور مہ ، شاہ اور شہ ، نگاہ اور نگہ وغیرہ - ان غلطیوں میں بھی مصرعے کا موزوں یا ناموزوں ہونا ہی لفظ کی کتابت شدہ شکل کی صحت یا عدمِ صحت کی دلیل بنتا ہے اور غلطی کی اصلاح کرنے میں دقّت پیش نہیں آتی - اصلاح کا کام وہاں بھی آسان ہی ہوتا ہے جہاں دو لفظوں کو یا دو لفظوں کے شروع اور آخر کے ٹکڑوں کو ملا کر لکھ دیا جاتا ہے - اُردو کا شاید ہی کوئی متن ہو جس میں اس مخلوط اندازِ کتابت کو کثرت سے استعمال نہ کیا گیا ہو ، مثلاً آنیکو (آنے کو) کیلیے (کے لیے) کیواسطے (کے واسطے) ہمشکل (ہم شکل) ہمخیال (ہم خیال) نیکنام (نیک نام) کمبخت (کم بخت) وغیرہ -

کتابت کی غلطیوں کی یہ سب قسمیں ایسی ہیں جن سے ہم سب مانوس ہیں اس لیے اُنھیں درست کر کے مصرعوں کو موزوں شکل دینے یا لفظوں کو موجودہ روش کے مطابق الگ الگ کر کے لکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی - دشواری کا آغاز اُس وقت ہوتا ہے جب غلطی کاتب کی بے توجہی اور لاپروائی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے ، یا اس سے بھی زیادہ اُس کی جدّت طرازی کی وجہ سے - کہیں عقل کو استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اور کہیں اُسے ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے کی بنا پر ”نگاہِ غفلت“ کے متن میں جو خرابیاں پیدا ہوئیں آن کا ذکر لطف سے خالی نہیں - غلطیاں کئی طرح کی ہیں - کہیں غلطی محض لفظوں کی کمی بیشی کی ہے ، کہیں

جلدی میں لفظ کو حذف کر جانے کی اور کہیں لفظوں کی ترتیب میں آگے پیچھے کا فرق پیدا کر دینے کی ۔ ان تینوں قسم کی غلطیوں کی مثالیں یہ ہیں :

(۱) ایک مکالمے میں ایک شعر یوں لکھا ہوا تھا :

ایک دن چورِ خزاں ہے اس گلستاں کے لیے
خوفِ صیّادِ اجل ہے بلبلِ جاں کے لیے

پہلے مصرعے میں ”چورِ خزاں“ اصل میں ”جورِ خزاں“ ہونا چاہیے تھا ۔ معلوم نہیں کاتب (یا ناقل) نے ج کو چ کیوں بنا دیا ۔

(۲) شعر اس طرح لکھا ہوا تھا :

تھا یہ نہیں لگاؤ ، تماشا تھا لاگ کا
نالہ تھا ، ہو رہا ، کہاں جس پہ راگ کا

دوسرے مصرعے میں 'ہو رہا' کے بعد 'تھا' رہ گیا تھا ۔ 'تھا' کا اضافہ کر کے مصرع پورا کیا گیا ۔

(۳) متن میں ایک شعر کی صورت یہ تھی :

بن مِرے مرض کا اگر تو طبیب
کیا عجب ہے کہ نکلے راہ عجیب

'مِرے مرض کا' میں لفظوں کی ترتیب بدلی ہوئی ہے ۔ اسے بدل کر 'مرض کا مِرے' کیا گیا اور یوں مصرع موزوں ہے ۔

پہلی مثال میں غلطی لفظوں کے فرق سے پیدا ہوئی ، دوسری

مین ایک لفظ کے چھوٹ جانے سے اور تیسری مین لفظوں کی ترتیب کے اُلٹ پلٹ ہو جانے سے ۔ متن میں پہلی اور دوسری قسم کی غلطیاں نسبتہً کم ہیں ، لیکن لفظوں کی ترتیب اُلٹ پلٹ ہو جانے کی مثالیں بہت سی ہیں ۔ دو ایک مثالین اور ملاحظہ کیجیے :

(۱) ناظم اور نرگس کے مکالمے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا یہ ہے :

ناظم : بس دور رہ ، نہ میرے خبردار پاس آ
لیکن کہاں گئی تھی ، مجھے جلد یہ بتا

نرگس : غصے مین ہو رہا ہے ، تجھے ہو گیا ہے کیا

ناظم : اندھا ہوں مین کیا ، مجھ کو نہیں سوجھتا ہے کیا

آخری مصرعے مین 'اندھا ہوں میں کیا' کے ٹکڑے مین 'مین' اور 'کیا' کے آگے پیچھے ہو جانے سے مصرع ناموزوں ہو گیا ۔ لفظوں کی صحیح ترتیب کے ساتھ مصرع یوں ہوگا :

اندھا ہوں کیا میں ، مجھ کو نہیں سوجھتا ہے کیا

(۲) ایک اور موقعے پر 'مسرور' خفا ہو کر سنبل سے کہتا ہے :

واسطہ مجھ سے نہین تجھ کو کوئی اے ناسزا
جا جہاں تجھ کو لے جائے بیسوا تیرا خدا

دوسرے مصرعے میں ''جا جہاں تجھ کو لے جائے'' مین لفظوں کی ترتیب غلط ہو گئی ۔ قیاس سے اسے درست کر کے یوں کیا گیا : 'جا جہاں لے جائے تجھ کو' ۔ کاتب نے 'تجھ کو' اور 'لے جائے' کی ترتیب مین فرق ڈال کر جو خرابی

پیدا کی تھی ، وہ محض لفظوں کے آگے پیچھے کرنے سے دور
ہو گئی - غرض ایسی مثالیں بہت سی ہیں -

کتابت کی غلطیوں کی ایک صورت ، جو مذکورۂ بالا صورتوں سے بالکل مختلف ہے اور جس سے متن پڑھتے وقت بار بار سابقہ پڑتا ہے ، یہ ہے کہ بیچ بیچ میں ایسے الفاظ آ جاتے ہیں جن سے عبارت کا مطلب ہی سرے سے خبط ہو جاتا ہے - ایسے موقعوں پر قیاس کا فوراً کسی نتیجے پر پہنچنا دشوار ہوتا ہے ، اس لیے عبارت کو بار بار پڑھا جاتا ہے اور اس طرح عبارت کا سیاق و سباق خود بخود ذہن کی رہنمائی کرکے اسے صحیح نتیجے تک پہنچا دیتا ہے ، اس فرق کے ساتھ کہ کبھی تو سیاق و سباق کا سہارا بہت جلد اپنا اثر دکھاتا ہے اور کبھی اس وسیلے کے موثر ہونے میں دیر لگتی ہے - شاید بعض مثالیں میری بات کی وضاحت میں مدد دیں گی - ایک کردار ایک موقع پر یہ مکالمہ بول رہا ہے :

نیا وقت ہے ، کیا بخت ہے ، ہر لحظہ جس کا سخت ہے ،
سختی کا اب تو تخت ہے - اس عالم و امصار میں کچھ
کام ہے نہ کاج ہے ، قرضے پہ بڑھتا بیاج ہے ، پر کوڑھ
میں ایک کھاج ہے . . .

"پر کوڑھ میں ایک کھاج ہے" کو اوپر کی عبارت سے ملا کر بار بار پڑھا تو یہ نتیجہ نکلا کہ "پر کوڈھ" اصل میں "ہر کوڑھ" کی خرابی ہے -

ایک گیت کے آخر میں یہ بول آئے ہیں :

"رہے بنی بنا ، سدا بنا ٹھنا ، ہو
بادِ عیش سے مجلسِ دہر میں شیشہٗ دل

'شیشۂ دل' کے بعد کسی چیز کی کمی محسوس ہوئی تو ابتدائی حصے میں آنے والے 'بنا ٹھنا' نے مدد کی اور صاف پتا چل گیا کہ 'شیشۂ دل' کے بعد 'بھرا' کا لفظ ہونا چاہیے تھا ، جو کتابت میں رہ گیا ۔ اس کے بعد 'بادِ عیش' نے ذرا سا اُلجھن میں ڈالا ، لیکن 'مجلس' اور 'شیشۂ دل' کی موجودگی نے مدد کی اور اندازہ ہو گیا کہ کاتب صاحب نے ''بادۂ عیش'' کو مختصر کرکے ''باد عیش'' لکھا ہے ۔

متن میں ایک شعر یوں لکھا ہوا ملا :

شمع رویوں میں نہ داخل ہوں ، نہ پروانوں میں ہوں
نونگی جس بزم سے ہے اُس کے بیگانوں میں ہوں

اس ''نونگی'' نے بہت دیر پریشان رکھا ۔ خیال ہوا کہ شاید اس جگہ ''زندگی'' مناسب رہے ، لیکن اس تبدیلی سے بھی تشفی نہیں ہوئی ۔ بالآخر گرد و پیش پر نظر ڈالی اور اُس سے اندازہ ہوا کہ طالب رعایتِ لفظی کے خاصے شوقین ہیں ۔ اس خیال نے فوراً ایک راہ دکھائی اور میں نے نتیجہ نکالا کہ ''نونگی'' اصل میں 'لو لگی' ہے ۔ اس تبدیلی کے بعد مصرعے کی صورت یہ ہو گئی : ع

لو لگی جس بزم سے ہے اُس کے بیگانوں میں ہوں

اور پورے شعر میں ایک لطف پیدا ہو گیا ۔

تصحیحِ متن کے کام میں کتابت کی غلطیوں کی وجہ سے جو مشکلیں پیش آتی ہیں ، قیاس کسی نہ کسی منطق کی بنا پر بہت سی مشکلوں کا حل تلاش کر لیتا ہے ۔ وہ منطق کیا کیا صورتیں اختیار

پیدا کی تھی ، وہ محض لفظوں کے آگے پیچھے کرنے سے دور
ہو گئی ۔ غرض ایسی مثالیں بہت سی ہیں ۔

کتابت کی غلطیوں کی ایک صورت ، جو مذکورۂ بالا صورتوں سے بالکل مختلف ہے اور جس سے متن پڑھتے وقت بار بار سابقہ پڑتا ہے ، یہ ہے کہ بیچ بیچ میں ایسے الفاظ آ جاتے ہیں جن سے عبارت کا مطلب ہی سرے سے خبط ہو جاتا ہے ۔ ایسے موقعوں پر قیاس کا فوراً کسی نتیجے پر پہنچنا دشوار ہوتا ہے ، اس لیے عبارت کو بار بار پڑھا جاتا ہے اور اس طرح عبارت کا سیاق و سباق خود بخود ذہن کی رہنمائی کرکے اُسے صحیح نتیجے تک پہنچا دیتا ہے ، اس فرق کے ساتھ کہ کبھی تو سیاق و سباق کا سہارا بہت جلد اپنا اثر دکھاتا ہے اور کبھی اس وسیلے کے موثر ہونے میں دیر لگتی ہے ۔ شاید بعض مثالیں میری بات کی وضاحت میں مدد دیں گی ۔ ایک کردار ایک موقع پر یہ مکالمہ بول رہا ہے :

کیا وقت ہے ، کیا بخت ہے ، ہر لحظہ جس کا سخت ہے ،
سختی کا اب تو تخت ہے ۔ اس عالم و امصار میں کچھ
کام ہے نہ کاج ہے ، قرضے پہ بڑھتا بیاج ہے ، پر کوڈھ
میں ایک کھاج ہے . . .

"پر کوڈھ میں ایک کھاج ہے" کو اوپر کی عبارت سے ملا کر بار بار پڑھا تو یہ نتیجہ نکلا کہ "پر کوڈھ" اصل میں "ہر کوڑھ" کی خرابی ہے ۔

ایک گیت کے آخر میں یہ بول آئے ہیں :

"رہے بنی بنا ، سدا بنا ٹھنا ، ہو
بادِ عیش سے مجلسِ دہر میں شیشۂ دل

'شیشۂ دل' کے بعد کسی چیز کی کمی محسوس ہوئی تو ابتدائی حصے میں آنے والے 'بنا ٹھنا' نے مدد کی اور صاف پتا چل گیا کہ 'شیشۂ دل' کے بعد 'بھرا' کا لفظ ہونا چاہیے تھا ، جو کتابت میں رہ گیا ۔ اس کے بعد 'بادِ عیش' نے ذرا سا اُلجھن میں ڈالا ، لیکن 'مجلس' اور 'شیشۂ دل' کی موجودگی نے مدد کی اور اندازہ ہو گیا کہ کاتب صاحب نے "بادۂ عیش" کو مختصر کرکے "باد عیش" لکھا ہے ۔

متن میں ایک شعر یوں لکھا ہوا ملا :

شمع رویوں میں نہ داخل ہوں ، نہ پروانوں میں ہوں
نونگی جس بزم سے ہے اُس کے بیگانوں میں ہوں

اس "نونگی" نے بہت دیر پریشان رکھا ۔ خیال ہوا کہ شاید اس جگہ "زندگی" مناسب رہے ، لیکن اس تبدیلی سے بھی تشفی نہیں ہوئی ۔ بالآخر گرد و پیش پر نظر ڈالی اور اُس سے اندازہ ہوا کہ طالب رعایتِ لفظی کے خاصے شوقین ہیں ۔ اس خیال نے فوراً ایک راہ دکھائی اور میں نے نتیجہ نکالا کہ "نونگی" اصل میں 'لو لگی' ہے ۔ اس تبدیلی کے بعد مصرعے کی صورت یہ ہو گئی : ع

لو لگی جس بزم سے ہے اُس کے بیگانوں میں ہوں

اور پورے شعر میں ایک لطف پیدا ہو گیا ۔

تصحیحِ متن کے کام میں کتابت کی غلطیوں کی وجہ سے جو مشکلیں پیش آتی ہیں ، قیاس کسی نہ کسی منطق کی بنا پر بہت سی مشکلوں کا حل تلاش کر لیتا ہے ۔ وہ منطق کیا کیا صورتیں اختیار

کرتی ہے، اس کا اندازہ اوپر کی مثالوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی منطق کام نہیں دیتی اور آدمی بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ قدیم ڈراموں میں یہ صورت عموماً اُن گیتوں میں پیش آتی ہے جن کی زبان عام بول چال کی زبان سے بھی مختلف ہوتی ہے اور عام مروجہ ادبی زبان سے بھی۔ نقل کرنے والے نے یہ گیت اُن کے معنی اور مفہوم کو سمجھے بغیر جوں کے توں نقل کر دیے ہوتے ہیں۔ لفظوں کے بیچ میں کہیں اوقاف نہیں ہوتے اور اگر ہوتے ہیں تو اکثر و بیشتر غلط مقامات پر۔ لفظ بغیر کسی سبب کے ملا کر لکھ دیے جاتے ہیں۔ کبھی ایک ہی لفظ کو دو لخت کرکے دو سطروں میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ کہیں نقطے، کہیں مرکز، کہیں یائے معروف کی جگہ یائے مجہول اور یائے مجہول کی جگہ یائے معروف — غرض عجب عجب ستم ظریفیاں ہوتی ہیں اس نقل میں، اور اس نقل کی تصحیح وبال بن جاتی ہے۔ موجودہ متن میں بھی اس طرح کا ایک سخت مرحلہ میرے سامنے آیا۔ دوسرے باب کے چوتھے منظر میں رام سنگھ اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہے۔ اُس کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں متن میں اس طرح لکھی ہوئی ہیں:

> ”یہاں ٹھیر تو بھوجن کو ٹھیرو ہے۔ اب سے ہم نے تو بھنک بھی نہیں چھانی بڑی بیرتی تہادئے ٹھاوسے پاؤں۔ دو کھن لاگے وا لگائی کو کچھ خبر نہین بات ارے رام رام وا کو نام کہاں۔ ارے دختر خالہ ارے دسترخوان بچھائے بڑے دھنتا سیٹھ کی ناتن بنے ہے رانڈ دھکت ہوتا نہیں۔

عبارت کو دو تین مرتبہ پڑھنے پر بھی یہ شروع سے آخر تک مہمل معلوم ہوئی ۔ لیکن پڑھنے کے ورد کو جاری رکھا تو یکایک یہ بات آئینے کی طرح سامنے آ گئی کہ رام سنگھ کی باتیں اودھ اور آئین (سابقہ ہندوستان میں ممالکِ متحدہ) کے علاقے کی دیہاتی بولی میں کی گئی ہیں ۔ اس اندازے کے بعد آہستہ آہستہ ساری مشکلیں حل ہوتی چلی گئیں اور بالآخر عبارت نے جو شکل اختیار کی وہ یہ ہے :

. . . بھوجن کی ٹھیرو ہے ۔ ابھے ہم نے تو بھنگ بھی نہیں چھانی ۔ بڑی بیر تے ٹھاڑے ٹھاڑے پاؤں دکھن لاگے ۔ وا لُگائی کو کچھ خبر نہیں بات ۔ ارے رام رام ، وا کو نام کی ہے ؟ ارے دختر خانہ ، ارے دسترخوان بچھائے بڑی دھناسیٹھ کی ناتن بنی ہے رانڈ ۔ دکھتا ہو ناہیں ۔

پہلے جملے کا آدھا ٹکڑا اب بھی حل طلب ہے ۔ باقی حصے کا مطلب آسان روزمرہ میں یہ ہے کہ :

"یہاں تو کھانے کی ٹھیری ہے اور ہم نے اب تک بھنگ بھی نہیں چھانی ۔ بڑی دیر سے کھڑے کھڑے پاؤں دکھنے لگے ۔ اُس عورت کو کسی بات کی خبر نہیں ۔ ارے رام رام ، کیا نام ہے اُس کا ؟ ارے دختر خانہ ، ارے نہیں دسترخوان بچھائے دھناسیٹھ کی نواسی بنی ہوئی ہے رانڈ ۔ اُسے دکھائی بھی نہیں دیتا ۔"

"نگاہِ غفلت" کے متن کی جس طرح کی غلطیوں کی تفصیل میں نے اب تک بیان کی اُن کی تصحیح میں قیاس سے کام لیا گیا اور

اسی قیاس کی بنا پر غلطیوں کی اصلاح کر دی گئی - لیکن جیسا کہ قارئین کو اندازہ ہوگا ، قیاس آرائی کی بنا پر متن کی جتنی غلطیاں درست کی گئی ہیں اُن میں ہر جگہ ایک صریحی منطق موجود ہے - اس منطقی جواز کے بغیر میں نے کوئی تبدیلی کرنے کی کوشش نہیں کی اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب بھی قارئین کو متن میں قواعد اور محاورے کی ایسی باتیں ملیں گی جو اُردو کے عام روزمرہ سے مطابقت نہیں رکھتیں - میں نے اس طرح کی غلطیوں کو جوں کا توں رہنے دیا ، لیکن انھیں جوں کا توں رکھنے کا بھی میرے پاس کوئی نہ کوئی منطقی جواز موجود تھا -

اس منطقی جواز کی صراحت ضروری ہے - اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے متن میں قواعد اور محاورے کے اعتبار سے زبان کی جتنی غلطیاں ملیں اُن کا ارتکاب طالب بنارسی جیسے شخص کے لیے ناممکن ہے - اس لیے آدمی اسی نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ان غلطیوں کی ذمہ داری ڈراموں کی ترتیب ، طباعت اور اشاعت کے سارے غلط سلط نظام پر عائد ہوتی ہے ، جو اُردو کے اسٹیج ڈراموں کے سلسلے میں تقریباً پچاس برس تک جاری رہا - اس نظام کی خرابیوں سے وہ ڈرامے زیادہ متاثر ہوئے جو بمبئی کے اسٹیج پر کھیلے گئے اور جو اُردو سے گجراتی اور گجراتی سے اُردو میں منتقل ہوتے رہے - اس رائے کو تقویت یوں پہنچتی ہے کہ ان ڈراموں میں زبان کی جتنی غلطیاں ہیں وہ پورے متن میں التزام کے ساتھ آتی چلی جاتی ہیں - ایسی غلطیاں ظاہر ہے کسی وقتی یا عارضی سہو کا نتیجہ نہیں - ایسی غلطیوں کو چھیڑنا میں نے مناسب نہیں سمجھا - ان غلطیوں کی

نوعیت کیا ہے ، اس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے لگائیے :

(۱) پہلے باب کے پہلے منظر میں ایک مصرع یوں ہے :

اپنے حصے کی وصیت جو لکھا خوب کیا

فعلِ متعدی کے ماضی میں مفعول اور فعل کی مطابقت کے قاعدے کی رو سے ''لکھا'' کے بجائے ''لکھی'' ہونا چاہیے تھا ، یعنی 'وصیت لکھی' درست ہے اور وصیت لکھا غلط ۔ اسی طرح کی ۸-۹ مثالیں متن کے دوسرے حصوں میں بھی ہیں ۔ لیکن ان سب مثالوں کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ سب جملوں میں قواعد کے اس اصول کی بجائے کہ فعلِ متعدّی کے ماضی میں فعل کو مفعول کے مطابق ہونا چاہیے ، یہ اصول برتا گیا ہے کہ فعل کی تذکیر و تانیث فاعل کی تذکیر و تانیث کے مطابق ہونی چاہیے ۔ مثلاً اگر اوپر کی مثال کو لیں تو معلوم ہوگا کہ یہاں وصیت لکھنے والا مرد ہے اس لیے 'وصیت لکھا' کہا گیا ۔ وصیت عورت نے لکھی ہوتی تو 'وصیت لکھی' کہا جاتا ۔ جن ۸ - ۹ مثالوں کا ذکر میں نے کیا اُن سب میں اسی اُصول کا عمل موجود ہے ۔

(۲) پہلے باب کے پہلے منظر میں ایک جملہ ہے :

لیجیے کھانا چنا ہے ، آ کے صاحب جلد کھاؤ

اُردو کے روزمرہ کی رو سے 'لیجیے' کے ساتھ 'کھائیے' ہونا چاہیے تھا ۔ لیکن جملے کی ساخت کا یہ انداز پورے متن میں اسی طرح ہے ، یہاں تک کہ شعروں میں بھی اسی طرح ہے ۔

ایک جگہ کہا گیا ہے ''آرام فرماؤ'' یہاں بھی یہی ''لیجیے ، کھاؤ'' والا اصول کارفرما ہے -

(۳) 'مجھ سے دور' کی جگہ 'میرے سے دور' ، 'اس کام سے' کی جگہ 'یہ کام سے' ، 'بہت دنوں میں' کے بجائے 'بہت دنوں ، بعد' 'ڈھونڈ کر' کی جگہ محض 'ڈھونڈ' بھی اسی طرح کی غلطیاں ہیں جو اِس ڈرامے میں بھی ہیں اور طالب کے دوسرے ڈراموں میں بھی - لیکن ظاہر ہے کہ یہ غلطیاں طالب کی کسی کوتاہی کی بجائے ایک نظام کی خرابی کا نتیجہ ہیں اور ایک خاص وقت کے ڈرامائی ادب کے ایک رجحان کی نشان دہی کرتی ہیں -

(۴) طالب کو محاورے اور کہاوتیں استعمال کرنے کا بڑا شوق ہے اور وہ انھیں نثر اور نظم دونوں طرح کے مکالموں میں پوری بے تکلفی سے استعمال کرنے پر قدرت رکھتے ہیں ، لیکن ''نگاہِ غفلت'' میں بعض موقعے ایسے بھی ہیں جہاں محاوروں اور کہاوتوں کے استعمال میں غلطی ہوئی ہے - قیاس کہتا ہے کہ یہ غلطیاں بھی طالب سے سرزد نہیں ہوئیں - اس طرح کی غلطیوں کی دو نمایاں مثالیں یہ ہیں :

ایک کردار ایک جگہ کہتا ہے : ''نصیحت ناحق کرتا ہے ، جلتی ہوئی آتش پر عبث کیوں روغن دھرتا ہے'' - یہاں 'جلتی ہوئی آگ' کو 'جلتی ہوئی آتش' اور 'تیل چھڑکتا ہے' کو 'روغن دھرتا ہے' کہا گیا ہے -

ایک اور جگہ ایک کردار کی زبان سے یہ بات کہلوائی گئی ہے ''ایسا نہ ہو کوئی دیکھ لے ، تب تو بے موت مرے ، لینے

کا دینا پڑے ، بندی خانہ سینا پڑے" - یہاں بھی "لینے کے دینے پڑیں" ہونا چاہیے تھا - ان دونوں مثالوں میں پہلی کو تو آسانی سے بدل کر کہا جا سکتا تھا کہ "جلتی ہوئی آگ پر کیوں تیل چھڑکتا ہے" اس سے مکالمے کے آہنگ میں کوئی فرق نہیں آتا ، لیکن دوسری مثال میں قافیے کی پابندی حائل ہے -

(۵) متن میں زبان و بیان کی بعض باتیں ایسی ہیں جو اُردو کے مروجہ محاورے کے خلاف ہیں ، لیکن ان کے متعلق بھی میرا یہی خیال ہے کہ طالب کے ابتدائی متن میں نہیں ہوں گی - کسی نہ کسی طرح بعد میں داخل ہوئی ہیں - ذیل کے جملے اسی طرح کی مثالیں ہیں :

۱- ہاتھ آیا ہے عوض کا مرے اچھا موقع
(عوض ، بمعنی بدلہ)

۲- لے جاؤ شوق سے اسے یہ کچھ دگر نہیں
(دگر ، بمعنی غیر)

۳- کہ کیوں وہ گیا مجھ پہ کر کے غضب
(غضب ، بجائے غصّہ)

۴- کیوں مری لیتی ہے عزت عام میں
(عام میں بمعنی سب کے سامنے)

۵- خبر نہیں زر کتنے ہیں
(زر بمعنی روپے)

(٦) یہی صورت بعض لفظوں کے تلفّظ کی ہے - بعض مصرعوں کی موجودہ صورت یہ ہے کہ تلفّظ کو بگاڑے بغیر چارہ ہی نہیں ، مثلاً :

۱- میرے آنے سے یہاں اس وقت بس دو غرض ہے
('غرض' کو 'فرض' کے قافیے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے)

۲- ایک اور جگہ مصرع ہے :

ابھی تو آیا اسی طرف تھا کہاں وہ گیا

مصرعے کو موزوں رکھنے کے لیے 'طَرَف' کو 'طَرْف' کہے بغیر چارہ نہیں -

اس طرح کی غلطیاں بھی طالب کے سر منڈھنے کو جی نہیں چاہتا -

الفاظ کے استعمال کے سلسلے میں ایک بات البتہ ایسی ہے جو طالب کی اپنی ہے - وہ عبارت میں بعض اوقات ایسے مشکل الفاظ لے آتے ہیں جن کا آسان بدل بھی سہولت سے مل سکتا ہے اور یہی بدل اُس خاص عبارت میں مناسب اور موزوں بھی زیادہ معلوم ہوتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ بعض مشکل لفظ اُن کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں اور وہ اضطراری طور پر اُن کے قلم سے نکل جاتے ہیں - زینہار ، بے گمان ، بے دغل ، مُوبمو ، لیت و لعل ، عالم و امصار وغیرہ اسی طرح کے چند الفاظ اور ترکیبیں ہیں -

"نگاہِ غفلت" کی زبان و بیان کے پہلو پر قدرے تفصیل سے کچھ کہنے کی ضرورت میں نے اس لیے سمجھی کہ طالب کی

ڈراما نگاری کے فنی اسلوب میں اُن کی مہارتِ زبان کو بہت دخل ہے ۔ اس ڈرامے کو اس لحاظ سے منظوم ڈراما کہا جا سکتا ہے کہ اس کے مکالمے ، چند گنتی کے موقعوں کو چھوڑ کر ، منظوم ہیں اور طالب نے اُن میں طرح طرح کی جدّتیں پیدا کر کے ڈرامے کی دلچسپی میں اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے ، اور یہ بلاشبہ ایسی کوشش ہے جس میں وہ پوری طرح کامیاب بھی ہوئے ہیں ۔ اس کامیابی میں اُن کی مہارتِ زبان کو بڑا دخل ہے ۔ ڈرامے کا دوسرا دلچسپ عنصر اُس کے گانے ہیں ۔ ان گانوں سے بھی طالب کی قدرتِ بیان اور فنی چابک دستی کا پتا چلتا ہے ۔ یہ دعویٰ میں نے کس بنا پر کیا ہے ، اس کی وضاحت کے لیے میں پہلے ''نگاہِ غفلت'' کے گانوں کے متعلق کچھ باتیں عرض کروں گا اور پھر اُس کے مکالموں کے متعلق ۔

گانے :

گانوں کے سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ڈرامے میں اُن کی بھرمار نہیں ہے ۔ 'نگاہ غفلت' ۱۸۸۸ع کا لکھا ہوا ڈراما ہے ۔ ڈراما نگاری کی تاریخ میں یہ عہد ''اِندر سبھا'' کے اثرات کا عہد ہے اور ہم خواہ کسی ڈراما نگار کے ڈراموں کا مطالعہ کریں ، یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ڈراما لکھنے والے گانوں کی کثرت سے ڈرامے کو دلچسپ بنانا چاہتے ہیں ۔ اس رجحان کا یہ عالم ہے کہ بعض اوقات ڈرامے میں گانوں کی تعداد اتنی بڑھ جاتی ہے کہ دیکھنے والے کو دوسری خوبیوں کا احساس تک نہیں ہو پاتا ، بلکہ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ گانوں کی بھرمار ڈرامے کے تماشائی کے لیے کوفت اور عذاب بن جاتی ہے ۔ ''نگاہِ غفلت'' میں ، اس کے باوجود کہ وہ

کم و بیش ایک منظوم ڈراما ہے ، گانوں کا استعمال بڑے اعتدال سے ہوا ہے ۔ پورے ڈرامے میں چار باب ہیں اور چاروں ابواب میں کل ۱۳ منظر ۔ ذرا گن کر دیکھیے کہ ان ابواب میں کل کتنے گانے ہیں اور ان کی نوعیت کیا ہے ۔ پہلے باب کے دو منظروں میں سب ملا کر سات گانے ہیں ، دوسرے باب کے چار منظروں میں کل بارہ گانے ہیں ۔ دونوں بابوں کے سات اور بارہ انیس گانوں میں سے ۶ غزلیں ہیں ، ۷ ٹھمریاں ، ۴ انگریزی طرز کے گانے اور دو گانے ایسے ہیں جن کے متعلق کسی طرح کا اشارہ نہیں دیا گیا ۔ تیسرے اور چوتھے باب میں گانوں کی تعداد اور بھی کم ہے ۔ تیسرے میں گیارہ اور چوتھے میں ۵ ، کل ملا کر ۱۶ گانے ہوئے ۔ ان ۱۶ گانوں میں ۹ ٹھمریاں ہیں ، چار غزلیں ، ایک انگریزی طرز کا اور دو متفرق گانے ۔ اس طرح پورے ڈرامے میں سب ملا کر ۳۵ گانے ہوئے ۔ اس طرح ۳ گانے فی منظر کا اوسط بھی نہیں پڑتا ۔ چونکہ دو مناظر میں موقع اور محل کی مناسبت سے سات اور آٹھ گانے بھی آ گئے ہیں اس لیے کئی منظروں میں صرف ایک ایک گانا ہے اور دو منظر ایسے ہیں جن میں سرے سے کوئی گانا ہے ہی نہیں ۔

گانوں کی یہ کمی البتہ تحت اللفظ میں اشعار پڑھوا کر پوری کی گئی ہے اور اس کے لیے مسدّس اور مخمّس کے علاوہ دو ایک جگہ مثنوی کا پیرایہ بھی اختیار کیا گیا ہے ۔ گانے عام طور پر مختصر ہیں اور ڈرامائی محل کے اعتبار سے بہت موزوں ۔ ان سے جابجا کہانی کے آگے بڑھانے اور الجھنوں اور پیچیدگیوں کو دور اور حل کرنے میں مدد لی گئی ہے ۔ گانوں میں اکثر و بیشتر لفظوں کا انتخاب

بہت اچھا ہے۔ اشعار میں روانی اور بے ساختگی ہے ۔ غزلوں میں کہیں کہیں تغزّل کی خاصی دل نشیں کیفیت ہے۔ دو مثالوں سے ان خصوصیتوں کا اندازہ لگائیے :

(۱) پہلے باب کے پہلے منظر میں ایک گانا ہے جسے ''انگریزی طرز'' میں گانے کی ہدایت کی گئی ہے ۔ اس کے بول یہ ہیں :

جنّ و بشر فانی ، شمس و قمر فانی ، شاخ و شجر فانی ، سنگ و حجر فانی ، لعل و گُہر فانی ، زیر و زبر فانی ، ہر خشک و تر فانی،،

اللہ باقی مِنْ کل فانی ، فضلِ خدا سے ہوگی شفا

(۲) پہلے باب کے دوسرے منظر میں نرگس نے تین شعر کی ایک غزل گائی ہے ۔ تینوں شعر یہ ہیں :

دریائے محبت سے کنارہ نہیں کرتے
جی ڈوبے مگر دم کبھی مارا نہیں کرتے
دل دوست پرستوں کا پرستار ہے اپنا
ہم کعبہ و بتخانہ گوارا نہیں کرتے
کہتے ہو کہ طالب ہے خرابات میں شامل
باور کبھی کہنا یہ تمھارا نہیں کرتے

(۲) تیسرے باب کے دوسرے منظر میں ناظم نے تین شعر کی غزل گائی ہے ۔ وہ تین شعر یہ ہیں :

کھو گئے آپ ہمیں جان کے کھوتے کھوتے
خاک ہمّت نہ رہی خاک کے ہوتے ہوتے

حال اپنا جو سنے وہ تو ہے سننے قابل
آئے ہیں ہنستے ہوئے ، جائیں گے روتے روتے
بس اٹھو گر تمھیں منزل کی طلب ہے طالب
شام سے صبح ابھی ہو گئی سوتے سوتے

(۴) اب اس مکالمے کے چند شعر سنیے جو مثنوی کے انداز میں لکھا گیا ہے ۔ پہلے باب کے دوسرے منظر میں شاطر اور اورنگ ایک معاملے کے متعلق گفتگو کرتے ہیں ۔ گفتگو خاصی طویل ہے ۔ سوال و جواب میں دونوں کرداروں کو کئی کئی بار بولنا پڑتا ہے ۔ اس مکالمے کے درمیان کے چند شعر یہ ہیں جو شاطر کی زبان سے نکلے ہیں :

اگر شیر بھی ہو کوئی قرض‌دار
تو بلّی سے بدتر ہے کر اعتبار
میں ٹھہرا یہاں ہوں ، تو جا کر پھر آ
کسی پر نہ ظاہر ہو یہ مشورا
تقاضا کیرائے کا کر بے گماں
مناوے جو ناظم تو ہرگز نہ مان
بظاہر مناؤں گا میں بھی تجھے
جھڑک کے تو بس ٹال دینا مجھے

(۵) اور سب سے آخر میں ایک مکالمہ دیکھیے جو پہلے باب کے دوسرے منظر میں مسدّس کی صورت میں آیا ہے ۔ ان تینوں شعروں میں وہی زور ہے جسے عام طور سے مسدس کی خصوصیت

سمجھا جاتا ہے ۔ ناظم شاطر سے مخاطب ہے :

حال معلوم ہے تم کو مری ناچاری کا
تنگ دستی کا ، دل افگاری کا ، بیماری کا
وقتِ امداد یہی ہے ، یہی غم خواری کا
تم سے یاروں کی تو قائل ہوں سدا یاری کا
کہہ دو اورنگ سے تم ، وہ نہ ذرا جبر کرے
اُس کو سمجھا دو کہ کچھ روز ذرا صبر کرے

اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے کہ طالب گیت ، غزل ، مثنوی ، مسدّس ہر ایک کے فنّی مزاج سے واقف ہیں اور ان سے کام لیتے وقت برابر اُن فنّی خصوصیات کو پیش نظر رکھتے ہیں جو ان اصنافِ سخن سے مخصوص ہیں ۔ انھیں کلام پر اتنی قدرت بھی ہے کہ بات صفائی کے ساتھ سیدھی سادی زبان میں ادا کر سکتے ہیں ، اور اس لیے اشعار سے جو کام لینا چاہتے ہیں اس میں انھیں خاصی کامیابی ہوتی ہے ۔ لیکن ڈرامے میں ایسے حصے بھی نظر آتے ہیں جہاں اشعار میں کسی نہ کسی طرح کا الجھاؤ ہے ۔ بلکہ کبھی کبھی تو بیچ میں ایسے مصرعے بھی آ جاتے ہیں کہ لفظوں کا تلفّظ بگاڑے بغیر انھیں موزوں نہیں پڑھا جا سکتا ، لیکن یقین کے ساتھ یہ کہنا آسان نہیں کہ ان خرابیوں کا ذمہ دار کون ہے ۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ اس طرح کی اکثر غلطیاں اُسی افراتفری کا نتیجہ ہیں جس میں ہمارے ڈرامے ہمیشہ سے چھپتے چلے آئے ہیں ۔ طالب کو ان کا ذمہ دار ٹھہرانا درست نہیں ۔

مکالمے :

اس بحث کے شروع میں میں نے گانوں اور مکالموں کو طالب کی فنّی مہارت اور چابک دستی کی علامت قرار دیا تھا اور اس ضمن میں خصوصیت سے زبان و بیان پر ان کی قدرت کا ذکر کیا تھا۔ اوپر کی مثالیں میرے دعوے کی تائید کرتی ہیں۔ لیکن اس چابک دستی کا اظہار گانوں سے بھی زیادہ مکالموں میں ہوا ہے۔ مکالموں میں طالب نے ایسی جدّتوں سے کام لیا ہے کہ مکالمے پڑھتے وقت بڑا لطف آتا ہے۔ ان جدّتوں میں سے چند کی مثالیں اوپر آ چکی ہیں جن میں ہم نے دیکھا کہ طالب شعر کی مختلف اصناف کی مدد سے مکالمے کو مؤثر بناتے ہیں۔ مثنوی اور مسدّس کے استعمال کی ایک ایک مثال پیش کی جا چکی ہے۔ ایسی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں۔ ان کے علاوہ مثلّث، مخمّس اور رباعی سے بھی حسبِ ضرورت کام لیا گیا ہے۔ لیکن ان اصناف کو ان کی صحیح شکل میں استعمال کرنے کے علاوہ طالب نے شعروں اور مصرعوں سے طرح طرح کے کام لیے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے :

(۱) مکالموں کی صورت کبھی تو یہ ہے کہ ایک کردار ایک شعر پڑھتا ہے اور دوسرا اس کا جواب شعر میں دیتا ہے۔ کبھی کبھی کردار کی بات ایک شعر میں پوری نہیں ہوتی تو وہ اسے ایک سے زیادہ شعروں میں ادا کرتا ہے۔

(۲) مکالموں کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک کردار ایک مصرع کہتا ہے اور دوسرے کردار کے جواب سے شعر پورا

ہو جاتا ہے ۔ ذیل کی مثال سے اس کی وضاحت ہو جائے گی :

لڑکا : بھوک مجھ کو ہے لگی ، میں تو مٹھائی کھاؤں گا

ناظم : صبر کر بیٹا ، مٹھائی میں تجھے دلواؤں گا

(۳) تیسری صورت ، جس میں طالب کی جدّتِ طبع کو دخل ہے ، یہ ہے کہ ایک کردار پورا مصرع نہیں بولتا ، بلکہ :

(الف) مصرع دو کرداروں کی گفتگو سے پورا ہوتا ہے ۔ مثال یہ ہے :

شاطر : ترے گھر میں رہتا ہے ناظم تو ؟

اورنگ : ہاں !

شاطر : کرایہ ہے کچھ اس سے پانے کو ؟

اورنگ : ہاں !

اس مثال میں شاطر سوال کرتا ہے اور مصرع پورا ہونے میں صرف ایک 'سبب' کی کمی رہ جاتی ہے ، اسے دونوں مرتبہ اورنگ 'ہاں' سے پورا کر دیتا ہے ، اور یوں دونوں کردار دو دو مرتبہ بولتے ہیں تو شعر پورا ہوتا ہے ۔ اس جدّت کو طالب نے اور طرح طرح کی صورتیں دے کر ان میں جدّت در جدّت کی کیفیت پیدا کی ہے :

(ب) ایک مثال ملاحظہ کیجیے ۔ اوپر والا مکالمہ جاری رہتا ہے ۔ جب اورنگ دوسری مرتبہ 'ہاں' کہہ چکتا ہے

تو شاطر کہتا ہے :

شاطر : ’تو ناظم کا جس وقت تھا قرض دار
کیا تنگ کیسا تجھے اس نے یار
گیا بھول یا یاد ہے ؟

یہاں ایک شعر تو پورا ہے مگر تیسرے مصرعے میں ابتدائی مکالمے کے مقابلے میں زیادہ رُکنوں کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے ۔ وہ اورنگ کے جواب سے یوں پوری ہوتی ہے ۔ اورنگ کہتا ہے :

اورنگ : یاد ہے !

اور اس کے جواب میں شاطر اس سے یہ سوال کرتا ہے :

شاطر : ’تو کیوں اس کے آرام سے شاد ہے

پہلی مثال میں ایک شعر تھا اور شعر کے دونوں مصرعوں میں دو کرداروں کی گفتگو سما گئی تھی ۔ یہاں دو شعر ہیں ۔ ان میں ایک کردار دو مرتبہ بولتا ہے اور تین سے زیادہ مصرعے اس کی زبان سے نکلتے ہیں ۔ دوسرا کردار صرف ”یاد ہے“ کہتا ہے اور اس طرح مکالمے کا یہ ٹکڑا اُس ٹکڑے سے مختلف صورت اختیار کر لیتا ہے جو اس گفتگو کے شروع میں ہمارے سامنے آیا ۔

(ج) ایک تیسری صورت اور ہے جو اوپر کی دونوں صورتوں سے مختلف ہے اور آگے چل کر آتی ہے ۔ پہلے مثال دیکھ

لیجیے ، اس کے بعد اس کا تجزیہ کر لیں گے ۔ مثال یہ ہے :

شاطر : (خود سے) اب تو مزا ہے

اورنگ : جلد چُکا دے حساب بَس

شاطر : (خود سے) کمبختی آئی یار کی

اورنگ : لاؤ شتاب بس

یہاں یہ ہوا ہے کہ پہلا کردار خود اپنے آپ سے ایک بات کہتا ہے اور دوسرا کردار اپنی بات پہلے کردار کو مخاطب کر کے کہتا ہے ۔ اورنگ کو شاطر کے دل کا حال نہیں معلوم ۔ وہ تو بس اپنی بات کہہ رہا ہے ، لیکن ڈرامے کے تماشائی کے لیے اس چھپی ڈھکی صورتِ حال میں ایک خاص لطف ہے ۔

(د) اوپر کی تینوں صورتوں سے بھی انوکھی ایک صورت ذیل کے مکالمے میں ملتی ہے :

نرگس : فرمائیے مزاج

شاطر : مرا حال غیر ہے

نرگس : کیوں کیا ہوا ؟ خدا نہ کرے

شاطر : جی بخیر ہے

بات یہیں ختم ہو جاتی تو یہ مثال بھی ویسی ہی ہوتی جیسی مثال نمبر ۳ (الف) ، لیکن طالب نے اس جگہ یہ کیا کہ شاطر کی زبان سے نرگس کی بات کا جواب دلوا کر

اُس کی بات کو جاری رکھا اور اُس نے اس ٹکڑے کے علاوہ شاطر کی زبان سے ایک اور بات کہلوائی جو دو مصرعوں میں پوری ہوئی - مکالمے کی آخری صورت یہ ہو گئی :

نرگس : فرمائیے مزاج
شاطر : مرا حال غیر ہے
نرگس : کیوں کیا ہوا ؟ خدا نہ کرے
شاطر : جی بخیر ہے—
لیکن ہمارے حال کی تم کو خبر نہیں
آنکھیں وہی تمھاری ہیں ، لیکن نظر نہیں

(۴) جدّتِ طبع نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور وہ اس طرح کہ کہیں کہیں مکالمے کا مصرع تین کرداروں کے بولنے سے پورا ہوا - پورے مکالمے میں چار کردار ہیں - ایک مصرع دو کردار بولتے ہیں اور دوسرا مصرع تین کرداروں کے بولنے سے پورا ہوتا ہے - مثال یہ ہے :

زینب : (کاظم سے) بیٹا چلو ، تماشا دکھا لاؤں
سلیم : جاؤ بھی
کاظم : جاؤں میں امّاں جان بھلا ؟
نرگس : جاؤ
زینب : آؤ بھی

(۵) ایک مکالمے میں بحرِ طویل استعمال کر کے طالب نے اپنی تنوع پسندی کا ایک اور ثبوت دیا ہے ۔ یہ بحر مسرور اور سنبل کے ایک مکالمے میں استعمال ہوئی ہے ۔ اسے میں جوں کا توں نقل کیے دیتا ہوں :

مسرور : دیکھ اے یار وفادار ، ملا ایک تھا زردار ، اسے مار ، کیا پار
اٹھا ڈال دیا غار میں جھٹ پٹ و کیا مال اٹھا چٹ ،
نہ ملی پاؤں کی آہٹ ، میں اڑا مال اڑا کے

سنبل : اک بڑھیا سے ملاقات ، ہوئی چوک میں کل رات ،
گئے اور کیا گھات ، پڑی سوتی تھی بدذات ، جڑی
ایک ایسی لات ، الٹ کھاٹ ، گلا کاٹ ، گھسی گھر
میں کھٹا کھٹ ، میں اڑی مال اڑا کے

کسی ماہر ہدایت کار کی ہدایات سے انوکھی طرز کے ان مکالموں میں کتنی جان پڑ سکتی ہے ، اور ساز کی موزوں سنگت سے انھیں کس قدر مؤثر اور دل نشیں بنایا جا سکتا ہے ، اس کا تصور مشکل نہیں ۔ ایک طرف تو ان سپاٹ اور بے آہنگ مکمل مصرعوں اور شعروں کا تصور کیجیے جو بغیر کسی رکاوٹ کے ڈرامائی مکالموں میں آتے چلے جاتے ہیں اور دوسری طرف ان مکالموں کو دیکھیے جنھیں ذرا سی ذہانت سے بعض ایسی صورتیں دی گئی ہیں جن سے نہ صرف مکالموں کی اکتا دینے والی سپاٹ بے آہنگی دور ہوتی ہے ، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر لطف و انبساط کا سرمایہ بھی ہاتھ آتا ہے ۔

'نگاہِ غفلت' کے مکالموں میں ایسے جملے بھی کم نہیں ہیں جن میں قافیہ پیمائی کے التزام نے کوئی نہ کوئی بھونڈا پن پیدا کر دیا ہے ، لیکن ایسے جملوں کے مقابلے میں مکالموں میں ایسے جملے زیادہ ہیں جن میں روزمرہ کی بے تکلفی بھی ہے اور موقع و محل کی مناسبت سے مزاح کی چاشنی بھی -

منظوم ڈراموں میں کہیں کہیں تھوڑی بہت نثر بھی آ جاتی ہے ، لیکن یہ نثر عموماً چند فقروں سے زیادہ نہیں ہوتی - 'نگاہِ غفلت' اس لحاظ سے ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں بیچ بیچ میں نثر کے جو مکالمے آتے ہیں (اور ایسے موقعے پانچ ہیں) وہ شروع ہوتے ہیں تو اُس وقت تک جاری رہتے ہیں جب تک بات کسی خاص نتیجے تک نہ پہنچ جائے - نثری مکالموں کے ان پانچ موقعوں میں سے تین تو ایسے ہیں جن میں قافیے کا التزام ہے ، دو میں البتہ یہ صورت نہیں ، لیکن منفّٰی اور سادہ نثر کے ان پانچوں مکالموں کی مشترک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں تکلّف اور تصنّع ذرا بھی نہیں - بات سیدھے سادے روزمرہ میں بڑی بے تکلفی سے کہہ دی گئی ہے -

'نگاہِ غفلت' کے مختلف فنی پہلوؤں پر گفتگو کے بعد بھی اُس کا ایک پہلو رہ گیا جس کی طرف اشارہ ضروری ہے ؛ اور وہ ہے اُس کا اخلاقی اور اصلاحی پہلو - مشرقی قصّوں میں ، جن میں اُردو کے قصّے بھی شامل ہیں ، بعض اخلاقی اور معاشرتی قدروں کی پاسداری کو قصّہ گو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں ، لیکن اس فرض کی ادائگی میں عموماً سب کی روش ایک سی ہوتی ہے - داستان گو

ہو یا ڈراما نگار، وہ انسانی اخلاق کے بعض پہلوؤں کو اُبھار کر اُن کی اچھائی پر زور دینا چاہتا ہے - ان اچھائیوں کے مقابلے میں بعض برائیاں بھی لائی جاتی ہیں اور دونوں کا باہمی تضاد پڑھنے والے کے دل میں ایک طرح کی قدروں کی محبت پیدا کرتا ہے اور دوسری طرح کی قدروں کی نفرت - قدیم کہانیوں میں اچھائیوں اور برائیوں کی فہرست تقریباً ایک سی ہوتی ہے اور اس فہرست میں عموماً وہ اخلاق اور معاشرتی اچھائیاں اور برائیاں شامل ہوتی ہیں جنھیں ہر زمانے کے انسان نے اچھا یا برا سمجھا ہے - اُردو کے اُنیسویں صدی کے ڈرامے میں بھی اس روش کی پابندی کی گئی ہے، لیکن بعض ڈراما نگار ایسے بھی ہیں اور ان میں طالب کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے، جو اپنے گرد و پیش کی زندگی میں پھیلی ہوئی برائیوں کو طنز و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں - 'نگاہِ غفلت' میں بھی یہی صورت ہے - اس میں جابجا معاشرے میں پھیلے ہوئے افلاس کا ماتم ہے، لیکن ساتھ ہی اِس مذموم معاشرتی رسم کا تذکرہ بھی کھل کر کیا گیا ہے کہ لوگ شادی بیاہ میں سودے بازی کرنے لگے ہیں - ایک کردار کی زبان سے اُنھوں نے یہ بات کہلوائی ہے کہ :

رسم شادی کی تو نکلی گھر بسانے کے لیے
لیکن اب لوگوں نے رکھی زر کمانے کے لیے
بیاہتے اولاد کو اب ہیں خزانے کے لیے
آبرو[۱] اس جال نے سارے زمانے کے لیے
پاس جب تک آدمی کے اب بہت سا ہو نہ مال
کس طرح اس ملک میں ہو بیاہ شادی کا خیال

۱- 'آبرو' کا استعمال صحیح نہیں (وقار) -

چھٹے مصرعے میں ''اِس ملک میں'' کی تخصیص قابلِ توجہ ہے -

لیکن ذرا اور آگے چل کر جو بات کہی گئی ہے وہ تو ایسی ہے کہ اس میں ''اِس ملک'' کی بھی تخصیص ہے اور ''اُس زمانے'' کی بھی جس میں یہ ڈراما لکھا گیا ہے - حکومت نے بعض چیزوں پر لائسنس لگایا ہے - ڈراما نگار نے بغیر کسی جھجک کے اس پالیسی پر تنقید کی ہے اور جی کھول کر اُس کا مذاق اُڑایا ہے - ایک کردار یہ غزل گاتا ہے :

کیا وقت ہے ، کیا بخت ہے ، ہر لحظہ جس کا سخت ہے
سختی کا اب تو تخت ہے اِس عالم و امصار میں
کچھ کام ہے نہ کاج ہے ، قرضے پہ بڑھتا بیاج ہے
ہر کوڑھ میں اک کھاج ہے ، لیسنس کاروبار میں
لیسنس حقّے پان پر ، لیسنس ناک اور کان پر
لیسنس جی پر ، جان پر ، ہر ایک رگ کے تار میں
لیسنس اُٹھتے بیٹھتے ، لیسنس گھستے پیٹھتے
لیسنس خاں ہیں اینٹھتے ، ہر کوچہ و بازار میں

حکومت کی روش پر اس طرح کی تنقید اب سے ۸۰-۸۵ برس پہلے کی غزلوں میں تو مل جائے گی ، لیکن ڈراموں میں نہیں ملتی ، اس لیے طالب کی یہ طنز ، شگفتہ انداز ہی میں سہی ، بسا غنیمت ہے -

سمن آباد ، لاہور

۱۰ دسمبر ۱۹۷۲ع وقار عظیم

(بیرونی سرورق کی عبارت)

نگاہِ غفلت

عرف

بُھول میں بُھول کانٹوں میں پھول

جس کو

منشی ونایک پرشاد صاحب طالب نے واسطے وکٹوریا ناٹک کمپنی کے
تصنیف کیا اور باجازت وکٹوریا ناٹک کمپنی نرائن داس جنگلی مل
تاجرِ کتب دہلی نے صرف ٹائیٹل مطبع افتخار دہلی میں
منشی محمد ابراہیم کے اہتمام سے چھپوایا

۱۸۹۲ع

قیمت ۵ آنے

(اندرونی سرورق کی عبارت)

ناٹک

نگاہِ غفلت

عرف

بُھول میں بُھول کانٹوں میں پھول

جس کو

واسطے وکٹوریا ناٹک کمپنی بمبئی کے اس کمپنی کے خاص مصنّف
منشی ونایک پرشاد طالب

نے تصنیف کیا

اور

حسب الحکم مالک کمپنی نرائن داس و جنگلی مل کتب فروشاں
دہلی دریبہ کلاں نے طبع کیا

در مطبع جوہر ہند دہلی ، باہتمام جی نرائن طبع شد

تختۂ ناٹک

فیّاض : ایک سوداگر — شاطر اور اورنگ کا دوست

اورنگ : شاطر کا سادہ لوح دوست

شاطر : ایک عیّار — اورنگ کا مکار دوست

چنگیز : ایک دکاندار — سلیم کا جان پہچان والا

سلیم : ناظم کا چچا ، زینب کا خاوند

ناظم : ایک کسان — اورنگ کا قرضدار ، نرگس کا خاوند

کاظم : پسرِ ناظم

نرگس : فیّاض کی بیٹی ، ناظم کی بیوی

سنبل : نرگس کی بالکل ہم شکل بہن

زینب : سلیم کی بیوی

شمشیر خاں : کوتوالِ شہرِ کیرو یا قاہرہ

اس کے علاوہ : دکاندار ، خریدار ، معشوق ، مہمان ، شرابی وغیرہ

✡ ✡ ✡

باب پہلا

پردہ پہلا

مکان — دیوان خانہ

[فیاض کا بیمار پڑنا اور شاطر اور اورنگ کا پاس
بیٹھ کر تیمارداری میں مصروف ہونا]

فیاض : گلشنِ دنیا میں ہستی رنگ ہے ناپائدار
زندگانی خواب ہے جس کو نہیں ہرگز قرار
ایک دن جورِ خزاں ہے اس گلستاں کے لیے
خوفِ صیّادِ اجل ہے بلبلِ جاں کے لیے
وقت آخر ہے مرا ، نرگس کا ہے پر انتظار
دید کو اُس نورِ دیدہ کی ہیں آنکھیں بے قرار

[شاطر سے مخاطب ہو کر]

بھائی شاطر بیاہتا نرگس تمھارے ساتھ اگر
کیوں مجھے تکلیف ہوتی آج اُس سے اس قدر

شاطر : میں تو کچھ کرتا نہ تھا کم آپ کی بیٹی کو پیار
بیاہنا اس کا مجھے منظور تھا لیل و نہار
لیکن اس نے قدر میری چاہ کی کچھ زینہار
کی نہیں ، مرضی سے اپنی کر لیا ناظم کو یار

چاہ بلبل کی نہ بھائی ، زاغ پر مرنے لگی
گل پسند آیا نہ ، اس کے داغ پر مرنے لگی

اورنگ : نا خلف لڑکی تمھارے بے گماں پیدا ہوئی
وہ چراغِ خاندانی میں دھواں پیدا ہوئی

فیاض : شمع ساں جس کے دھواں ہوتا ہے پیدا بدنما
بن کے کاجل آنکھ میں کر لیتا ہے اس کی وہ جا
گرچہ کھوٹے زر نہیں آتے کسی کے کام میں
دل مرا اس کی محبت کے پھنسا ہے دام میں
ٹوٹتا ہے اب بدن میرا و حالت غیر ہے
جان کی آتی نہیں مجھ کو نظر اب خیر ہے

شاطر : گانا[1]

رکھ تو خدا پر آسرا ، نہیں دوسرا خدا کے سوا
اللہ اللہ کر ، غم نہ کھا ، ہے دنیا سرا ،
فنا ہے فنا ، ہے جنّ و بشر فانی ،
شمس و قمر فانی ، شاخ و شجر فانی ،
سنگ و حجر فانی ، لعل و گُہر فانی ،
زیر و زبر فانی ، ہر خشک و تر فانی ،
اللہ باقی مِن کُلّ فانی ،
فضلِ خدا سے ہوگی شفا

۱۔ انگریزی طرز

فیاض : غزل

(تحت اللفظ)

شمع کے طور سے اک رات ہم اس انجمن میں تھے
نسیمِ صبح کی مانند کوئی دم چمن میں تھے
ہوا کھانے کو یاں مثلِ صبا آئے تھے عالم میں
نہایت گرم واں شوقِ سفر رکھتے وطن میں تھے
مرے ترکے میں حق ہے نصف سنبل نصف نرگس کا
یہ دو وارث مرے، دو پھول ہستی کے چمن میں تھے

[شاطر اور اورنگ کا سنبل کے نام سے چونکنا اور
الگ ہو کر مشورہ کرنا]

اورنگ : سمجھے تھے اس باغ میں ہم یہ زرِ گل، مالِ مفت
پھر (یہ) سنبل کون ہے جی! ایں گلِ دیگر شگفت

شاطر : اب تلک آئی نہیں نرگس تو شاداں ہم ہوئے
پر سنا جو نام سنبل کا، پریشاں ہم ہوئے

[دونوں کا فیاض کے پاس جا کر سنبل کا حال پوچھنا]

اورنگ : کون ہے سنبل ؟ کہاں ہے ؟ یہ تو بتلا دے ہمیں
حق بھلا ہے کس طرح سے اُس کا، دکھلا دے ہمیں

فیاض : ہائے رے وہ بہارِ جوانی
تھی جوانی تلک زندگانی

پہلی بی بی سے جب میری پیدا
مری نرگس ہوئی روح افزا

دوسری میں نے کی اور شادی
جس سے پیدا ہوئی ایک لڑکی
نام رکھا تھا اس کا تو سنبل
پر مشابہ تھی نرگس سے بالکل
ماں کو سنبل کی پر سال بھر تک
تھی نہ نرگس کی ماں کی خبر تک
سوت کا حال جب اس نے جانا
چھوڑ کے گھر جان سے روانہ
ہوگئی ، لے کے سنبل کو ، بھائی !
اور اب تک نہ پھر کے وہ آئی
یہ بہن دونوں نرگس و سنبل
میرے ہی باغ کے دونوں ہیں گل
بعد میرے جو سنبل کو پانا
مال آدھا اسے بھی دلانا
اور آدھا ہی نرگس کو دینا
لکھ ہماری وصیّت کو لینا

[شاطر کا وصیّت لکھنا]

اورنگ : اپنے حصّے کی وصیّت جو لکھا خوب کیا
اپنی اولاد کو سب مال دیا خوب کیا

فیاض : ہائے وہ زر ، نہ کسی کو جو دیا جیتے جی
قبر میں مجھ کو ستائے گی جدائی اس کی

[وصیت نامے پر شاطر کا دستخط کروانا]

شاطر : لکھا سب ، کیا تم نے اظہار جو
کرو دستخط اس پہ ، کاغذ یہ لو

فیاض : کیا دستخط میں نے ، تم دونوں اب
گواہی لکھو اپنی ، کامل ہو تب

اورنگ : (دستخط کرنے کے بعد)

گواہی بھی ہم لکھ چکے نامدار
تم آرام فرماؤ اب نیکوکار

[فیاض کے جگر میں درد ہونا]

فیاض :

اٹھا ہائے شدّت سے دردِ جگر
مری جان کا مجھ کو اب ہے خطر

[شاطر اور اورنگ دونوں کا مشورہ کرنا]

شاطر : راہی اب سوئے عدم باغ کا یہ مالی ہے
مژدہ ہو بلبلوں کو ، آج چمن یہ خالی ہے
نہ تو نرگس کو خبر ہے ، نہ ہے سنبل کا پتا
نہ تو گلچیں ہے ، نہ صیّاد ابھی تک آیا
لوٹ لو شوق سے ، اس باغ کو تاراج کرو
خالی ہے تختِ چمن ، بیٹھ کے اب راج کرو

اورنگ : پھر یہ لکھوایا ہے اُس نے جو وصیّت نامہ
یہ تو ہم دونوں کے حق میں ہے فضیحت نامہ

شاطر : اس وصیّت کو بس اب آگ لگاؤ بھائی
دل کو ٹھنڈا کرو اور اس کو جلاؤ بھائی

[اورنگ کا وصیت نامے کو جلانا ، فیاض کا وصیت نامے
کے لیے ہاتھ بڑھانا ۔ شاطر کا اس کا
گلا گھونٹنا ، فیاض کا مارا جانا]

باب پہلا

پردہ دوسرا

جھونپڑی یا مکان ناظم

نرگس : **غزل**[1]

دریائے محبت سے کنارہ نہیں کرتے
جی ڈوبے مگر دم (کبھی) مارا نہیں کرتے
دل دوست پرستوں کا پرستار ہے اپنا
ہم کعبہ و بت خانہ گوارا نہیں کرتے
دریائے محبت —
کہتے ہو کہ طالب ہے خرابات میں شامل
باور کبھی کہنا ، یہ تمہارا نہیں کرتے
دریائے محبت —

لڑکا : واہ وا کیا اچھا گانا تم نے گایا اماں جان

نرگس : اب تلک آئے نہیں بیٹا ! تمھارے باوا جان

لڑکا : کیوں نہ آیا ! ڈھونڈ لاؤں میں ؟ ارے وہ آتا ہے

[لڑکے کا کھیت کی طرف دوڑنا اور گرنا ۔ ناظم کا آنا ، لڑکے کا خوش ہونا ، نرگس کا لڑکے کو اٹھانا]

۱۔ طرز : پیدا ہوا ہے ذاتِ خدا سے

نرگس : چل سنبھل کے کس لیے بچّے تو یوں گھبراتا ہے ؟

[ناظم سے مخاطب ہو کر]

تھے کہاں اے جانِ جاں ! ہے آپ کا کیسا مزاج ؟

ناظم : کھیت میں کچھ دیکھتا تھا کام ، ہے اچھا مزاج

نرگس : دیر سے تکتی تھی کھانے کے لیے یاں راہ میں

ناظم : جلد اسی کے واسطے آیا ہوں اے دلخواہ ! میں

لڑکا : بھوک مجھ کو ہے لگی ، میں تو مٹھائی کھاؤں گا

ناظم : صبر کر بیٹا ، مٹھائی میں تجھے دلواؤں گا

[نرگس سے]

کل پسر کا اپنے ، اے دلدارِ من ! نوروز ہے

نرگس : فکر اس کی آج لڑکے سے مجھے دل سوز ہے

ناظم : آج تو جانا ہے دعوت میں چچا کے گھر مجھے

نرگس : دے گئے تھے کل وہ دعوت خود یہاں آ کر مجھے
ہو گیا کیا بیاہ ؟

ناظم : وہ تو بیاہ کے بھی آ چکے

نرگس : پھر بھلا کس کام کا جانا ، اجی تم جا چکے

ناظم : بیاہ میں تو آہ کاموں سے نہیں میں جا سکا
شام کا کھانا مگر دعوت میں جا کر کھاؤں گا

نرگس : یہ تو کامی چور اور حاضر نوالے کا ہے حال
ناظم : چل تو رہنے دے اسے جلدی سے اب کھانا نکال

[نرگس کا کھانا چننا ، لڑکے کا مچلنا]

لڑکا : اوں ، تمھارے ساتھ باوا جان میں بھی جاؤں گا
ناظم : کل تجھے بیٹا مٹھائی میں یہیں لے آؤں گا
لڑکا : اوں نہیں ، اوں اوں ، وہاں جا کے میں کھاؤں گا پلاؤ
ناظم : کیا پلاؤ ؟ اچھا یاں لا کر پکاؤں گا پلاؤ

[لڑکے کا بیٹھ کر ضد کرنا]

لڑکا : لاؤ جلدی ، میں نہ چھوڑوں گا ، نہ چھوڑوں گا کبھی
ناظم : چھوڑ ارے تو چھوڑ ، لاتا ہوں ، میں لاتا ہوں ابھی

[ناظم کا پیسے دینا]

آج تو پیسہ یہ لے ، کل دوں گا میں لا کر پلاؤ
نرگس : لیجیے کھانا چنا ہے ، آ کے صاحب جلد کھاؤ

[سب کا کھانا ، نرگس کا کرایے کا ذکر کرنا]

کل خوشی کا دن ہے ، لیکن ساتھ اس کے فکر ہے
ناظم : دن خوشی کا ہے تو اس میں فکر کا کیا ذکر ہے
نرگس : ہاں مگر گھر کا کرایہ بھی ادا کرنا ہے کل
سینے میں کینہ ہے گھر والے کے ہم سے بے دغل
ناظم : (غمگین ہو کر) **غزل**[1]

کیا کہوں نیک خو ، آیا ہوں دیکھ تو
شہر میں سو بسو ، پھر کے میں کو بکو

۱- طرز : وہی صحن چمن ہے ، وہی انجمن ہے

کام کوئی کہیں ، نام کو بھی نہیں
غم سے اے مہ جبین ! ہوں میں اب دوبدو
کھیت ہے پائمال ، پیسے کا ہے یہ حال
ہر طرف ہے زوال ، سربسر موبمو
کس طرح سے بھلا ، کل ہو باقی ادا
میں تو خود ہو گیا ، تنگی سے روبرو

لڑکا : کاہے (کو) روتے ہیں باوا جان ، اے امّاں بتاؤ
روؤ مت ، مت روؤ باوا جان ، نہیں لوں گا پلاؤ

نرگس : نہ تو رزّاق اس سے بڑھ کے کوئی اور پا سکتے
نہ دنیا سے ہم اس کی اور جا رہنے کو جا سکتے
نہ تو مالک کہیں سے اور کوئی ڈھونڈ لا سکتے
نہ مرضی میں خدا کی ہم گھٹا سکتے ، بڑھا سکتے
جو دیتا ہے وہ رازق ، شکر ہے جو یہ بھی دیتا ہے
نہ دے اتنا بھی گر تو اختیار انسان کا کیا ہے

[لڑکے کا سو جانا]

ناظم : سو گیا کیسا ہے بچہ ، تھال میں منہ ڈال کے

[نرگس کا بچے کو پیار کرنا]

نرگس : آ گئی ہے نیند کیسی ، صدقے میرے لال کے

[ناظم کا لڑکے کو گود میں اٹھانا اور جھونپڑے میں
لے جانا ۔ نرگس کا دسترخوان بڑھانا]

ناظم : گانا[1]

سو جا ، سو جا ، اے پیارے جگر
سو جا ، سوجا باغ و بہارِ نظر
سو جا ، سو جا ، اے گلِ تر
سو جا ، سو جا ، پیارے دلارے پسر
سو جا ، سو جا . . . .

[ناظم کا لڑکے کو لے کر چلا جانا]

نرگس :

سر پر اپنے سنگ پڑے ، پر ہاتھ نہ اپنا تنگ پڑے
بھاڑے کا کل ہو جھگڑا تو رنگ میں اپنے بھنگ پڑے
روپے ہیں کچھ پاس مرے ، وہ جمع کیے ہیں خاص مرے
کام میں آئے آج اگر تو ، پورے ہوں سب آس مرے
خبر نہیں زر کتنے ہیں ، دیکھوں تو گن کر کتنے ہیں
کچھ تو ہیں صندوق میں پر کیسے کے اندر کتنے ہیں

[کیسہ نکال کر روپیہ گننا]

دس اور دس یہ بیس ہوئے اور یہ دس مل کر تیس ہوئے
تیس اور گیارہ انتالیس ، نہیں چالیس—اکتالیس ہوئے
کھیت میں ہیں اللہ دے تھوڑے اک ہفتے سے میں نے رکھے

۱- طرز : جھولنا

آن کو گر بیچوں جا کر تو پیسے بالکل ہوں پورے
بھاڑے کا زر آپ بھروں ، شوہر کا اپنے نام کروں
خبر نہ ہو اس کو لیکن میں خوشی کا اس کی کام کروں

[نرگس کا جانا ، شاطر اور اورنگ کا باتیں کرتے ہوئے آنا]

شاطر : نہیں آج کل پاس ناظم کے زر
ستا تو آیے ، چل کے بس تنگ کر

اورنگ : نہیں زر اگر پاس اس کے نہ ہو
کروں تنگ میں کس طرح سو کہو

شاطر : ترے گھر میں رہتا ہے ناظم تو—؟

اورنگ : ہاں !

شاطر : کرایہ ہے کچھ اس سے پانے کو—؟

اورنگ : ہاں !

شاطر : تو ناظم کا جس وقت (تھا) قرض دار
کیا تنگ کیسا تجھے اس نے یار
گیا بھول یا یاد ہے —؟

اورنگ : یاد ہے !

شاطر : تو کیوں اس کے آرام سے شاد ہے
عوض تو بھی لے آج ناظم سے چل

اورنگ : مری جان پر تو نہ آوے خلل

شاطر : ارے خوف کرتا ہے کیوں نیک کار

اورنگ : وہ ہے غصّہ ور، کر نہ دے مجھ پہ وار

شاطر : اگر شیر بھی ہو کوئی قرض دار
تو بلّی سے بدتر ہے، کر اعتبار
میں ٹھہرا یہاں ہوں تو جا کر پھر آ
کسی پر نہ ظاہر ہو یہ مشورا
تقاضا کرایے کا کر بے گماں
مناوے جو ناظم تو ہرگز نہ مان
بظاہر مناؤں گا میں بھی تجھے
جھڑک کے تو بس ٹال دینا مجھے

اورنگ : بہت خوب، تم ٹھہرو، جاتا ہوں میں
ابھی جاکے اس کو ستاتا ہوں میں

[جانا اورنگ کا، شاطر کا (تنہائی میں) نرگس کی بیوفائی پر افسوس کرنا]

شاطر : دل و جاں سے تجھ پر تو تھا میں فدا
مگر تو نے اے نرگسِ بےوفا
لیا یار ناظم کو اپنا بنا
مگر میں کروں فکر وہ برملا
کہ جس سے تو ہو بس مری دلربا

[آنا ناظم کا، شاطر کا ناظم کو دیکھ کر ہٹ جانا]

ناظم : نرگس کہاں ہے ؟

[سامنے دیکھ کر]

کھیت میں کرتی ہے کام واہ
بے کام گھر بنانے سے اس کو مدام واہ

غزل[1]

ایسی جو دلربا ہو تو پھر ناز کیوں نہ ہو
یہ حسنِ دلفریب ، یہ انداز ، کیوں نہ ہو

ـــــایسی

زندہ ہے پارسائی کا نام اس سے دہر میں
آواز میں مسیح کا اعجاز کیوں نہ ہو

ـــــایسی

خوبی کے آسمان کی نرگس تو ماہ ہے
ہالہ ترا اے ماہ یہ دم ساز کیوں نہ ہو

ـــــایسی

[شاطر کا جلنا]

شاطر : لگے ہالے کو جلد تیرے گہن
چلوں میں ترے ساتھ ایسا چلن

[ناظم کے سامنے آ کر]

تسلیم لیجیے مری اے یارِ غمگسار

ناظم : کہیے مزاج خوش تو ہے ؟ غمخوار غمگسار

۱- طرز : روشن ہیں آسمان پہ اختر جدا جدا

شاطر : آئے جو دم ، وہ نعمتِ پروردگار ہے
ناظم : ہر ایک دم پہ شکر مناسب ہزار ہے

شاطر : اورنگ آج آیا تھا صاحب بھلا یہاں ؟
وہ آج آنے والا ہے ، میں نے سنا یہاں

ناظم : وہ تو ابھی تلک نہیں تشریف لائے ہیں
لیکن زہے نصیب کہ آج آپ آئے ہیں

شاطر : تم میں اور اس میں تین مہینے جو پیشتر
تکرار تھی ، گیا نہیں اب تک وہ اس کا شر ؟
لینے کرایہ آج وہ آوے گا دام دام
کہتا تھا ایک کوڑی نہ چھوڑوں گا نیک نام
میں بھی تو تنگ آیا ہوں اب اس کی چال سے
پھر کیا کروں ، دبا ہوں ذرا اپنے حال سے

ناظم : حال معلوم ہے تم کو مری ناچاری کا
تنگ دستی کا ، دل افگاری کا ، بیماری کا
وقتِ امداد یہی ہے ، یہی غم خواری کا
تم سے یاروں کی تو قائل ہوں سدا یاری کا
کہہ دو اورنگ سے تم ، وہ نہ ذرا جبر کرے
اس کو سمجھا دو کہ کچھ روز ذرا صبر کرے

شاطر : مجھ کو بھی ہے ملال تمھارے ملال سے
پر کیا کروں کہ تنگ ہوں اس بدخصال سے

واقف کروں گا اس کو تمھارے میں حال سے
مقدور بھر (تو) سعی کروں گا کمال سے
کس کو کلام ہے مرے دل کی صفائی میں
میں آج تک نہیں ہوں کسی کی برائی میں

ناظم : بیشک جو نیک ہیں ، نہیں رکھتے وہ بد مزاج

[آنا اورنگ کا]

اورنگ : مدت ہوئی ہے ختم ، چکا دو کرایہ آج

شاطر : (خود سے) اب تو مزا ہے

اورنگ : جلد چکا دے حساب بس

شاطر : (خود سے) کمبختی آئی یار کی

اورنگ : لاؤ شتاب بس

[شاطر کا (بظاہر) منع کرنا]

شاطر : **ٹھمری**[۱]

آج کل یہ زر سے تنگ ہے

اورنگ : بول تو نہیں ، سب ڈھنگ ہے—آج

ناظم : بے شک نہیں زر ، ہوا ہوں ابتر

شاطر : صبر تھوڑے روز کرو تو بہتر—بول
دم لے ذرا تو ، یوں مت ستا تو

۱- طرز : راجہ جی نہ کرو ظلم یہ

اورنگ : کون ہے ؟ بس چل یہاں سے جا تو

ناظم : سفارش ہے بیکار تیری یہاں
نہ خالی کرو آپ اپنی زباں
میں نادم ہوں ، میرے لیے نیک خو
اٹھانا پڑا رنج یہ آپ کو

شاطر : (خود سے)

مرا رنج تو دل سے تب میرے جائے
کہ تو ہاتھ سے رنج میرے اٹھائے

[شاطر کا جانا]

اورنگ : مجھے دیر ہوتی ہے اے بدخصال !
تو کرتا ہے کمبخت یوں لیت و لعل

[ناظم کا مہلت مانگنا]

ناظم : غزل[1]

کرو نہ لام کاف ، خطا کرو معاف
تمھارے دینے سے نہیں ہوں میں خلاف—کرو نہ
دکھا کے دل کوئی نہ آیا پر کبھی
کرے اگر ہزار وہ کعبے کا طواف—کرو نہ
کرو نہ تم غضب ، تمھاری بے طلب
کروں گا جلد سب حساب اپنا صاف—کرو نہ

۱- طرز : کریم کارساز

اورنگ : بس بس زیادہ بات نہ کر ، لا حساب دے
دینا اگر نہیں ہے تو سیدھا جواب دے

ناظم : **ٹھمری**[1]

ستم سر نہ لے ، نہ لے ، غم جلے ٹلے
کر یقین نہیں گھر زمین
سب عامل کامل جاہل عاقل بد بھلے چلے
چھوڑ بھائی یہ برائی ، جان دے نیکی کر ولے

[نرگس کا آنا ، ناظم کا گھبرانا]

(خود سے)
آئی یہاں ہے کھیت سے نرگس ، غضب ہوا
صدمہ یہ حال دیکھ کے ہوگا اسے بڑا

اورنگ : کیا کر رہا ہے دل میں کچھ اپنے خیال تُو

ناظم : اب ایک حرف منہ سے نہ اپنے نکال تُو
چل دور ہو، جو چاہے سو کر میرا حال تُو

[ناظم کا اورنگ کو گردن پکڑ کر نکال دینا ، نرگس کا آنا]

نرگس : **ٹھمری**[2]

اے یار جانی دلدار جانی
میں ڈالوں سدا جیا پیا وار جانی
تم پر بلہار جانی

۱- طرز : بہت چھلی ائی
۲- طرز : میں واری سیتاں

اے یار جانی دلدار جانی
بیچ کے بیضے لاؤں کہیں سے
پاس میرے رہے دھرے تھے جو آج تک
نکلے اس کے دام سے کار جانی
یار جانی ، اے یار جانی

ناظم : ٹھمری[۱]

عادت خوش تیری ساری ہے
اے دلبر نیک انجام—عادت . . . .
سیرت پیاری ، صورت نیاری
چال چلن دلداری کی
چاہے جو تو کام خوش خو کر ،
وہ اے گلفام—عادت . . . .

[نرگس کا جانا ، ناظم کا تعریف کرنا]

مکاں وہ لامکاں ہے جس مکاں میں نیک عورت ہو
حسین ہو پاکدامن ، نیک دل ہو ، ماہ طلعت ہو
وہاں دن رات رحمت ہو ، وہاں ہر وقت برکت ہو
بلند اہلِ جہاں میں مرد کی لاریب قیمت ہو
جو عورت نیک صورت ہو ، جو عورت نیک سیرت ہو

[جانا ناظم کا]

ڈراپ سین

۱۔ طرز : کاگریا موری پھوری

باب دوسرا

پردہ پہلا

سلیم کا مکان

[شادی کی محفل (جس میں) سلیم، چنگیز اور دوسرے مہمان کھانے (کے)
بعد شربت نوش کرتے نظر آتے ہیں]

سب مہمان : **گانا** [1]

سلامتی کا جام پیو، پیہم تمام
ہو شادی کے رنگ سے شادمان کامران، میزبان، تاقیام
سلامتی کا—

رہے بنی بنا سدا بنا ٹھنا،
ہو بادۂ عیش سے مجلس دہر میں، شیشۂ دل بھرا پیہم
سلامتی کا—

ایک مہمان : تھی تمنّا مدّتوں سے اہلِ مجلس کی یہی
آپ کی شادی سے حاصل ہو ہر اک دل کو خوشی
آج کتنے دن سے چرچا بیاہ کا تھا آپ کے
اس قدر دیری ہوئی پھر بیاہنے میں کس لیے؟

۱- طرز انگریزی : Air : opera patient

سلیم : رسم شادی کی تو نکلی گھر بسانے کے لیے
لیکن اب لوگوں نے رکھی زر کمانے کے لیے
بیاہتے اولاد کو اب ہیں خزانے کے لیے
آبرو[1] اس چال نے سارے زمانے کے لیے
پاس جب تک آدمی کے اب بہت سا ہو نہ مال
کس طرح اس ملک میں ہو بیاہ شادی کا خیال

مہمانِ نمبر ۱ :
بات ہے افسوس کی بے شک یہ اے عالی گہر
اس زمانے میں ترقی پر ہے جب علم و ہنر
لوگ کیوں اس رسمِ بد کو دور کرتے ہیں نہیں
ملک میں تو اب وہ برکت ہے نہیں باقی کہیں

مہمان نمبر ۲ : غزل
کیا وقت ہے ، کیا بخت ہے ، ہر لحظہ جس کا سخت ہے
سختی کا اب تو تخت ہے اس عالم و امصار میں
(کچھ) کام ہے نہ کاج ہے ، قرضے پہ بڑھتا بیاج ہے
ہر کوڑھ میں اک کھاج ہے ، لیسنس کاروبار میں
لیسنس حقّے پان پر ، لیسنس ناک اور کان پر
لیسنس جی پر جان پر ، ہر ایک رگ[2] کے تار میں

۱- 'آبرو' کا استعمال صحیح نہیں (وقار) -
۲- اصل میں اس جگہ "ہر ہر رگوں کے تار" تھا (وقار) -
اس موقع پر مجھے اکبر الہ آبادی کا شعر یاد آ رہا ہے :
اک غل مچا کہ اس پہ لیسنس ہے ضرور
منہ کھل چکا تھا ورنہ مرا آہ کے لیے (وقار)

لیسنس اٹھتے بیٹھتے ، لیسنس گھستے پیٹھتے
لیسنس خاں ہیں اینٹھتے ہر کوچہ و بازار میں

چنگیز : بیشک عیش نے تو بستر لپیٹا ، آرام نے پاؤں سمیٹا ، افلاس نے دھر جھپیٹا ، آمدنی ، تین بیٹی ایک بیٹا ۔ چار جیتے جاگتے ، دو قبر میں لیٹا ، جمع پونجی ایک پگڑی ایک پھینٹا ۔

مہمان نمبر ۱ :

کہتے ہو تم کہ ٹیکس ہے باعث زوال کا
لیکن قصور ہے یہ تمھارے خیال کا
حاکم کے گھر درخت نہیں کوئی مال کا
جو ہے سو ہے قصور تمھارے خیال کا
حاکم نہ لے تو کیسے چلے کام راج کا
ہے فرض بادشاہ پہ لینا خراج کا

مہمان نمبر ۲ :

بیشک خراج شاہ کو لینا ضرور ہے
آرام اپنے ملک کو دینا ضرور ہے
سرکار نے لگایا ہے کتوں پہ ٹیکس اگر
امیّد کیا کہ اس سے ملے گا بہت سا زر
کتا تو پالتے ہیں کہیں کوئی سو میں ایک
شادی ہر ایک کرتے ہیں دنیا میں بد کہ نیک

اس واسطے لگن یہ جو لگ جائے ٹیکس اگر
حاصل نفع میں شادی کو اپنی ہو خوب زر

مہمان نمبر ۳ :

دیوانہ ہاتھی مارے ہے اپنی ہی فوج کو
کیا خوب ان کی بات تو اے صاحبو سنو
دیتے ہیں اپنے پاؤں کلھاڑی یہ آپ سے
کیا پھر گیا ہے مغز؟ کہ دیوانے ہو گئے؟

[ایک بڈھا کسان (جس نے) سنبل کو مسرور کے ساتھ کہیں جاتے دیکھ کر، نرگس سے ہم شکل ہونے (کے باعث) دھوکے سے نرگس جانا، نرگس کی پاک دامنی کی شہرت کو جھوٹ جان کر سب کو خبر دیتا ہے]

بڈھا : اک عجب تماشا دیکھا ہے
کچھ عجب طرح کا لیکھا ہے
وہ آج ہنسی کا نقشا ہے
میں گھر دروازہ بھول گیا

مہمان نمبر ۱ : کیا ہے؟ بھائی، کیا ہے؟
کیوں نا حق کو تو ہنستا ہے؟
کچھ پاگل ہے، دیوانہ ہے
کیا نام حیا کا بھول گیا؟

بڈھا : میں پیٹ بجا کے خوب ہنسا
میں ہنستے ہنستے لوٹ گیا

اوہو ! دیکھو پھر یاد آیا
میں اپنا رستہ بھول گیا

مہمان نمبر ۲ : کہتا بھی ہے کچھ سودائی
کیا بھنگ کہیں تو نے کھائی ؟

بڈھا : ٹھہرو بھائی ، ٹھہرو بھائی
میں نام تو اس کا بھول گیا
نرگس نامی جو عورت ہے

[یاد کرتا ہے]

مہمان : ہے تو ! اس سے کیا حجّت ہے ؟

بڈھا : وہ تو پوری بد خصلت ہے
سب اس کا پردا بھول گیا

مہمان نمبر ۱ : نرگس تو فرشتہ طینت ہے

مہمان نمبر ۲ : طینت سے اس کی زینت ہے

سلیم : رکھتا تو اس پر تہمت ہے
کیا میرا خطرہ بھول گیا ؟

بڈھا : اک مرد کوئی بیگانہ ہے
نرگس پر وہ دیوانہ ہے
یہ بھی مائل اے دانا ہے
شوہر کا دھڑکا بھول گیا

سلیم : کیا بکتا ہے ، کیا بکتا ہے
ہم کو تو سن کے سکتا ہے

کمبخت پھر اس پر تکتا ہے
کیا خوف خدا کا بھول گیا ؟

بڈھا : ہم جھوٹے تم ٹھہرے سچّے
کیا خوب ! ہوئے ہم تو کچّے

سلیم : چپ چپ اے الّو کے بچّے
تو وصفِ ہما کیا بھول گیا ؟

چنگیز : (بڈھے سے)
اس کھیت میں ؟ کیوں جی وہاں وہاں ؟

بڈھا : جی ہاں صاحب ! جی ہاں ، جی ہاں !

چنگیز : (سب سے)
میں نے بھی دیکھا ہے آسے میاں
آنے پہ کہنا بھول گیا

سلیم : (غصّے میں چنگیز سے)
نہ زنہار منہ سے یہ باتیں نکال
خبردار اپنی زباں کو سنبھال

[سلیم چنگیز کی طرف بڑھتا ہے]

چنگیز : کھڑا رہ وہیں بس ، مرے سے تو دور

سلیم : نہ کر باتیں ایسی تو اے بے شعور

[سلیم کا (پھر) حملہ کرنا]

چنگیز : مرے منہ لگا تو ابھی بے خطر
ترا توڑ ڈالوں گا ، کمبخت ! سر

سلیم : تو برباد عزت ہے کرنے چلا ؟
چنگیز : تو اس کی حمایت ہے کرنے چلا ؟

[سلیم کا چنگیز پر (ہاتھا پائی میں) غالب ہونا ،
ناظم کا آنا اور روکنا]

ناظم : یہ جھگڑا ہوا کس لیے اے چچا ؟
مجھے بھی تو بتلائیے ، کیا ہوا ؟

[سلیم کا جواب نہ دینا ۔ ناظم کا چنگیز سے پوچھنا]

بتا بھائی تو ، ہے یہ کیا شور و شر
چنگیز : بلا جانے میری ، مجھے کیا خبر
ناظم : (بڈھے سے)
کہو تم یہ کیا حال ہے پُر ملال
بتا دو ہمیں جو بھی دیکھا ہے حال[1]
بڈھا : گیا کھیت میں آج کرنے جو کام
وہاں دیکھا نرگس کو اے نیک نام
ٹہلتی وہ اک مرد کے ساتھ تھی
اور اس کے دیے ہاتھ میں ہاتھ تھی
ناظم : گانا[2]

باتیں کیسی تو بےڈھنگی سناوے ، جی جلاوے
بھر خدا کر کچھ تو حیا ، سنے جو ، وہ دیوانہ بتاوے
ـــــباتیں

۱۔ اضافۂ مرتب ۔
۲۔ طرز : معشوق کہتا ہے . . .

جلد یہاں سے کر منہ کالا ، صورت پھر نہ دکھا تو
جھوٹ سراسر کیوں بکتا ہے ، کر کچھ خوفِ خدا تو
دیکھ تری خواری ہوگی ساری ، سزا تو پاوے مار کھاوے

—— باتیں

بھاگ ابھی ، ہو دور ہو پرے

بڈھا : ہو گئی تب تو میری بات غلط
جھوٹ ، بیکار ، واہیات ، غلط
مجھ کو جھوٹا بنا کے ٹالتے ہو
خاک آنکھوں میں میری ڈالتے ہو ؟

ناظم : عیب لگائے اس کو گر کوئی ، کیا مجال
خاک جو ڈالے سورج پر کوئی ، کیا مجال
دیکھ نہ لوں میں خود جب تک مانوں گا نہ میں تب تک
بات یہ پھر لائے لب تک کوئی کیا مجال کیا مجال

—— عیب

[ناظم کا غصے سے جانا ۔ سب کا حیرت سے دیکھنا ۔
سلیم کا چنگیز اور بڈھے سے خفا نظر آنا]

باب دوسرا

پردہ دوسرا

ناظم کے مکان کا پہلا حصہ

[نرگس کا انڈے بیچ کر آنا]

نرگس : غزل[1]

کوئی بلائے قرض سے مضطر نہ ہو ، جو ہو سو ہو
بہرِ خدا یہ بار تو سر پر نہ ہو ، جو ہو سو ہو
لائی ہوں بیضے بیچ سب ، پورا ہوا یہ دام اب
اپنی خوشی کا پھر سبب کیونکر نہ ہو ، جو ہو سو ہو
جا کے کرایہ اب بھروں ، اورنگ سے رسید لوں
واقف ابھی یہ کام سے شوہر نہ ہو ، جو ہو سو ہو
یوسف کی اپنے چاہ میں ، مرنا بھی بس عزیز ہے
مر جاؤں میں پر اس کو غم دم بھر نہ ہو ، جو ہو سو ہو

[اوڑھنی دروازے پر رکھ کر نرگس کا اندر آنا ،
شاطر کا گاتے ہوئے آنا]

۱۔ طرز : تا نہ پڑے خلل کہیں

شاطر : گانا[1]

آدم زاد کی اولاد کی بربادی کی بنیاد
بے شک عورت ہے کرنے والی بیداد
جنت سے جو کر کے دور اس کو لائی ہے مجبور
عورت ہے وہ عورت ، خوب رکھنا یاد
پھندا عورت کا واللہ ، کردے شیر کو روباہ
ہے دیوانہ ، رکھے عورت کی جو چاہ
جس کو خالق نے مکار ، فرمایا ہے خود ہر بار
عورت ہے وہ عورت ، خوب رکھنا یاد
عورت کا عاشق ہے خوار ، بدتر ، بدگوہر ، بدکار
لیکن دل کے پھنس جانے سے ہے لاچار
جس سے ہارا ہے انسان ، جس نے مارا ہے انسان
عورت ہے وہ عورت ہے ، خوب رکھنا یاد
نازنیں عورت ، نازنیں صورت ، تو ہے وہ مکار
جڑ ہے تو ساری آفت کی ، کس کو ہوگا انکار
ـــــآدم زاد کی

[نرگس کا آنا ، شاطر کو تسلیم کرنا]

نرگس : تسلیم عرض کرتی ہے بندی جناب میں

شاطر : بندے کا بھی سلام عرض ہے جواب میں

نرگس : فرمائیے مزاج ؟

۱۔ طرز انگریزی

شاطر : مرا حال غیر ہے

نرگس : کیوں کیا ہوا ؟ خدا نہ کرے جی بخیر ہے ؟

شاطر : لیکن ہمارے حال کی تم کو خبر نہیں
آنکھیں وہی تمھاری ہیں لیکن نظر نہیں

نرگس : کیونکر خبر ہو میں تو ہوں خود اضطراب میں

شاطر : افسوس اضطراب یہ تم کو شباب میں

[نرگس کا افسوس سے سر جھکانا]

بھلا یہ تو کہو قصور کس کا ہے ، کیوں حضور کس کا ہے - ہم تو مدام جانِ شیریں کھو کے آپ کی الفت میں تلخ کام ، بے آرام ، دامِ زلف کے غلام بے دام رہے - تم نے ناظم سے ربط بڑھایا ، ہمیں جلایا ، خاک میں ملایا ، آخر کیا پایا ؟ کیسے کا مزہ پایا - اب بھی جو ہؤا جانے دو ، ہمیں اپنی الفت کے مکاں میں آنے دو ، اپنے شوہر کو طلاق دو ، ہم سے منسوب ہو ، یہ مشتاق دو ، ہم تم اس دیارِ ناہموار کو چھوڑ کر اَور ملک آباد کریں ، چلو ! گوہرِ عیش سے دامن بھریں ، دل شاد کریں ، آؤ گلے سے لگ جاؤ -

نرگس : غزل[1]

ہم سے جو ہو تو بس وہ دلدار ہم بغل ہو
سایہ نہ غیر کا بھی زنہار ہم بغل ہو

۱- طرز : سینے میں اپنے پنہاں

رشکِ پری بھی آ کے یک بار ہم بغل ہو
اس سے کبھی نہ میری بیزار ہم بغل ہو
ہم سے —

شاطر : ہوتے نہیں جو ہم سے تم یار ہم بغل ہو
ناحق ہم عاشقوں سے انکار ہم بغل ہو
ہوتے نہیں —
مل جاؤ ہم سے آ کے اک بار ہم بغل ہو
غم بھی نہ پھر تمھارے زنہار ہم بغل ہو
ہوتے نہیں —

نرگس : گر قبر سے بھی غم کا بیمار ہم بغل ہو
آ کر اجل جو اس سے اک بار ہم بغل ہو
سولی ہو یا کہ پھانسی، یا دار ہم بغل ہو
اس یار کے سوا کب اغیار ہم بغل ہو —گر

شاطر : ٹھمری[1]

جان کاہے کو دل دکھانا
کیوں جور و جفا سے ستانا —جان
مان، جانے دے سب بہانا
دیکھ ہجر میں حال، جاناں!
غم کھانا، سم کھانا،
مر جانا، مر جانا —جان

۱- طرز : پیارے کاہے کو دل لگانا

نرگس : بات آگے تو مت بنا رے
کیا غیر سے خوب ہے یاری
کام تیرا ہے بد شعاری ،
راہ نیک تو جان پیاری
مت یاری ، دلداری ،
غم خواری ، کر جاری — بات

[نرگس کا جانا]

شاطر : گانا

گر ہو اثر نہ چاہ میں ، کرم پہ ہو ستم
کرکے وفا عبث بھلا ، کیوں اٹھائیے الم — گر
ہم تو سہیں جفا ، بلا ، اور الم ، ستم ، بہم
آن پہ اثر نہ ہو ذرا ، ہائے ستم ، ارے ستم — گر

[آنا اورنگ کا شاطر کو تلاش کرتے ہوئے]

اورنگ : فکر کچھ کام کا بھی کرتے ہو
یا فقط عاشقی میں مرتے ہو
قبر میں جب تلک نہ لیٹو تم
دونوں ہاتھوں سے زر سمیٹو تم

شاطر : جب تلک ہوں نہ پائمالِ رقیب
چین مجھ کو نہیں ذرا بھی حبیب
بن مرض کا مرے اگر تو طبیب
کیا عجب ہے کہ نکلے راہ عجیب

اورنگ : مجھ کو پیسے سے اپنے تھا مطلب
پا گیا جب تو کیا رہا مطلب
مجھ سے نکلے اگر ترا مطلب
تو میں حاضر ہوں ، تو جتا مطلب

شاطر : میں نے ٹھانا تھا جی میں اپنے یار
تنگ نرگس جو ہوگی زر سے یار
میں اسے دے کے زر پھنساؤں گا
چاہ میں اپنی کھینچ لاؤں گا
لیکن اس نے کیا کرایہ ادا
زور اب اس پہ کیا چلے گا بھلا

اورنگ : ٹھمری[1]

بڑا تو بھول کرتا ہے ، فکر نہیں پیسے کی تجھے ،
عورت پر تو مرتا ہے
نفع ہے اس میں کیا پانا ، رونا دھونا آلو ہونا ،
ناحق غم کھانا ، نہیں کچھ اس میں ہاتھ آنا ، جلنا مرنا ، رونا
ہو کے بنا دیوانا ، کب اس سے کوئی سدھرتا ہے
فکر نہیں پیسے کا تجھے عورت پر تو مرتا ہے

شاطر : [2]نصیحت ناحق کرتا ہے ،
جلتی ہوئی آتش پر عبث کیوں روغن دھرتا ہے ؟

۱- ٹھمری ۔ طرز : کڑا کڑ بجلی چمکے جائے
۲- طرز مذکور

جلا نرگس سے ہے جی میرا

اورنگ : کما خوب سا پیسہ تب ہو ٹھنڈا جی تیرا

شاطر : مدد میری کچھ کرنا

اورنگ : حاضر ہوں میں ، تم کو اگر منظور ہی ہے مرنا

[پیٹھ ٹھونک کر]

مزے کر ، کیوں تو ڈرتا ہے—جلتی

[جانا اورنگ کا ، شاطر کا غصے میں (جانا) پاس (گھر کے) اور پکارنا ناظم کو]

شاطر : (آواز دیتا ہے)

ناظم ! لڑاؤں دونوں کو اب ایک آن میں

ناظم کہاں گیا ! چلو دیکھیں مکان میں

[شاطر کا جانا ، مسرور اور سنبل کا
اپنی ٹھگی کا حال کہتے ہوئے آنا]

مسرور : [۱]دیکھ اے یارِ وفادار ، ملا ایک تھا زردار ، اسے مار ، کیا پار -

اٹھا ڈال دیا غار میں جھٹ پٹ و کیا مال تھا چٹ ، نہ ملی پاؤں کی آہٹ ، میں اڑا مال اڑا کے -

سنبل : [۲]اک بڑھیا سے ملاقات ہوئی چوک میں کل رات گئے اور

---

۱ ، ۲- بحرِ طویل

کیا گھات ، پڑی سوتی تھی بد ذات ، جڑی ایک ایسی لات ،
الٹ کھاٹ ، گلا کاٹ ،
گھسی گھر میں کھٹا کھٹ ، میں آڑی مال آڑا کے

[سنبل کا نرگس کی اوڑھنی دیکھنا]

نرگس : ارے یہ کپڑا کیسا پڑا ہے ، اسی سے کیا کھڑا ہے ؟ لے
اچک ، جا لے کے سٹک جا

مسرور : نادان یہ جنگل ہے نہ بیابان ہے ، کسی کا مکان ہے -
آباد ہے سنسان نہیں ، بھاری کچھ اپنی جان نہیں - ایسا
نہ ہو کوئی دیکھ لے ، تب تو بے موت مرے ، لینے کا
دینا پڑے ، بندی خانہ سینا پڑے -

سنبل : میں تو آسے نہ چھوڑوں گی ، نہ ملی تو سر پھوڑوں گی -
جان کیوں سوکھی جاتی ہے ، کچھ ملے گا ، دیکھ میری
ہتھیلی کھجلاتی ہے -

[دونوں کا ہاتھ بڑھانا ، پھر ڈرنا]

[شاطر کا آنا ، دونوں کا گھبرا کر بھاگنے لگنا - سنبل کو ہو بہو نرگس
پا کر شاطر کا حیران ہونا]

شاطر : یہ عورت کون ہے نرگس ؟

مسرور : نہیں یہ میری عورت ہے

شاطر : یہ کیا بکتے ہو ؟

مسرور : بکتا کیا ؟
کہوں تم کو یہ صحت ہے

شاطر : ہے اس کا نام کیا ؟

مسرور : سنبل !

شاطر : (خود سے) عجب ہے ، سخت حیرت ہے

ارے صورت تو اس کی ہو بہو نرگس کی صورت ہے
یہی فیاض کی ہے دوسری بیٹی ، قیامت ہے
عجب اسرار ہے اللہ رے کیا تیری قدرت ہے
آہا ! یہ اوڑھنی بھی اس جگہ رکھی ہے نرگس کی
اسی سے میں کروں ناظم کو بدظن ، شکل ہے اچھی
(مسرور سے) کون ہو بھائی تمھارا کیا نام ہے ؟
کہاں رہتے ہو ؟ کیا کام ہے ؟

مسرور : نام سے تمھیں کیا کام ہے ، نام ہمارا گمنام ہے ۔
جو دام دیتے ہیں وہ کام لیتے ہیں ۔
ہم دونوں میاں بی‌بی کاموں کا ٹھیکہ مدام لیتے ہیں ۔

شاطر : اگر یہی ہے تو میرا بھی ایک کام کرو

مسرور : وہ کام کون ہے ؟ ظاہر تو نیک نام کرو

[مسرور کو اوڑھنی دے کر]

شاطر : بہت سہل کام ، آم کے آم گٹھلی کے دام ، سامنے کے کھیت میں جاؤ ، یہ اوڑھنی اپنی عورت کو اڑھاؤ ، بیٹھ کے عیش کرو ، مزے اڑاؤ ۔ ہنسو بولو ، ایک دوسرے کو گلے لگاؤ ، پیار کرو ، بوسے لو ، الفت کے کھیل کھیلو ۔

میں بھی آتا ہوں ، ایک اور کو بھی ساتھ لاتا ہوں ۔ ہمیں
دیکھ کر انجان بن کے کام کرنا ، خبردار ہم سے نہ کلام
کرنا ۔ راضی ہو تو دس اشرفی تیار ہے ، لو یہ مفت کا
شکار ہے ۔

[مسرور اور سنبل کا ظاہرا انکار کرنا]

مسرور : یہ کام ہے یا بے حیائی کا پیغام ہے ۔ قصور معاف ہو ،
آپ تو آدمی اشراف ہو ، سچ فرماتے ہو یا ہمیں بناتے ہو ۔

سنبل : نوج ، درگور ۔ چلّو بھر پانی میں ڈوب مریں ، مگر ایسا
کام نگوڑا نہ کریں ۔

مسرور : آدمی تو بے چارہ صورت شکل میں اچھا ہے ، مگر دیوانہ ہے ۔

شاطر : کیوں ، کیا سوچ بچار ہے ؟ کیا پیسے سے کچھ عار ہے ؟

مسرور : ارے جا بھائی اپنی راہ لے ، کوئی سن پائے گا تو تجھے پاگل
خانے لے جائے گا ۔

سنبل : اور وہاں مار کھاتے کھاتے مر جائے گا ، سر کا بھوت اتر
جائے گا ۔

[دونوں کا جانا چاہنا ، شاطر کا روکنا]

شاطر : (خود سے)

ہاتھ آیا ہے عوض کا مرے اچھا موقع
چوک جاتا ہوں تو ہے ہاتھ سے جاتا موقع

[مسرور سے]

ٹھہرو ٹھہرو ، آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دو ۔ دانے کے لیے
کبوتر دام میں آتے ہیں ۔ آتے ہیں تو پیسے ہی دام میں آتے
ہیں ۔ چلو دس نہیں بیس لو ۔ آدھے اب لو ، کام کرکے
باقی سب لو ۔ کیوں ضد کرتا ہے ، ایسا کیا زہر
ہے پیسہ ۔

[سنبل کا مسرور سے الگ ہو کر کہنا]

سنبل : سچ تو ہے ، تیرا کیا بگڑتا ہے ، لے لے کیوں اڑتا ہے ۔

مسرور : ناصاحب ! ادھار سے بندے کو عار ہے ، یہاں نو نقد نہ تیرہ
ادھار ہے ۔ کھری مزدوری چوکھا کام کرتے ہیں ،
جانفشانی پر مرتے ہیں ۔ دام دو ، کام لو ورنہ ، سلام لو ۔

شاطر : خیر اگر یہ اصرار ہے تو ہمیں دینے سے کیا انکار ہے ۔
لو یہ یوہنی کرو ۔ نہ تم غیر نہ یہ پرائی ، اس میں پھر
کیا بُرائی ۔ آدمی کا کام آدمی سے چلتا ہے ، اجی چراغ
سے چراغ جلتا ہے ۔

[شاطر کا روپیہ اور اوڑھنی دے کر نرگس کو دیکھنے
جانا ۔ مسرور اور سنبل کا خوش ہونا]

دونوں : ٹھمری[1]

شاد ہو مفت زر لے کے ، ہم کو ملا تھا اچھا احمق ۔
موج کرو ، ناچو چھم چھم ، چھم چھم

۱۔ طرز : نندلو بانسری جی

جھٹ چل ، پیو جام اب ، جام اب
مفت زر لے کے . . . شاد . . .

مسرور : چُور ، نشے میں لت پت ہو کے

سنبل : اُڑے مزے ہم دونوں کے

مسرور : ٹھرّا ہو یا

سنبل : کیوڑا بیوڑا ،

مسرور : بھر بھر ،

سنبل : ساغر پیویں جم جم—مفت زر لے کے شاد

[جانا دونوں کا]

شاطر : گانا[1]

ہشیاری میں دیوانہ ہے ، مستی میں ہشیار
اس مے خانے میں الفت کے ہے مے سے جو سرشار
کیا عزت ہے ، کیا حرمت ہے پھر اس کو درکار
حاصل ہے اس کو سب نعمت جب ہووے وصل یار
دانا بھی ہے دیوانہ اُلفت میں جانا جینا ، مر جانا
اُلفت میں —ہشیاری۔

[ناظم کا بہت غصے میں آنا ، شاطر سے نرگس کا پوچھنا ،
شاطر کا کھیت کی طرف دیکھنا]

۱۔ طرز : آسان کروں اک پل میں ۔

ناظم : بھائی شاطر کہاں ہے نرگس ؟

[شاطر کا جواب نہ دینا ۔ کھیت کی طرف دیکھتے رہنا ۔
ناظم کا گھر میں نرگس کو پکارنا]

نرگس ، نرگس ، (شاطر سے) یہاں ہے نرگس ؟

[ناظم کا گھر میں جانا]

شاطر : اسی جوڑے کو شاید راہ میں بوڑھے نے دیکھا تھا
جسے نرگس سمجھ کے اس نے مجلس میں کیا چرچا
زبانی اس کی ہی ناظم بھی شاید سن کے ہے آیا
کہ شعلہ بن رہا ہے رشک سے ، تھمتا نہیں غصّا

لگی ہے آگ اچھی، پھونک دوں تو اور بھی بھڑکے
کنارا کر لے گر ناظم تو میں ہوں ہم کنار اس سے

ناظم : (باہر آ کر شاطر سے)

نرگس کہاں ہے بھائی ، بتا یہ شتاب تُو

شاطر : کیوں کھا رہا ہے غصّے سے یوں پیچ و تاب تُو ؟

ناظم : دیکھا ہے یا نہیں اسے تُو یہ جواب دے

شاطر : دیکھا ہے ، دل کو تو نہ عبث اضطراب دے

لیکن کہوں جو صاف تو تم سے برا بنوں
کیوں آپ اپنے دوست کا دشمن بھلا بنوں

ناظم : سننا مجھے ضرور ہے ، تو بے خطر بتا
ہر ایک بات وقت ضرورت کے ہے روا

شاطر : اس سامنے کے کھیت میں نرگس کو بے حجاب
ساتھ ایک غیر مرد کے دیکھا کھڑے ، جناب
بلکہ اسی جگہ ہے ابھی تک کھڑا کھڑا

ناظم : ہیں ، ہیں ، پھر آگے بول تو کیوں چپ ہوا ، کھڑا

شاطر : کیا کہیے ، بات کہنے کے قابل نہیں جناب
حیرت ہے جاگتا ہوں کہ میں دیکھتا ہوں خواب
شبہہ تھا چھ مہینے سے جس بات کا مجھے
وہ آج صاف صاف نظر آ گیا مجھے
میں کس زبان سے کہوں ، نرگس نے کیا کیا
جس پر بھلائی ختم تھی ، اُس نے برا کیا

ناظم : دوست وہ شخص ہے جو دوست کا آئینہ ہو
صاف پانی کی طرح جس کا سدا سینہ ہو
خیرخواہ ، اور وفاداری کا گنجینہ ہو
دل سے بس دور کرے ، دل میں اگر کینہ ہو
چھ مہینے سے گماں تو نے جو تھا یار کیا
دوست کیسا ہے کہ مجھ کو نہ خبردار کیا

شاطر : آدمی وہ ہے کہ جو سوچ کے ہر کام کرے
غور ہر لحظہ ، ہر اک بات کا انجام کرے
کس طرح دوست کو اپنے (کوئی) بدنام کرے
وہ کرے ، عقل سے جس کو کہ خدا خام کرے

جب تلک آنکھ سے دیکھوں نہ بھلا عیب کوئی
کہوں کس طرح سے ، معلوم نہیں غیب کوئی

ناظم : خیر دکھلا مجھے ، بدذات وہ نرگس ہے کہاں
شاطر : تھام غصّے کو ، مرے ساتھ ذرا چل تو وہاں

[جانا دونوں کا]

باب دوسرا

پردہ تیسرا

کھیت

[سنبل کا مسرور کے ساتھ بے تکلف گفتگو کرتے
نظر آنا]

غزل

مسرور : غور کا مقام ہے ، یہ عجیب کام ہے
مال اس نے اس قدر ، کیوں دیا نکال کر
بوسہ و کنار میں ، اس طرح کے کار میں
فائدہ آسے تھا کیا ، یہ تو ُتو خیال کر
ہم تو جدی نہ ہیں جدا ، پھر کسی سے خوف کیا
کیا گناہ کرتے ہیں ، گھر کسی (کا) گھال کر

سنبل : کیا کروں مجھے کہو ، طور کام کے کہو
مسرور : بوسے کی شراب سے ، دل کو تو نہال کر
تو مجھے گلے لگا ، پیار میرے سے جتا
میں کھڑا گلے میں ہوں تیرے ہاتھ ڈال کر

[سنبل و مسرور کا باہم پیار اور بوس و کنار
کرنا]

ٹھمری[1]

سنبل : سن سانورے سیاں میں تیری ہوں بلہاریاں
صدقے میں تو پر گیٔاں — سن

مسرور : ابر وے برچھی دیٔاں ، نیناں سیناں متواریاں — صدقے
تورے میں لاگوں پیٔاں ، مکھڑا تیرا پھلواریاں — صدقے

ناظم : یہ تو نرگس ہو رہی اک غیر پر قربان ہے

شاطر : عقل میری بھی نہایت اس جگہ حیران ہے

[ناظم کا غصے سے لپکنا ، شاطر کا روکنا]

ناظم : بس زیادہ دیکھ میں سکتا نہیں مت تھام تو

[ناظم کا مسرور کو پچھاڑنا ، سنبل کا بھاگ جانا ۔
مسرور کا گھبرا کے حال کہنے کو تیار ہونا]

خون سے اس کے کروں گا ، منہ اب اس کا لال میں

مسرور : چھوڑ دو ، پہلے ذرا سن لو ، کہوں جو حال میں

شاطر : (خود سے) حال جو اس نے کہا تو ہوگیا پامال میں

[ناظم سے کہنا]

کرتا ہے کیا تو ، عقل تری کیسی خام ہے
نادان چھوڑ دے اسے ، غصّہ حرام ہے
دیوانے پن کا طوّر ، حماقت کا کام ہے
لینا ہی تجھ کو یار ، اگر انتقام ہے

۱۔ طرز : بھلا آیت دے بوسے (؟)

نرگس سے لے کہ اُس پہ ترا اختیار ہے
خونی بنے گا اس پہ جو کرتا تو وار ہے

[ناظم کا مسرور کو چھوڑ دینا ، مسرور کا بھاگ
جانا ، ناظم کا اوڑھنی اٹھا لینا]

ناظم : بھاگی وہ بدشعار ، یہ ہے کس کی اوڑھنی
نرگس کی اوڑھنی ہے یہ ، نرگس کی اوڑھنی
اس کے لیے یہ اوڑھنی بعد اپنے بیاہ کے
میں نے خرید کی تھی ، بہت دل سے چاہ کے
کیا جانتا تھا رنگ یہاں تک یہ لائے گی
اوڑھے گی جو وہ غیر کے پہلو میں جائے گی
سمجھے تھے جس کو لعل وہ شعلہ تھا آگ کا
ریشم نہیں سیاہ ، وہ بچہ تھا ناگ کا
تھا یہ نہیں لگاؤ ، تماشا تھا لاگ کا
نالہ تھا ، ہو رہا تھا گماں جس پہ راگ کا
لعنت ہے اس کے پیار پر ، ایسی صفات پر
لعنت ہے بیوفائی پر ، عورت کی ذات پر

[جانا ناظم کا]

شاطر : گانا

کر دوں سیاہ خراب تباہ ،
نہ کی نگاہ ، اُس نے آہ
دوں گا نہ چین آسے یا پناہ ، واہ نکلی کیا راہ ۔

ابر میں چھپا نرگس کا ماہ
حساب ، عذاب ، ثواب ، گناہ ۔
چاہے سو ہووے ، کیا ہے خطرہ ، کیا ہے پرواہ ،
کیا ہے پرواہ — واہ نکلی کیا راہ ، واہ نکلی کیا راہ
کینہ تھا سینے میں کب سے ، واہ
آہ ! اب کیا پرواہ ۔

[جانا شاطر کا]

باب دوسرا

پردہ چوتھا

مکان کا اندرونی حصہ

نرگس : فضلِ خدا سے کام سب انجام ہو گیا
حاصل دلِ نزار کو آرام ہو گیا
لائی رسید زر کی ، کرایہ ادا کیا
خاوند کو خبر نہیں اب تک کہ کیا دیا
شوہر کے مرضِ غم کی جو بی بی طبیب ہو
عورت وہی جہان میں بس خوش نصیب ہو
ایسا رکھوں رسید کہ آتے ہی دیکھ لے
بولوں نہ میں وہ آپ عجب میں ہو دیکھ کے

[رسید کو کئی جگہ رکھنا اور نکال لینا]

رکھوں یہاں ؟ نہیں ، رہے لیکن جو میز پر
تو خوب ہے ، مگر نہیں آئے گی یاں نظر
رکھتی ہوں اس رسید کو میں گھر کے سامنے
رکھوں یہاں ، نہیں نہیں ، منظر کے سامنے

وقت آ گیا قریب ہے ناظم کے آنے کا
اب میں درست کرتی ہوں سامان کھانے کا

[نرگس کا کھانے کا سامان (تیار کرنے) میں
مشغول ہونا ۔ ناظم کا آنا ، نرگس کو پکارنا نہایت
غصے سے]

ناظم : نرگس ! کہاں گئی تھی ’تو نرگس ! اِدھر تو آ

نرگس : (خود سے)
وہ دیکھ لے رسید کو جلدی سے یا خدا !

ناظم : کیا بہری ہوگئی ؟ اری نرگس نہیں سنا ؟

نرگس : (خود سے)
باتوں میں اس کی فرق ہے یہ ماجرا ہے کیا

[نرگس کا ناظم کی طرف جانا ، ناظم کا روکنا]

ناظم : بس دور رہ ، نہ (میرے) خبردار پاس آ
لیکن کہاں گئی تھی ، مجھے جلد یہ بتا

نرگس : غصے میں ہو رہا ہے ، تجھے ہو گیا ہے کیا

ناظم : اندھا ہوں کیا میں ، مجھ کو نہیں سوجھتا ہے کیا ؟

نرگس : کیوں مجھ پہ یہ عتاب ہے ؟ میں نے کیا ہے کیا ؟

ناظم : ”میں نے کیا ہے کیا“ ، نہیں تیری خطا ہے کیا ؟

[نرگس کا آگے جانا ، ناظم کا دور جانا]

چل دور ہو یہاں سے پری رُو ، چڑیل خُو
ناپاک ، بس لگا نہ خبردار ہاتھ تُو

نرگس : پیارے یہ کیا کلام ہے؟ یہ کیسی بات ہے ؟

ناظم : 'پیارے' مجھے تُو کہتی ارے بد صفات ہے

نرگس : تیرے سوائے اور ہمارا تو کون ہے ؟

ناظم : جا کر اُسی سے پوچھ کہ وہ پیارا کون ہے

نرگس : پاتی ہوں بات بات میں غصّہ تمھارے میں
پاتی نہیں ہوں بات کو لیکن اے پیارے! میں

ناظم : نرگس ہم ایک جان دو قالب تھے آج تک
ہم دونوں ایک ایک کے طالب تھے آج تک
دل آئنہ سا تیرا کدورت سے صاف تھا
میں جاگتا ہوں آج کہ ہوں خواب دیکھتا
تُو اور مجھ سے پردہ ترے دل میں ایسی بات ؟
اے جان میرے جیتے ہی افسوس ایسی بات ؟
اچھا کہاں گئی تھی بتا تو سہی ذرا

نرگس : اُس کھیت کے قریب وہاں تھی گئی ذرا
اک کام تھا ضرور کا ، جانا ضرور تھا

ناظم : کیا کام تھا ضروری وہ ، میں بھی سنوں بھلا

[نرگس کا رسید کی طرف دیکھ کر ہنسنا ، ناظم کا
اور غصے میں آنا]

ناگن سی اب مجھے یہ تری شکل ڈستی ہے
میں پیچ و تاب کھاؤں تو اس پر یہ ہنستی ہے؟

نرگس : کیا بات ہے کہ جس سے یہ مجھ پر عتاب ہے
کیوں بیسوا کا مجھ کو تو دیتا خطاب ہے
جوشِ جنون ہے کہ یہ نشہ شراب ہے
سینہ مرا کباب ، جگر آب آب ہے
کیوں موج آب سا ، یہ تجھے پیچ و تاب ہے

[نرگس کا رونا]

ناظم : (خفا ہو کر)
اللہ رے فریب ، دغا بازیاں تری
اللہ رے دماغ و سخن سازیاں تری
کس منہ سے آنکھ ہم سے ملاتی ہے بدشعار
کس منہ سے اب تو شکل دکھاتی ہے بدشعار
چہرہ ترا جو تھا مجھے جنّت کے باغ سا
آتا نظر ہے اب وہی دوزخ کے داغ سا

[نرگس کا رونا اور رسید سامنے رکھنا]

نرگس : پڑھ کے دیکھو اسے ، بے فائدہ تکرار ہے کیا؟
ہاتھ کنگن کو بھلا آرسی درکار ہے کیا

[ناظم کا رسید پھاڑ کر پھینکنا]

ناظم : بات کرتی نہیں باتوں میں اڑاتی ہے تو
خاک آنکھوں میں مرے ڈالے (ہی) جاتی ہے تو

نرگس : کچھ نہ رونے پہ مرے رحم کرے گا افسوس
آج ہے پڑ گئی الفت پہ تری کیسی اوس

خیر تو بیٹھ ، سناتی ہوں میں قصّہ اپنا
آبِ فرحت سے بجھا آتشِ غصّہ اپنا

[نرگس کا حال کہنا چاہنا ، ناظم کا غصے کے مارے
نہ سننا]

ناظم : گانا[1]

چل چل تُو او بد اطوار !
ہے تُو اک عورت مکار
جا کے ہو یاں سے تو فی‌النار
گُل جانا تھا ، نکلی خار

نرگس : کیا تقصیر مری ہے یار
پہلے کر تُو وہ اظہار

ناظم : بک بک کر نہ او مردار
دور ہو بد شعار

[ناظم کا نرگس کو دھکا دینا ، نرگس کا
بے ہوش ہو کر گرنا]

۱- طرز انگریزی : اس کو تم تو باندھو زود ۔

باب تیسرا

پردہ پہلا

نرگس کا مکان

[نرگس کا شکستہ حالی میں اپنے کمرے میں سلائی کرتے
ہوئے اور اس کے بیٹے کا ادھر اُدھر پھرتے
دکھائی دینا]

نرگس : **گانا**

چھوڑ جب سے گیا بے وفا تو مجھے مار کاری برہ کی کٹاری
آنکھ ترسے درس کو، برس تو گیا بیت، کب تک کروں انتظاری
ـــ چھوڑ
جان اپنا صنم تجھ کو میں تو جفا کار تیری بنی تھی پجاری
کون ایسی (ہوئی) چوک بھاری پیا، یاد ساری بِساری ہماری

[سلیم اور زینب کا آنا، نرگس کا دور سے دونوں کو
تعظیم دینا]

نرگس : **(آئیے)، جناب آئیے، تشریف لائیے**
مجھ بدگُھر سے دور وہیں بیٹھ جائیے

[زینب کا نرگس کو تسلی دینا]

زینب : **ٹھمری**[1]

ہم سے کاہے راکھت تو پھیرے نجریا ،
جب سے بجّ کے گیو ہے تیرا سجن یہ گریا——ہم سے
آج اولہنا دینے میں آئی ، ڈرت ڈرت ، جیرا جرت
——ہم سے

سلیم : کیوں دور ہم سے رہنے میں اصرار ہے تجھے
صحبت سے کیوں ہماری بھلا عار ہے تجھے

نرگس : **غزل**

عالم میں ہم رسوا ہیں ، بدنام ہیں
تہمت خلقت دھرتی ہے ، ناکام ہیں
پاس پڑوسی آتے نہیں نیں ، پاس اب
لعنت کرتے ہم پر خاص و عام ہیں——عالم میں
کانٹا ہے تن سوکھ کے آس گلفام ِبن
باغ ِ جہاں میں ہم وہ بےآرام ہیں——عالم میں

زینب : اری دیوانی اتنا پکھنڈ کیوں کرتی ہے ، دانائی سے گزرتی ہے ۔ ناحق رو رو کے مرتی ہے ، وہم کی چھت سے وہم کی کھائی میں گرتی ہے ، عقل کے پیچھے لٹھ لیے پھرتی ہے ۔ یہ تو زمانہ ہے ، زمانے کا طریقہ (پرانا ہے) ، ایک عالم نشانہ ہے ۔ کوئی کچھ کہتا ہے ، کوئی کچھ کہتا ہے ، زبان ِ خلائق سے آدمی بچا کب رہتا ہے ۔ اگر ہماری

۱- طرز : بنکڑی مُرکت سجن موری ، چھوڑ کنکروا ۔

نظروں میں تو خار ہوتی تو ملاقات تیری ہمیں ناگوار
ہوتی — ؟

[زینب کا نرگس کو گلے لگانا اور آنسو پونچھ کر تسکین
دینا ۔ سلیم کا لڑکے کو چومنا ، پیار کرنا
اور پوچھنا]

سلیم : آج بیٹا کھانا کچھ کھایا ہے تم نے یا نہیں ؟

لڑکا : کھانے کو کل سے چچا کچھ ہم نے تو پایا نہیں

سلیم : (خود سے)

ہائے او ناظم ! کلیجہ سخت ہے کیسا ترا
رحم اِس معصوم پر ہے کچھ نہیں تو نے کیا ۔

زینب : گانا[1]

کم کر کم تو غم ، ناحق تو مت کر دیدہ نم——کم کر
ہر دم نہ ماتم سے محرم رہا کر
اے پیاری ، آہ و زاری نہ اک دم کیا کر

سلیم : (زینب سے) نیک بخت ذرا ادھر بھی آتی ہو یا اپنا ہی ڈھائی
چاول پکاتی ہو ؟ ناحق کیا ٹسوے بہاتی ہو ۔ تم عورتوں
کی عجب رِیت بھانت ہے ، بات کیا شیطان کی آنت ہے ۔
جہاں بیٹھتی ہو گڑے مُردے آ کھیڑتی ہو ، باپ دادوں
کا نام نبیڑتی ہو ۔

۱۔ طرز ندارد

زینب : کہو بھی کیا کہتے ہو؟ تم تو اور آفت مچائے رہتے ہو۔
اِدھر آ ، اِدھر ، اِدھر آ ۔

سلیم : تم کو تو باتوں کی دُھن چڑھی رہتی ہے ، یہاں میری آنتیں
قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں ۔ بھوک سے جی سوکھ رہا ہے ۔
بھوک بھی کیا بلا ہے ۔

زینب : بھوک ! کیا خوب ! واہ چلتے بھوک ، ٹہلتے بھوک ، آنکھ
مَلتے بھوک ۔ دن ڈھلے لگے بھوکھ تو دیکھو ہرے ہرے
روکھ ۔

سلیم : (زینب سے الگ ہوکر) اری بے خبر ! اِدھر دیکھ ، اِدھر !
بے زبان ، نادان بچہ کل سے بے آب و دانہ ہے ۔ کسی حیلے
سے کچھ منگانا ہے ، اِن کو کچھ کھلانا ہے ، اس لیے
لازم تجھے جانا ہے ۔

زینب : واہ میں نے مانا تو بڑا سیانا ہے ، خوب جی میں ٹھانا ہے ،
تجھ سے دانا پر میرا مرغِ دل دیوانہ ہے ۔

[زینب کا نرگس سے بازار جانے کی اجازت مانگنا]

بھوکے چچا تمھارے ہیں شدّت سے ، کیا کروں
دو تھال کوئی ، کھانا اُنھیں جلد لا کے دوں

نرگس : زنبیل سامنے ہے ، وہ لے جاؤ اے چچی !
زینب : لے جاؤں ساتھ بچے کو مرضی ہو گر تری ؟

نرگس : کیوں پوچھتی ہو ہم سے ، تمھارا پسر نہیں ؟
لے جاؤ شوق سے اِسے ، یہ کچھ دگر نہیں

زینب : (کاظم سے) بیٹا چلو ، تماشا دکھا لاؤں !

سلیم : جاؤ بھی !

کاظم : جاؤں میں اماں جان بھلا ؟

نرگس : جاؤ !

زینب : آؤ بھی !

[زینب کا لڑکے کو لے کر جانا ۔ نرگس کا ناظم
کے لیے سلیم سے پوچھنا]

نرگس : کہیں ذکر ناظم کا تم نے سنا ؟
کسی سے کہیں اس کا پایا پتا ؟

سلیم : ہوا جب کہ تم دونوں میں تھا فساد
مجھے ملنے آیا تھا وہ اس کے بعد
نہایت وہ اُس وقت غمگین تھا
سبب میں نے پوچھا وہیں رنج کا
نہ بولا وہ کچھ اور چپکا رہا
بس اک آہ کا مارنا آہ تھا
لیا اُس نے دو بار نرگس کا نام
میں اتنے میں کرنے گیا ایک کام
پھر آ کے جو دیوار پر کی نگاہ
تو کیا دیکھتا ہوں اُسی وقت آہ
تمہاری جو تصویر تھی واں لگی
گیا لے کے ناظم اُسے ، واں نہ تھی

خبر اس کی پھر نہ ملی آج تک
نہ آئی نظر مجھ کو اس کی جھلک
ولیکن سبب اس کا کچھ تو کہو
کہ کیوں وہ گیا تم سے بیزار ہو

نرگس : نہیں مجھ کو معلوم ہے خود سبب
کہ کیوں وہ گیا مجھ پہ کر کے غضب

سلیم : (سوچتے ہوئے)
کسی پر بھلا شک ہے آیا تمھیں؟

نرگس : کسی پر ذرا بھی نہیں شک ہمیں

سلیم : کوئی اور اُس روز آیا بھی تھا؟

نرگس : فقط ایک شاطر ، نہیں دوسرا

سلیم : بلاشک کیا ہے کچھ اس نے فتور
وہ دشمن تمھارا ہے ، اے ذی شعور!

نرگس :

شمع رُویوں میں نہ داخل ہوں ، نہ پروانوں میں ہوں
لَو لگی جس بزم سے ہے اُس کے بیگانوں میں ہوں
اُس پری رُو کا مجھے سایہ نظر آتا نہیں
مثلِ مجنوں بے خبر میں جس کے دیوانوں میں ہوں

[زینب لڑکے سمیت داخل ہوتی ہے]

زینب : **ٹھمری**[1]

ارے تو جیرا جلاوے کاہے ہائے ، مورا کہا مان لے
دکھ کے تلاؤ کی بن نہ مچھریا ، آنسو بہاوے کاہے ہائے
کھانا کھا تو ، سب کو کھلا تو ، منوا دکھاوے کاہے ہائے

لڑکا : ماں نہ رو نہ رو ، کیا بھوک لگی ہے ؟ کھانا ، روٹی بھی ہے اور حلوا بھی ہے

[زینب اور نرگس کا کھانا چننا ، لڑکے اور سلیم کا باتیں کرنا]

سلیم : کیا کیا تماشا دیکھ کے آئے ہو تم یہاں ؟

لڑکا : گھوڑا دلا دیا ہے چچی نے مجھے وہاں

سلیم : گھوڑا ارے یہ عربی گھوڑا ، گھوڑا

لڑکا : اور بھی دیکھو کھلونا گڑیا لیا ہے نئی نئی

نرگس : کھانا چنا ہے ، شوق سے تشریف لائیے

سلیم : بسم اللہ ، لیکن آپ بھی ہمراہ کھائیے

[سب کا کھانا کھانا ۔ لڑکے کا روٹی کھاتے کھاتے
گھوڑے سے کھیلنا ۔ رام سنگھ کا نرگس سے
کشیدہ لینے آنا اور کسی کے مخاطب نہ
ہونے سے بے تاب ہونا]

رام سنگھ : یہاں ٹھیر تو بھوجن کی ٹھیرو ہے ، ابھے ہم نے تو بھنگ بھی نہیں چھانی ۔ بڑی بیر تے ٹھاڑے ٹھاڑے پاؤں دکھن لاگے ۔ وا لگائی کو کچھو خبر نہیں بات ۔ ارے رام رام ،

---

[1] - طرز : جیرا لگائے لیے جائے ۔

واکو نام کی ہے ۔ ارے دختر خانہ ، ارے (ناہیں)
دسترخوان بچھائے بڑی دھنا سیٹھ کی ناتن بنی ہے رانڈ ۔
دکھتا ہو ناہیں ۔[1]

[نرگس کے بیٹے کا کھیلتے کھیلتے چابک مارنا]

رام سنگھ : کاہے بے چھورا ! سمجھ ناہیں پڑت ہے ۔ ایک ہی لاٹھی
جڑ دوں گا ۔ تمھارے پران نکس بھاگیں گے ۔

[رام سنگھ کا چابک چھیننا ، لڑکے کا رونا]

سلیم : رُلایا ہے بچّے کو کیوں ، کون ہے تو ؟
چلا آیا کیوں گھر میں بےحکم اُلّو

نرگس : ارے میری بیگم کا نوکر ہے یہ

سلیم : تو گھس آیا اس گھر میں کیوں کر ہے یہ

رام سنگھ : تم سے کیا مطلب ۔ یا تو وہی کہاوت بھئی ، پر گھر کُنو
دیں موسل چند ، تمرے پچھواڑے مہاراج ہم نے کچھ
کرنا لگائی ہے ۔ ہمارے تو جی رہے دولت کاون کو
بیگمات نورجہاں کو بے ان داتا ہیں ۔ میں تم جیوں کو تو
کیا گنتا ہوں ۔ جیوں کو ، جیوں کو

نرگس : یہ بیگم کے ہیں آدمی اے جناب !
مجھے کام دیتی ہے جو بےحساب

رام سنگھ : یا نے موہے کاہے گاری دینی ۔ باتاؤ تم تم نے نام ہم کہا

۱۔ لفظوں کی تشریح کے لیے ملاحظہ کیجیے 'فرہنگ' ۔ وقار

جلاب کہ جناب - (سب کا ہنسنا) ہم کچھ یا کو دین
کھاتا ہے - اور والیو سب جنے آلٹے ہنستے ہیں -

نرگس : چلو جانے دو جو ہوا سو ہوا
کہو آنا کیسے ہوا آپ کا ؟

رام سنگھ : بیگم صاحب تم سے رسانے رہی ہیں - وے تو جانت تھیں
کہ تو شرم ہو لگائی ہے ، پر تمہارا حال کھوٹا جان
پڑا - یا سے اب اور کام کاج کی آشا را کھو ناہیں - برقع
بیگم کا آبھو کر دیو -

نرگس : (زینب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر افسوس سے)
ہا مرغ جان تن کے پنجرے سے نکل دشمن ہوا

رام سنگھ : یہ مرگی جان تہارو بہن ہے ؟

[سب کا ہنسنا - زینب کا نرگس کو دلاسا دینا]

زینب : غزل[1]

جی نہ کھو اپنا فراقِ یار میں
جان آئے گی دلِ اغیار میں
ڈال ابرو پر شکن مت رنج سے
مورچا اچھا نہیں تلوار میں
صبر کر فصلِ خزاں میں عندلیب
پھر کھلے گا پھول اس گلزار میں

۱- طرز : مثل مجنوں کے فراقِ یار میں

جذبۂ دل کھینچ لائے گا ترا
ہے اگر وہ طالب دیدار میں

رام سنگھ : لے یہ تیرے سلائی کے پیسے ۔

[رام سنگھ کا پیسے دینا چاہنا اور نرگس کا برقع دینا چاہنا ۔ سلیم کا چھین لینا]

سلیم : تو کہہ اپنی بیگم سے بعد از سلام
طرف سے مری جا کے فوراً پیام
کہ اِس ملک کا ہے غریب اک حکیم
مگر اہل ایمان ، نامی سلیم
لیا اپنے معشوق کے واسطے
وہ برقع ، بنا تھا جو اس کے لیے
یہ کہنا کہ ہوتی اگر ذات پات
وہ جیسی کہ نرگس ہے اہلِ صفات
تو کھلا نہ وہ بھیجتی ایسی بات
ترے جیسے اک چاپلوسی کے ہات

رام سنگھ : نہیں نہیں ہے ۔ گھر نہ بار ، میاں محلے دار ۔

[رام سنگھ کا جانا]

نرگس :

مجھے دلدار نے چھوڑا ہے ، میں ہر کار کو چھوڑوں
نہ لاؤں دھیان میں ، دنیا کے سارے پیار کو چھوڑوں

عزیز و اقربا کو ، یار کو ، اغیار کو چھوڑوں
کوئی اپنا نہیں ، میں کس لیے غفّار کو چھوڑوں
جو سچّا یار ہے ہر حال میں ، دنیا میں ، عقبیٰ میں
یہاں تو چار دن کی چاہ ہے ، ہر اہلِ دنیا میں

سلیم :
نہیں کچھ فرضِ انسانی کہ وہ گھر بار کو چھوڑے
عزیز اولاد کو ، یا رسمِ دنیادار کو چھوڑے
اُسے پاتا ہے وہ ، جو ہر بُرے کردار کو چھوڑے
وہ چاہے چھوڑ دے تسبیح یا زنّار کو چھوڑے
جہاں چاہے رہے وہ ، عیش بھی چاہت میں ملتا ہے
نہ بستی میں ، نہ جنگل میں ، مگر الفت میں ملتا ہے

نرگس :
وفاداری پہ بھی افسوس گزری ہے جفا ہم پر
نہ ثابت آج تک کچھ بھی ہوئی اپنی خطا ہم پر
بس اس سے حال دنیا کی محبّت کا کھلا ہم پر
کہ عاشق نے ہمارے ظلم ہے رکّھا روا ہم پر
مرے ہو آپ والد کی جگہ ، مجھ کو کہو جیسا
بجا لاؤں سر آنکھوں سے ، کروں گی کام میں ویسا

سلیم : ٹھمری[1]
پرور پاک کو شام و سحر لگا دھیان
ناتھ وہ ، دیا واں سکھ دان — پرور پاک

۱- طرز ندارد -

سمر سمر تو پرنام ، سب مطلب لاوے بر
نیت مان ، عالی شان ، قدر دان
نکر ، ڈگر ، شہر ، گام میں ناظم کو ڈھونڈوں
آ تو ساتھ ، نیک ذات ، مان مان
—پرور پاک

[سب جاتے ہیں]

باب تیسرا

پردہ دوسرا

راستہ

[لنگڑ دین کا اپنی بے کسی کی فریاد کرنا]

لنگڑ دین : **گانا**[1]

نت رنج اُٹھایا ہم نے ، آرام نہ پایا ہم نے — نت
چمن دیکھا نہ گل دیکھا ، نہ تو ہم نے فضا دیکھا
قفس میں بے کسی کے ، صید اپنے کو سدا دیکھا
نہ اپنے نخلِ عشرت کو کبھی پھولا پھلا دیکھا
جو دیکھا سو نہ دیکھا ، ہائے اس گلشن میں کیا دیکھا
نت داغ ہے پایا ہم نے ، آرام نہ پایا ہم نے — نت

[ناظم کا روٹی اور لکڑی کے دو پاؤں لا کر لنگڑے کو دینا]

ناظم : روٹی یہ لے ، اُداس نہ ہو ، رنج و غم نہ کھا
لکڑی کے پاؤں پر تو سہارے سے چل ذرا
تدبیر سے تو گردشِ تقدیر کو مٹا

لنگڑا : اللہ تجھے بچائے سب آفات سے سدا
کیسا ہے پاؤں ؟ چل کے میں دیکھوں اسے ذرا

[ناظم کا نرگس کی تصویر کو دیکھنا ۔ لنگڑے کا لکڑی کے پاؤں پر چلنا اور خوش ہونا]

۱- طرز ندارد

کیا خوب نیک مرد نے لا کر دیا ہے پاؤں
موسیٰ کے بھی عصا سے یہ بڑھ کر ہؤا ہے پاؤں

[ناظم سے]

صاحب ادا میں شکر کروں کس زبان سے

[خود سے]

بیٹھا ہے سر جھکا کے یہ کیوں ایسی شان سے

[تصور سے مخاطب ہو کر گانا ۔ لنگڑے کا چھپ کر سننا]

ناظم : غزل[1]

تعویذ ہے دل کا مجھے تصویر تمھاری
جادو سے زیادہ تھی وہ تقریر تمھاری
۔ تعویذ

تم دل میں خود انصاف کرو اپنے ستم گر
تقصیر ہماری ہے کہ تقصیر تمھاری
۔ تعویذ

پیشانی میں لکھا تھا وہ پیش آیا ہمارے
بھولی نہ مگر سُرمے کی تحریر تمھاری
۔ تعویذ

[غصے سے]

عنقا ہے اس جہان میں ، یا ہے ہُما وفا
احمق ہیں وہ جو کرتے ہیں ناحق وفا وفا

۱۔ طرز : بیساکھ ماس ۔

کرتی ہے کب کسی سے بھلا بیسوا وفا
ہرجائی (ہے) جہان کی ، وہ جانے کیا وفا
دل باز آ خیال سے تو اس شریر کے
پہلو سے پھینک دوں گا تجھے ورنہ چیر کے

لنگڑا : (خود سے)

کھلتا نہیں یہ پیچ کہ کیا ماجرا ہے یہ
دیوانوں کی طرح سے کیا بک رہا ہے یہ

ناظم : کی وفادار سے جفا نرگس
تجھ سے سمجھے ترا خدا نرگس
نرگس او ہائے بیوفا نرگس !

[ناظم کا سر پیٹنا ، لنگڑے کا حال پوچھنا]

لنگڑا : رحم ہماری حالت پر ہر لحظہ تو نے کھایا ہے
صورت لیکن کیسی تو نے اپنی ہائے بنایا ہے
آج سنوں گا حال زبانی تیری ، جی میں آیا ہے
کر کے ہم دم ہم کو پھر کیوں باتوں میں بہلایا ہے

ناظم : غزل[1]

کھو گئے آپ ہمیں جان کے کھوتے کھوتے
خاک ہمّت نہ رہی خاک کے ہوتے ہوتے
—کھو گئے

۱۔ طرز : یار میرا مرے پہلو میں نظر آتا ہے

حال اپنا جو سنے وہ تو ہے سننے قابل
آئے ہیں ہنستے ہوئے ، جائیں گے روتے روتے
—— کھو گئے

بس اٹھو گر تمھیں منزل کی طلب ہے طالب
شام سے صبح ابھی ہو گئی سوتے سوتے
—— کھو گئے

لنگڑا : آٹھ پہر تصویر کو کیوں مونس اپنا یہ بنایا ہے ؟

ناظم : ساتھ مرے آ ، کہتا ہوں میں ، جو کچھ مجھ پر آیا ہے

[لنگڑے سمیت ناظم کا جانا]

پردہ تیسرا

شراب خانہ

[شرابیوں کا شراب پیتے نظر آنا ۔ مسرور کا اپنی جورو کو چھوڑ کر اور عورت کے ساتھ شراب پینا]

سب : **لاونی**[1]

بن ٹھن کے پری شیشے کی چھا چھم چمکے
جوبن کی چمک ، ہیرے کا نگینہ دمکے
—— بن ٹھن کے

کیا سبز ، سنہری ، سرخ سبو سے جھلکے
چھل چھیل چھبیلی چھب سے چھلا چھل چھلکے

شرابی نمبر ۱ : رام رام کر لے ، بیدام عیش کو جم جم
شرابی نمبر ۲ : شیم پین سدا سو چین ، چلا غم رم رم
شرابی نمبر ۳ : شیری سے چیری بنے خوشی آٹھوں دم
نمبر ۱ : سب توڑو پھوڑو ، چھوڑو جی
نمبر ۲ : ٹھرّا (سے) منہ مت موڑو جی
مہوہ سے جی کو جوڑو جی

۱۔ طرز ندارد

سب : گھڑا ، برالڈی چڑھا ، نشے میں خم کے
—— جوبن کی چمک

نمبر ۱ : پھوڑے کو کیوڑے سے سرس تم جانو
ہم کھری کہیں گے ، مانو یا مت مانو

نمبر ۲ : پر اب تو ٹیکس چنگا ہے بھاری
محصول کا پھندا گلے میں ہے سرکاری

نمبر ۳ : اب بھنگ چرس تاڑی کی (کرو) تیاری

نمبر ۱ : لا پیالا ، لالہ پیالہ رہے

نمبر ۲ : متوالا ، نینوں والا رہے

نمبر ۳ : پھولے جس میں گل لالہ رہے

سب : کیا کھڑا ، مزے میں پڑا دمادم دمکے
—— جوبن کی چمک

نمبر ۱ : بھر دو مجھ کو بوتل

نمبر ۲ : مجھ کو بھی دو آٹھ آنے کی ،

[سنبل کا بحالِ زار خیرات مانگتے ہوئے داخل ہونا]

نمبر ۳ : آدھی بوتل مجھ کو دو ، جلدی ہے مجھ کو جانے کی

نمبر ۴ : میں نے پہلے دام دیا ہے ، میں ٹھیروں زنہار نہیں

دکاندار : ٹھہرو صاحب ! ہاتھ ہمارے دو ہی ہیں کچھ چار نہیں

سنبل : بھوکی ہوں لاچار ، بھلا ہو ، پیسے دو ، دو چار مجھے

نمبر ۳ : جلدی آدھی بوتل مجھ کو دے دو، ہے درکار مجھے

سنبل : (جلدی میں گھبرا کر) ایک بوتل شراب مجھ کو ۔

دکاندار : کیا عورت ـــ ؟

ایک بوتل شراب مجھ کو لا ۔

سنبل : باوا صاحب ! بیکس کو کچھ حکم ابھی تک ہوا نہیں

نمبر ۱ : کیوں بک بک سر کھاتی ہے ، نہیں ہے پیسا ، سنا نہیں

سنبل : (دل میں)

جلی موئی میں کیسی اس جا آ کر دھکا کھاتی ہوں
جلدی دے دو مجھ کو ورنہ اور جگہ سے لاتی ہوں

دکاندار : دیتا ہوں

مسرور : (معشوق سے)

لو اور ذرا سی تم کو قسم ہماری ہے

معشوق : نہیں نہیں ، بس بہت ہے مجھ کو سر میرا کچھ بھاری ہے

سنبل :

ساتھ جس کے عمر بھر یوں پاک عصمت میں رہی
عمر بھر جس کی شریکِ رنج و راحت میں رہی
جس کی الفت میں ہمیشہ بامروت میں رہی
رات دن جس یار کی سرگرمِ صحبت میں رہی
میری بیماری میں اب وہ دوسری عورت کے ساتھ
عیش کرتا ہے ، نہ میری پوچھتا مطلق ہے بات

[مسرور کا (نشے سے) چونکنا]

سنبل : (پاس آ کر)

دیکھ اے خاوند! میرا حال کیسا زار ہے
سنگدل کیسا تو پیارے ہو گیا اک بار ہے

معشوق : (تعجّب سے)

کیا یہ اس کا یار ہے؟ یہ تو عجب اسرار ہے
یہ تو کہتا تھا مرا کوئی نہیں زنہار ہے

سنبل : دے پتا ورنہ مری اب زندگی دشوار ہے

مسرور : کون شوہر ہے ترا تو بات کر پہچان کے

سنبل : تو ہی ہے شوہر، ہوئی انجان کیا میں جان کے؟

مسرور :

کیوں مری لیتی ہے عزت عام میں مکار تو
مانگ لے خیرات مجھ سے، ہے اگر بیمار تو
پر خدا سے ڈر، نہ اشرافوں کو کر یوں خوار تو
آنکھ بھی چار آدمی میں کر نہ مجھ سے چار تو
میری بی‌بی پاس میرے دیکھ اے مردار تو

سنبل :

مر رہی ہوں دم کی بیماری میں، میری جان مان
کچھ تو میری خدمتوں کا بے وفا! احسان مان
لونڈی معشوقہ کی اپنی تو بنا کر رکھ مجھے
جوتیاں اس کی اٹھاؤں گی، دیا کر، رکھ مجھے

مسرور : واسطہ مجھ سے نہیں تجھ کو کوئی اے ناسزا
جا جہاں لے جائے تجھ کو بیسوا ! تیرا خدا

[سنبل کو دھکا دے کر اپنی معشوقہ کو لے جانا ۔
سنبل کا زمین پر گرنا ۔ سب کا اس کے پاس
دوڑ کر آنا]

سب : گانا

ہاہا ! ہاہا ! کیسا تھا یہ ظالم بے ایمان
مرتے مرتے بے چاری کی لیتا ہے جو جان
دُکھیا ہے بے چاری یہ ، بیماری کی ماری یہ
جس پر ہے لاچاری یہ ، اُس پر یہ طوفان

نمبر ۱ : اٹھ اے عورت ، ہوگا غارت بے شک وہ شیطان
وہ بدخصلت ہے بدطینت ہے

سب : لعنت اُس پر لعنت ، ہاہا ! ہاہا !

[ایک خریدار کا سنبل کو اُٹھانا]

سنبل : ٹھمری[۱]

آوے موہے اچنبھا ہے بھاری رے
کیسی شوہر نے ظلم گزاری رے
—آوے

خریدار : ساتھ آ تو میرے گھر ، کانپ نہیں تھر تھر
ہے تو اکیلی نار ، اکیلی بے چاری
—آوے

۱۔ طرز ندارد

سنبل : ہوا ہے شیشۂ دل چُور سنگِ بےوفائی سے
غریقِ بحرِ ذلّت ہوگئی میں آشنائی سے
ہوا جینے سے جی سیراب آبِ جاں فدائی سے
عدم کی سلطنت بہتر ہے دنیا کی گدائی سے
بچا کے جان بےعزت کسی کے ساتھ جانا کیا
جو اپنا غیر ہو تو غیر کو اپنا بنانا کیا

[سنبل کا گرتے پڑتے جانا اور پھر سب کا جانا]

چوتھا پردہ

مکان کوتوال

[شاطر کا (کوتوال کے) نوکر کے ساتھ آنا ۔ نوکر کی انگریزی
پوشاک خاکی وردی والے سپاہی کی سی ہے]

نوکر : کس طرف سے آپ کا آنا ہوا فرمائیے
نام کیا ہے ؟ کام کیا ہے ؟ یہ مجھے بتلائیے

شاطر : اک ضرورت ہے مجھے، کتوال صاحب ہیں کہاں ؟

نوکر : وہ تو گھر میں ہیں ، ضرورت کیا ہے وہ کیجے عیاں

شاطر : کچھ انھیں سے کام ہے ، ان کو بلا لاؤ ذرا

نوکر : خیر جاتا ہوں بلانے ، آپ یاں ٹھہرو ذرا

[جانا نوکر کا]

شاطر : بے ایمانی مجھ سے کی اورنگ نے ہر کام میں
حصہ داری اس سے کر کے میں پڑا آلام میں
مشورے سے اس کے جی فیاض کا میں نے لیا
گھر خراب اس کی مدد سے میں نے ناظم کا کیا
پاپ کی یہ ناؤ ڈوبے گی ولے اک دن ضرور
شیشۂ حرص و غرور اک روز ہوگا چور چور

اس لیے اب ناظم و نرگس کی کرتا ہوں تلاش
ڈھونڈ کر دونوں کے دل کی بس مٹا دوں میں خراش

شاطر : سوہا[1]

مان مہان سبحان جان سدھان سبھی کہلائے
عیش کیے آرام لیے مدھ جام پیے نعمت سب کھائے
انت سمے ، پچھتات چلے پروانہ لیے جم دوت جو آئے
ہر ہر کے چت دھیان لیے، ہر سے ہائے نہ دھیان لگائے

[آنا شمشیر خاں کوتوال کا]

شمشیر خاں :

کس لیے آئے یہاں ، صاحب کہو کیا کام ہے ؟

شاطر : ایک عورت کے لیے جس کا کہ نرگس نام ہے
ڈھونڈ کر لا ، گر نہیں پایا کہیں اب تک اسے
وہ ملے تو فائدہ اس کا ہے میری ذات سے

کوتوال : کون ہے اس کا مفصّل حال تو ظاہر کرو
کام کیا نکلے گا اس کا تم سے ، یہ ماہر کرو

شاطر : شوہر اس عورت کا ناظم پہلے تو زردار تھا
اتفاقاً ہو کے مفلس وہ لڑائی پر گیا
وار اس پر کی اجل نے نوجوان مارا گیا
ہو گئی نرگس دوانی سن کے اس کا ماجرا

۱- اصل : سویہ طرز ندارد

میں بھی ناظم کا بہت دن سے ہوں تھوڑا قرض دار
وقت پر اس کے مگر تھا میں بھی مفلس ، ذی وقار!
اب خدا کے فضل سے میرا چلا ہے کاروبار
اب اگر ملتی وہ ، کرتا میں مدد اے نامدار
میں، قلعے کے سامنے رہتا ہوں ، شاطر نام ہے
تھا پڑوسی میرا ناظم ، مجھ کو جس سے کام ہے
چار دن کی چاندنی ، کب زندگی رہ جائے گی
بس زمانے میں یہی نیکی بدی رہ جائے گی

[نوکر کا آنا]

نوکر : آیا ہے ایک شخص ملاقات کے لیے
کہتا ہے مجھ کو کام ہے دو بات کے لیے

کوتوال : ٹھہراؤ اس کو کمرے میں باہر مکان کے
کہنا ہو جو کہے وہ اکیلے میں آن کے

[نوکر کا جانا]

(شاطر سے)

خیر میں تم کو خبر دوں گا جو پاؤں گا پتا

[سلیم کا آنا ، شاطر کا حیران ہونا]

شاطر : باپ رے ! یہ کون ، یہ تو ہے وہ ناظم کا چچا

سلیم : کس طرح شاطر ، یہاں کیرو[1] میں تو آیا بھلا ؟
اور پھر کتوال تک آنے کا تیرا کام کیا

۱- Cairo (قاہرہ) کی خرابی (وقار)

شاطر : (گھبرا کے)

کچھ تجارت کے لیے اس شہر میں آیا ہوں میں
اور جلدی ہے بہت ، کاموں سے گھبرایا ہوں میں
اب تو جاتا ہوں ، مگر پھر بھی ملوں گا آپ سے
حال تب اپنا مفصّل میں کہوں گا آپ سے

[شاطر کا جانا چاہنا]

سلیم : آج کیوں ، جاتے ہو کیوں ؟

شاطر : ایسا ہی کچھ درکار ہے

کوتوال : کیوں چلا آیا یہاں بے حکم تو مردار ہے

سلیم : گانا[۱]

دیکھ نامدار کر ہوش ذرا ، جب ظلم جور سر آن پڑا ،
موقع وقت دیکھے کیسے ، داد خواہ آٹھ پہر دھیان داد
میں لگا ـــــدیکھ نامدار
افسر تو ہو کے رکھ ، گھر کر لے اور ، تاکہ دائم
عالم بیغم
آئے جائے مطلب سے ہردم ، کامیاب عالم کو مدام
آرزوؤں سے
قید در پر ہو کر بیکس ، کیونکر لے داد بیداد ۔
ـــــدیکھ نامدار

۱- طرز : سروساس سادہ (؟)

کوتوال : خیر مجھ کو معاف کرکے کہیے اپنا مدّعا
سلیم : کیوں بھلا آیا تھا وہ جو شخص ہے یاں سے گیا
کوتوال :

میں ہوں اک سرکاری نوکر، میں نہیں ہرگز مجاز
ایک سے جو دوسرے کا کہہ سکوں کوئی بھی راز

سلیم : سچ ہے لیکن عہدہ داروں کو نہیں یہ بھی کہا
بدمعاشوں کی مدد کرتے پھریں وہ برملا

کوتوال :

بدمعاش ! ہے بات یہ کیسی تمھاری واہیات

سلیم : آپ خود سمجھے نہیں، میری تو ہے سب ٹھیک بات
میرے آنے سے یہاں اس وقت بس دو غرض ہے
جس کی خاطر جی گنوانا تک بھی مجھ کو فرض ہے
ایک تو اس شخص کی تھی مجھ کو روز و شب تلاش
جو کہ مجھ کو دیکھ کر بھاگا یہاں سے بدمعاش
دوسرے اک شخص ناظم کا لگانا ہے پتا
جس کی نرگس نام بی‌بی ہے نہایت باوفا
اس کے شوہر سے اسی موذی نے کرکے کچھ دغا
ہے چھڑایا، چھوڑ کر ناظم نہ جانے کیا ہوا

کوتوال :

کون ناظم ؟ تھا قلعے کے سامنے جس کا مکاں !

سلیم : ہاں اسی کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں، اے عالی شاں

کوتوال : وہ تو سنتے ہیں لڑائی میں کہیں مارا گیا
سلیم : کیا ؟ لڑائی میں بھلا کس دن وہ بے چارا گیا ؟
وہ تو پیشہ کھیتی کا کرتا رہا ہے مہربان
کوتوال : اور نرگس کا تو سنتے ہیں نہیں ملتا نشان
سلیم : کیوں نہیں ، وہ تو بچاری ہے بحالِ زار جان
کوتوال : کیا ؟ تو پھر شاطر نے لکھوایا ہے یہ جھوٹا بیان؟

[کوتوال کا تحریر کو دیکھنا]

سلیم : جھوٹ سب مکار ہے ، وہ آپ کو لکھوا گیا
بات سب پکڑی گئی ، اچھا ہوا میں آ گیا
اب میں جا کر جستجو کرتا ہوں اس غدّار کی
آپ بھی کر لیں تلاش اس مجرم و مکار کی

[جانا دونوں کا]

ڈراپ سین

باب چوتھا

پردہ پہلا

دریائے نیل مع پُل و چاند

[ناظم کا بیٹھے ہوئے دکھائی دینا]

ناظم :

شاخ میں پھل رہے ، اس پھل میں جو لذت نہ رہے
پھول ڈالی میں رہے ، پھول میں رنگت نہ رہے
شیر جنگل میں رہے ، شیر میں طاقت نہ رہے
آدمی زندہ رہے ، اور جو عزّت نہ رہے
موت بہتر ہے مجھے ، جی سے گزرنا بہتر
آج ندّی میں مرا ڈوب ہی مرنا بہتر

[کودنے کا ارادہ کرکے رک جانا]

مگر خیال ہمارا کہیں یہ خام نہ ہو
کیا جو ہم نے ، وہ نادانی کا تو کام نہ ہو
وہ بےقصور بچاری تو لا کلام نہ ہو
غلط گماں نہ ہو ، بےجا یہ اتّہام نہ ہو
جو جان اپنی میں نرگس پہ یاں گنواؤں گا
سر اپنا جائے گا ، بےسر آسے بناؤں گا

[ناظم کا بیٹھنا ، سنبل کا گرتے پڑتے آنا]

سنبل : اے خدا کوئی نہیں اب تو مرا
اس زمانے میں رہا تیرے سوا
غیر کی الفت میں شوہر پھنس گیا
ترک اُس نے واسطہ مجھ سے کیا
اب عبث ہے رنج و غم کھانا مرا
جینے سے بہتر ہے مر جانا مرا

[ندی میں کودنا]

ناظم : (چونک کر)

کیسی آئی یہ دھماکے کی صدا
اس ندی میں ہے کوئی شاید گرا

[دوڑ کر دیکھنا اور سنبل کو بچانا ۔ لنگڑے
کا ناظم کی تلاش میں آنا]

لنگڑا : ناظم ! ناظم ! ابھی تو آیا اسی طرف تھا کہاں وہ گیا

[ناظم کا سنبل کو سیڑھی تک لانا]

ناظم : کر مدد میری تو بھائی ، آ اِدھر ، آ جا ذرا

لنگڑا : میں تو ہوں لاچار ، لاؤں اور کو جا کر بُلا

ناظم : جلدی جا ، اے یار ، اللہ کے لیے تو جلدی جا

[لنگڑ دین کا جانا ، ناظم کا سنبل کو نکالنا اور نرگس
کی ہم شکل پا کر حیران ہونا]

یہ تو نرگس مری بی بی ہے ، یہ کیوں ہے مرتی ؟
کس کے باعث یہ بھلا موت کا دم ہے بھرتی ؟

دل کسی سے یہ اگر اپنا لگائے ہوتی
جان کس واسطے اس حال سے آ کر کھوتی
میرے ہی ہاتھ سے گزرا ستم اس پر شاید
جان دیتی ہے مرے ظلم میں آ کر شاید
ہائے نرگس مری ، اور مری پیاری نرگس
میری حرکت سے ہوئی تیری خواری نرگس

سنبل : کون نرگس ہے میاں ، کہتے ہو کس کو نرگس ؟
ناظم : اپنے ناظم کو بھلا بھول گئی ہو نرگس

تو اگر بھول گئی ہو ، نہیں بھولا ہوں میں
سنبل : ہے تو ناظم ولے نرگس نہیں دکھیا ہوں میں
میں ہوں فیاض کی بیٹی ، مرا سنبل ہے نام
فعل سے اپنے کیا مجھ کو زمانے میں تمام
جب میں پیدا ہوئی تب ماں کو یہ معلوم ہوا
باپ نے دوسری عورت ہے کوئی اور کیا

[کہتے کہتے رک جاتا]

ناظم : ہاں تو پھر ؟

سنبل : لے کے مجھے ، چل کے نکل آئی وہ
آخر اس رنج میں بس ہو گئی سودائی وہ

ناظم : آہ مجھ پر بھی یہی حالتِ غم بیتی ہے

سنبل : ماں تو معلوم نہیں مر گئی یا جیتی ہے

میرے خاوند نے بے جرم مجھے چھوڑ دیا
آئی میں مرنے کو ہر ایک ہوئی مجھ سے خطا
ایک بد ذات نے ناظم کو دیا تھا دھوکا
ساتھ شوہر کے مرے ، مجھ کو ملا کر اک جا
ترک ناظم نے مرے دھوکے میں نرگس کو کیا
تم جو ناظم ہو تو بس بخشو مجھے بہرِ خدا

ناظم : میں نے بخشا تجھے اور میرا خدا بھی بخشے
پر مجھے بہرِ خدا ، یہ تو ذرا بتلا دے
اشرفی دے کے تجھے ، کام لیا تھا کس نے ؟

سنبلؔ : نام مردود کا شاطر ہے ، خدا اس کو لے
اب ہے رخصت مری ، پہنچے مرے شوہر کو سلام
یاد میں اُس کی چلی میں ، وہ رہے شاد مدام

[سنبل کا مر جانا]

ناظم : ہائے نرگس تری خوبی کو نہیں پہچانا
سچے موتی کو صد افسوس کہ جھوٹا جانا
آہ او ظالم و غدّار ، ستم گر شاطر
چین پائے گا زمانے میں تو کیونکر شاطر
دوسرا صدقہ ترا ہے یہ بد اختر شاطر
خوب رہنا تو مگر اب سے سنبھل کر شاطر
تری مکّاری کا سب حال ہے اظہار ہوا
خون پینے کو ترے آج میں تیّار ہوا

باب چوتھا

پردہ دوسرا

مکان — دیوان خانہ

[اورنگ کا نفع (کی وہ رقم) گننا جو شاطر کی علیحدگی کے بعد کمائی]

اورنگ :

صحبت سے بد کی ہوتا ہے حیوان آدمی
سچ ہے کہ آدمی کا ہے شیطان آدمی
شاطر نہ کیوں سبک ہو کہ شاطر ہے اس کا نام
ہے اسم با مسمیٰ وہ ، اس میں نہیں کلام
دیکھوں تو اس سے حصہ چھڑانے کے بعد کیا
مجھ کو منافع کام میں میرے ہوا بھلا ؟

[روپے گنتے ہوئے]

دو اور تین پانچ ہزار بے تکرار تجوری میں ۔ ایک ہزار الگ اڑایا شاطر کی چوری میں، اور ایک ہزار مارا منہ زوری میں ، شمار میں دینار پورے سات ہزار ، کاروبار میں نفع بار مبار ۔

[خوش ہو کے]

پتلی کا فرش واسطے زر کے بچھائیے
گر اٹھ سکے تو آنکھ سے پیسا اٹھائیے

حقیقت ہے کہ اس ہستی کے من کی جان ہے دولت
متاعِ جان کیا بلکہ زرِ ایمان ہے دولت
جو سچ پوچھو تو بس اک بخششِ سبحان ہے دولت
بناتی آدمی کو دہر میں انسان ہے دولت
خدا تو ہے نہیں دولت مگر ساری خدائی کا
وسیلہ ہے تو بس یہ ہے فقط حاجت روائی کا

[شاطر کا کنڈی کھڑکھڑانا]

اورنگ : در کون کھڑکھڑائے ہے کیوں بولتا نہیں
شاطر : (باہر سے)
دروازہ آ کے جلد تو کیوں کھولتا نہیں

[(اورنگ کا) صندوق بند کر کے دروازہ کھولنا ، شاطر کا اندر آنا]

شاطر : جلدی خدا کے واسطے مجھ کو چھپا کہیں
اورنگ : کیا ہے ؟ تو پہلے حال تو اپنا بتا کہیں ؟
شاطر : ہم دونوں نے کیے تھے جو آپس میں کام ، وہ
معلوم ہو گئے ہیں ہر اک کو تمام وہ
جاسوس جستجو میں ہیں اپنی لگے ہوئے
دو ایک آئے ساتھ ہمارے لگے ہوئے
جو ہو گیا وہ جانے دے ، اس وقت شر نہ کر
مجھ کو کہیں چھپا دے، کسی کو خبر نہ کر

اورنگ : خونی کو اپنے گھر میں بھلا میں پناہ دوں
اپنی خراب حالی کو میں آپ راہ دوں
تو کون ہے بلا ، میں تجھے جانتا نہیں
چل دور ہو یہاں سے ، میں پہچانتا نہیں

شاطر : پناہ ، بہرِ خدا بس پناہ دے مجھ کو

اورنگ : غضب کی یار زیادہ نہ راہ دے مجھ کو
وگرنہ تجھ کو گرفتار خود کراؤں گا
نشان دینے عدالت میں آپ جاؤں گا

[شاطر کا ایک طرف کو گھسنا]

اورنگ : (روک کر)

نہیں ہے راہ اُدھر سے ، اِدھر ہے تہ خانہ
یہ دیکھ ، راستہ باہر کا یہ ہے دیوانہ

[شاطر کا تالیاں (چابیاں) چھین لینا اور اورنگ کی گردن پکڑ کر گرا دینا]

نہ نکلے دہر میں جب اپنا کام سیدھے سے
کرے نہ کوئی بھی ناحق کلام سیدھے سے

[صندوق میں سے زر و زیور (نکال کر) جیب میں بھرنا]

جو مال مفت ملے عین وہ عنایت ہے
مثل ہے لوٹ میں مُوسل بھی ایک نعمت ہے

[باہر جانا چاہنا ـ ناظم کا آنا اور اسے پکڑ کر لے جانا]

ناظم : کھڑا تو رہ تو ارے نابکار ، او بدذات
بہت دنوں میں لگا ہے تو آج میرے ہات

شاطو : (گھبرا کر)

تو مجھ سے دست بداماں ہوا ہے کیوں بھائی
کیا ہے میں نے ترا کیا ، خفا ہے کیوں بھائی ؟

ناظم :

کیا ہے میں نے ترا کیا ؟ ارے نہ کچھ بھی بچا
بچہ جی بچ گئے ، پھر اب محال ہے بچنا

باب چوتھا

پردہ تیسرا

چوک

[ناظم (کا) شاطر کو کھینچتے ہوئے لانا اور سلیم کا مع کئی آدمیوں کے آنا]

ناظم : کیا تو نے جو کچھ بتا صاف حال
تری جان ہے ورنہ بچنی محال

شاطر : سراسر یہ مجھ سے ہوا ہے قصور
کیا میں نے نرگس پہ نا حق فتور
خدا کی قسم رشک سے اتہام
کیا تنہا یہ نرگس پہ میں نے تمام

ناظم : خدا تجھ سے سمجھے ارے نابکار

[ناظم کا چھوڑ کر بیٹھ جانا اور سلیم کا روکنا]

سلیم : کسی نے کیا ہے اگر تجھ کو خوار
رہائی کے قابل ہے کب بد شعار
(نہ) چھوڑو ، یہ بدکار ، بدذات کو
جڑو لات ، مردار ، بدذات کو

[سلیم کا مارنا ، ناظم کا روکنا]

ناظم : چھوڑ دو ، اپنے کیے کی یہ سزا پائے گا
اپنے فعلوں کی بہت جلد جزا پائے گا
لات مارے جو کسی کو وہی کھاوے ٹھوکر
ہاتھ آتا ہے کہیں پھول بھی کانٹا ہو کر
ہم کریں صبر کرے صبر نہ زنہار خدا
لے گا ظالم سے عوض ظلم کا وہ بار خدا
[سب (کا) چھوڑنا ، کوتوال کا اورنگ سمیت آنا]

اورنگ : یہی چور خونی ہے وہ نابکار
نشاں جس کا مطلوب ہے نامدار
تلاشی اسی جا ، ابھی لیجیے
نہ ہرگز اسے ہاتھ سے دیجیے

[کوتوال کا تلاشی لینا]

کوتوال : دکھا مجھ کو شے جو کہ ہے تیرے پاس
سلیم : نہ اب اپنے بچنے کی تو رکھنا آس

[تلاشی لینا]

کوتوال : یہ بنڈل ہیں نوٹوں کے ، کس کے ہیں یہ ؟
اورنگ : مرے ہیں یہ سب نوٹ ، میرے ہیں یہ
کوتوال : (نوٹوں کو دیکھ کر)
مگر اس پہ کچھ اور لکھا ہے یہ
کہ نرگس و سنبل کا حصہ ہے یہ

[اورنگ کا جانا چاہنا ، شاطر کا روکنا]

شاطر : ذرا ٹھیرو ، جانے نہ دو اس کو صاف
کیا آپ نے اس کو کیسے معاف
ہر اک کام میں میرے تھا یہ شریک
خبر آپ کو ہوگی سب ٹھیک ٹھیک
اگر میں ہوں مجرم تو یہ بھی ہے ساتھ
اسے چھوڑ دیتے ہو ، یہ کیسی بات

[کوتوال کا دونوں کو باندھنا]

ٹھمری[1]

کوتوال : باندھ لو سپاہی شاہی ، ہونے نہ دو ان کو راہی
— باندھ لو
دونوں ہیں شامل ، مجرم کامل ، پائی ہم نے گواہی
— باندھ لو

[سب کا ، سوائے ناظم کے ، جانا]

ناظم :

وہ اپنا یارِ جانی تھا جسے مکار سمجھے تھے
لدا اپنا ہی تھا ، جو مائلِ اغیار سمجھے تھے
گھٹا غم کی عبث تھی آسمانِ دل پہ کیوں چھائی
ہلالِ عید کو نادانی سے تلوار سمجھے تھے

[نرگس (کا) لڑکے اور سلیم کے ساتھ داخل ہونا اور
ناظم کو دیکھ کر حیرت سے دوڑ (کر) آنا]

۱۔ طرز : کاگری اُتارو۔

نرگس : (گلے لگا کر) او ناظم !

ناظم : پیاری نرگس !

نرگس : پیارے مجھے تو چھوڑ کے اب تک کہاں رہا ؟
سینے میں دل سدا ترے بن نیم جاں رہا
کیوں بے قصور نظروں سے میری نہاں رہا ؟

ناظم : آلودہ ہوں گناہ میں اور ناسزا ہوں میں
تو پاک ذات ، اور نجس ہو رہا ہوں میں
مجھ کو نہ چھو فرشتہ ہے تو ، برملا ہے تو

نرگس : میرے لیے تو یار وہی مہ لقا ہے تو
نظروں میں میری بلکہ ولی سے سوا ہے تو
لونڈی ہوں تیری جان سے ، آقا مرا ہے تو

ناظم : ٹھمری[1]

جانتے تیری گر خو ، تیرے چلن سجن ماہ رو
کیسی نیک تھی تو —— جانتے تیری گر
عبث بحث کی ہم نے یار تھی ،
نور حور چھب ڈھب سب عادت تیری خوش خو ، دلجو
—— جانتے تیری گر

[ناظم کا پاؤں پکڑنا ، نرگس کا گلے لگانا]

نرگس : ٹھمری[2]

کیجیے نہ ہم کو شرمندہ دلدارِ من
کیجیے نہ ہم کو شرمندہ دلدارِ من

---

۱ ، ۲- طرز ندارد

اچھا نہیں مرد کا پاؤں پکڑنا ، عورت کے
غم‌خوار من ـــ کیجیے
ہوں میں تیرے پاؤں کی خاک ،
میرا سرتاج تو ـــ یار من
کیجیے نہ ہم کو شرمندہ دلدار من

ناظم : ٹھمری[1]

ستم ، الم ، جور ، معاف کر پری
ستم ، الم ، جور معاف کر پری
جگر چاک ، نیک پاک چمن سے ہے ہری
ہائے کھائے داغ ، پائے رنج ، ابتری
ستم ، الم ، جور ، معاف کر پری

[سلیم کا آنا ، دونوں کو دیکھ کر خوش ہونا]

سلیم : صد شکر تم کو آج خدا نے ملا دیا
محنت ہماری آج ٹھکانے لگا دیا

لڑکا : باوا جی آپ بھاگ گئے تھے بھلا کہاں ؟

سلیم : سوداگری یہ کرنے گئے تھے ، سنا میاں

نرگس : نیکی چچا نے اور چچی نے جو بیشمار
کی بعد آپ کے ، نہیں بھولوں گی زینہار
دشمن زمانہ ، ایک مددگار تھے تو یہ
دکھ میں شریک ، درد میں غمخوار تھے تو یہ

۱- طرز ندارد

ناظم : بے شک بزرگ ہیں کہ بجائے پدر ہیں یہ
ممنون اس کا میں ہوں کہ میری سپر ہیں یہ

سلیم : بات ایک اب سناتا ہوں تم کو ملال کی
نرگس تمھارے باپ نے تو انتقال کی
جو کچھ کہ اُن کے پاس تھا جس وقت مر گئے
تم دونوں بہنوں میں اُسے تقسیم کر گئے

نرگس : میں تو اکیلی ہوں ، نہیں میرے کوئی بہن

ناظم : تم کو خبر نہیں ولے اک اور تھی بہن
سنبل تھا نام ، اور وہ دکھیا بھی مر گئی
شوہر کے ظلم سے وہ جہاں سے گزر گئی
قصہ ہے اس کا طول چلو گھر بتاؤں گا
گزرا جو قصہ تھا اُسے کہہ کر سناؤں گا

نرگس : والد ملے نہ ہائے تو بہنا ملی مجھے
لیکن ملا جو یار تو دنیا ملی مجھے
خالق سے (ہے) دعا کہ رہیں مل کے سب سدا
محشر تلک نہ طالب و مطلوب ہوں جدا

سب : ٹھمری[1]

ساجن سنگ راجن رنگ آج شُبھ گھڑی
گئے سب دکھ ، لگی اب سُکھ چین کی جھڑی

۱- طرز ندارد

ساجن سنگ راجن رنگ آج شُبھ گھڑی
گئے سب دکھ ، لگی اب سکھ چین کی جھڑی
رہے ہل مل ، دل کھل کھل ، لاشین غم کی کڑی
ساجن سے نِس دن ہو وصل کی لڑی
طالب ہو غالب جو رنج یا کڑی
سہنا آسے ہنسی خوشی ہر گھڑی
باغ جگر سے ہو بدر ، پالے کی کڑی
ساجن سنگ راجن رنگ آج شُبھ گھڑی

تمام ہوا

ناٹک

دلیر دل شیر

عُرف

قسمت کا ہیر پھیر

تبصرہ

قدیم ڈراموں کے متن کی تصحیح میں جو طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں اُن کا ذکر میں بار بار کر چکا ہوں ۔ یہ بات بھی کئی مرتبہ دہرائی جا چکی ہے کہ ان دشواریوں کے اسباب کیا ہیں ۔ خود طالب بنارسی کے ڈراموں کے تبصروں میں بھی اس بات کا اعادہ ہوتا رہا ہے ، اس لیے میں 'دلیر دل شیر' کی تصحیحِ متن کے متعلق تفصیل سے کچھ کہنے کے بجائے اختصار کے ساتھ یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ متن میں غلطیوں کی نوعیت کیا تھی ، اور قیاس کی مدد سے انھیں کس طرح درست کیا گیا ۔

متن میں زیادہ تر غلطیاں ایسی ملیں جنھیں سیاق کی مدد سے آسانی سے درست کیا جا سکتا تھا ۔ ذیل کی مثالوں سے میرے خیال کی وضاحت ہو جائے گی :

(۱) پہلے باب کے پہلے پردے کا پہلا گانا دل شیر نے گایا ہے ۔ متن میں یہ شعر اس طرح لکھا ہوا ہے :

کروں کیا میں اب اے کریم
تو ہے میرا اب تو غفورالرحیم

ظاہر ہے کہ دوسرے مصرع میں ''اب'' غلط ہے ، یہاں ''رب'' ہونا چاہیے ۔

(۲) اسی مقام پر تین شعروں کے بعد جو نثر شروع ہوتی ہے اس

کا ایک جملہ یوں لکھا ہے :

''ہائے یہ ستم ، یہ غربت اور اس پہ یہ تنگدستی کہ بچہ کو دودھ نہ ملنا ۔''

''دودھ نہ ملنا ''کو بدل کر ''دودھ نہ ملا'' کیا گیا ۔ اس کے علاوہ کتابت میں بھی تین جزوی تبدیلیاں یوں کی گئیں : ''پہ'' کو ''پر'' ، ''تنگدستی'' کو ''تنگ دستی'' اور ''بچہ'' کو ''بچے'' ۔

(۳) پہلے باب کے دوسرے پردے کا پہلا گانا خوش بخت گاتا ہے ۔ اس گانے کے ابتدائی بول متن میں اس طرح لکھے ہوئے ہیں :

آئے پرندے سنائے مست صدا
جھوم جھوم ساتھ ساتھ آئے

تصحیح کے بعد اس نے یہ صورت اختیار کی :

آئے پرندے سناتے مست صدا
جھوم جھوم بادل ساتھ آئے

(۴) پہلے باب کے تیسرے پردے کے نصف حصے کے بعد مشرف اور خوش بخت کے مکالمے میں خوش بخت کی زبان سے کہلوایا گیا ہے :

عین رستے میں پڑا ڈاک پہ ڈاکہ صاحب
وقت تھا حج کا تھا نور کا تڑکا صاحب

ظاہر ہے کہ یہاں ''حج'' کا کوئی محل نہیں ۔ اسے بدل کر ''صبح'' کیا گیا ۔

(۵) پہلے باب کے پانچویں پردے کے شروع میں دل شیر ، بیدل سے گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے :

رہوں گا ہمیشہ کو قادر بنا
مرا وہ تو مطلب پھر میرا بنا

دوسرے ٹکڑے میں "قادر" کے ہم قافیہ لفظ "پھر" کی جگہ بدلی گئی اور "میرا" کو "مرا" کرکے جملے کو یہ صورت دی گئی :

مرا وہ تو مطلب مرا پھر بنا

(٦) پہلے باب کے چھٹے پردے میں ایک جگہ خوش بخت ، ریحان سے کہتا ہے :

نہیں ، وقت تمھاری مہربانی درکار ہے

سیاق کو دیکھتے ہوئے "وقت" کی جگہ "فقط" کیا گیا ۔

(۷) پہلے باب کے ساتویں پردے میں ریحان ، علامہ اور بہرام کو مخاطب کرکے کہتی ہے :

"خدا سے ڈرو ، ہرگز بری نیت نہ کرو ، بارہ گناہ سر پر نہ دھرو"

"بارہ گناہ" کو بدل کر "بارِ گناہ" کیا گیا ۔

(۸) دوسرے باب کے پہلے پردے میں دل شیر ، ریحان سے کہتا ہے :

تو اگر بیمار اس کی ہو ، قضا آئے تیری
اس کے جیسے سوداگر مر جائیں جوتی سے میری

پہلے تو 'تیری' اور 'میری' کو 'تری' اور 'مری' کیا گیا ۔ اس کے بعد دوسرے مصرعے میں ''سوداگر مر جائیں'' کی جگہ ''ستّو اگر مر جائیں'' کر دیا گیا ۔

(۹) تیسرے باب کے تیسرے پردے میں امانت اور بیدل کی گفتگو کے دوران میں بیدل اپنی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے :

''میں گھرانے کا اعلیٰ ، نصیبے والا ، مجھ میں نرالا ، 'بوجھ میں بالا ہوں ۔''

'مجھ' کو بدیہی طور پر غلط سمجھ کر اس جگہ 'سمجھ' کر دیا گیا ۔

غلطیوں کی ایک دوسری قسم ناموزوں مصرعوں کی صورت میں سامنے آتی ہے ۔ کوشش کی گئی ہے کہ کم سے کم تبدیلی کر کے مصرعوں کو موزوں کیا جائے ۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے :

(۱) پہلے باب کے چھٹے پردے میں ایک جگہ خوش بخت ، ریحان کے سوال کے جواب میں کہتا ہے :

ہوں اک مسافر ، آیا ہوں تھکا ماندہ
چل چل کے تھکا ہارا ، بیزار ہوا ، ماندہ

بحر میں لانے کے لیے پہلے مصرعے کے پہلے ٹکڑے کو یوں بدلا گیا ''ہوں ایک مسافر میں''۔

(۲) تیسرے باب کے دوسرے پردے میں خوش بخت ، دل‌آرام سے

کہتی ہے :

کیا تمنے کیوں جی میرے ساتھ کیا
کر دیا وہ بے وفائی ذرا
ہوئی ایک لٹیرے کی تم آشنا
ہم ایسے رسیوں سے کرکے دغا

پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں "تمنے" کو "تم نے" اور دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں "ہوئی" کو "ہوئیں" اور "ایک" کو "اک" تو بلا تامل کر دیا گیا ، لیکن اس کے بعد بھی دو باتیں رہ گئیں ۔ پہلے شعر کا دوسرا مصرع مہمل ہے ۔ دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں 'رسیوں' کا بھی یہی حال ہے ۔ پہلے 'رسیوں' پر غور کیا ۔ ظاہر ہے 'رسیوں' تو ہرگز نہیں ہو سکتا ۔ ممکن ہے 'رسیوں' (رسیا کی جمع) ہو ، لیکن اس طرح نہ مصرع موزوں ہوتا ہے اور نہ مفہوم میں کوئی لطف پیدا ہوتا ہے ۔ آخر ذہن میں یہ آیا کہ یہ لفظ 'رئیسوں' ہوگا ۔ اس لفظ سے مصرع بھی موزوں ہو گیا اور مفہوم بھی واضح ہو گیا ۔ اب پہلے شعر کے دوسرے مصرعے کی تصحیح کی فکر ہوئی ۔ لفظوں کو گھٹاتے بڑھاتے اور ان میں اُلٹ پھیر کرتے کرتے جو صورت پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ 'کر دیا' میں 'کرد' تو 'کرو' ہے ۔ 'یا' اُس سے الگ ہے اور یہ 'یا' نہیں 'یاد' ہے ۔ چنانچہ مصرعے نے یہ شکل اختیار کی :

کرو یاد وہ بے وفائی ذرا

یہ صورت میرے لیے اطمینان کی بھی تھی اور خوشی کی بھی۔
قیاسی تصحیح کی یہ داستان میں نے اس لیے سنائی کہ قارئین
اندازہ کر سکیں کہ میں نے قیاس کو بے زمام کبھی نہیں چھوڑا
اس لیے کہ رفتار کی سستی اور اس کی وجہ سے منزل مقصود تک پہنچنے
میں تاخیر، بہر صورت گم راہی سے بہتر ہے۔

"نگاہِ غفلت" پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے اصلاحِ متن
کے ضمن میں زبان و بیان اور قواعد و انشا کی بعض ایسی غلطیوں
کا ذکر کیا تھا، جن کی تصحیح میں نے ضروری نہیں سمجھی۔
اپنے اس فیصلے کی وجہ بھی بتائی تھی اور کہا تھا کہ ان غلطیوں
کا ذمہ دار طالب کی بجائے نظام کی اس بے قاعدگی اور افراتفری کو
سمجھنا چاہیے جو ہمارے قدیم ڈراموں کے متنوں کی ترتیب اور طباعت
میں عرصے تک موجود رہی۔ "دلیر دل شیر" کے مطالعے سے ظاہر
ہوتا ہے کہ زبان و بیان اور قواعد و انشا کی اس طرح کی غلطیاں
جیسی "نگاہِ غفلت" میں تھیں، اس متن میں کم ہیں۔ اس کی وجہ
بظاہر یہی ہے کہ یہاں طالب کا متن کتابت و طباعت کی اس دستبرد
سے محفوظ رہا جس کی طرف بار بار اشارہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے
اس بحث سے قطع نظر میں زبان و بیان کی بعض ایسی باتوں کا ذکر
کرنا چاہتا ہوں، جنھیں طالب کے اسلوبِ نگارش کی خصوصیات
سمجھنا چاہیے۔ یہ خصوصیات جس طرح اُن کے دوسرے ڈراموں
(خصوصیت سے "نگاہِ غفلت" میں) ملتی ہیں اسی طرح یہاں بھی
موجود ہیں۔

ان خصوصیتوں میں سے ایک یہ ہے کہ طالب کو محاورے اور

کہاوتیں استعمال کرنے کا بہت شوق ہے اور اس شوق کا اظہار 'دلیر دل شیر' میں بھی ہوتا ہے ۔ اس خیال کی وضاحت کے لیے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

باب پہلا ، پردہ پانچواں :

(۱) ہوا باندھنے میں ہے تو بے مثال ۔
(۲) رنگ دکھانے کی خوب ، ہے یہ گلابی شراب ۔
(۳) چڑھ گئی شراب ؟
(۴) اور تھوڑی پی ، ہو ٹھکانے جی ۔
(۵) کام کا نہ کاج کا ، دو سیر اناج کا ۔
(۶) تو چور تو میں گٹھ کٹا ۔
(۷) لڑتوں کے پیچھے اور بھاگتوں کے آگے ۔
(۸) جو تو روٹھا تو میں بھی چھوٹا ، مگر یاد رکھنا تیرا بھی نصیب پھوٹا ۔
(۹) چونی بھی کہے کہ مجھے گھی سے کھاؤ ۔
(۱۰) میں ہیچ کارہ ہوں ، آوارہ یا وحشت کا مارا ہوں ، مگر قسمت کا دھنی ، نصیب کا کرارا ہوں ۔
(۱۱) جس دن تو نے مجھے چھوڑا ، مال دولت نے بھی تجھ سے منہ موڑا ۔
(۱۲) آج کل تو ہے اکثر جان اپنی سولی پر ۔
(۱۳) خالی ہے میدان ، ہاں کوئی نہیں ۔

(۱۴) بنی جان پر کیسی ، لاحول میرے -

(۱۵) یہ سویا ہوا فتنہ پھر کیسے جاگا ؟

باب دوسرا ، پردہ دوسرا :

(۱) ہے کوئی سونے کی چڑیا یہ ، پھنسانا چاہیے -

(۲) میں جانتا تو خاک کیوں چھانتا -

(۳) پیر کی گت مجاور جانے ، چور کی نس چور پہچانے -

(۴) میں نے پہلے ہی بھانپا تھا کہ شیر کی کھال میں کوئی بھیڑیا ہے -

(۵) چور کی داڑھی میں تنکا ، اب اس کا سر الٹے استرے سے مونڈوں تب تو میں سہی چور کا بھائی گٹھ کٹا -

(۶) آہا ! پو بارے ہیں -

(۷) منہ کالا ، بخت اجالا -

(۸) پہلے ذرا اپنا منہ دھو آئیے -

(۹) اب جو تو نے دانت نکالے تو میں جوتے سے بات کروں گا -

(۱۰) جیب میں نہیں چکنی ڈلی ، چھیلا پھرے گلی گلی -

(۱۱) وہی مثل : نکال پیسے ، نہیں چل تھانے -

(۱۲) ارے واہ رے البیلے نواب ، یہ منہ اور مسور کی دال ، دام دے یا کپڑے نکال -

ڈرامے کے دو منظروں میں استعمال ہونے والے ان جملوں کو دیکھ کر اندازہ کرنا آسان ہے کہ طالب کو محاورے اور کہاوتیں

استعمال کرنے کا کتنا شوق ہے اور وہ انھیں کس طرح بے تکلفی اور بے ساختگی سے صرف کرنے پر قادر ہیں ۔ ڈرامے کے دوسرے مناظر میں بھی یہی صورت ہے ۔

زبان و بیان کے سلسلے میں طالب کے اندازِ نگارش کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہندی کے آسان لفظوں اور فارسی اور عربی کے نسبتاً مشکل لفظوں کی بے تکلف آمیزش سے گانوں اور مکالموں میں لطف پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش میں انھیں کامیابی بھی ہوتی ہے ۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے :

پہلا باب ، پہلا پردہ :

گانا دل شیر :

کروں کیا اے داتا ، تیرا ہی آسرا ، تو مولا والی میرا
جان پران کو دے دوں اب میں ، نہیں دم بھر چین ہے مجھ کو
ناہیں میرا کوئی تیرے سوا ، نثار تجھ پر ہے میری جان
نِس دن ، پل چھن —— والی ہے تو میرا

مکالمہ بہرام :

(۱) مرد کو چاہیے کہ جو مصیبت آوے آسے ہر طرح سہارے ، ہرگز گریز نہ کرے ۔

(۲) پیسے ہی سے حرمت اس جہاں میں
پیسے کی ہے چاہت اس جہاں میں

(۳) پیسے ہی کے سب نقش و نگین ہیں
پیسہ نہ ہو تو پھر کوڑی کے تین تین ہیں

پہلا باب ، دوسرا پردہ :

گانا خوش بخت :

آئے پرندے سناتے مست صدا ، جھوم جھوم بادل ساتھ آئے
کِھلے پھول جات جات ، کیسے لعل ہیرے مات
آئی رس بھری پربھات ، جات رات
جاجم لاثانی ، سبزے بچھائے دھانی
گاتے طیور سب مل کے ، کھل کھل کے ترانے سہانے حقانی
چاند کی صاف ، روپہلی ، نورانی چادر تانی
بادِ بہار لہکاتی دہکاتی گلوں کی پیشانی

ہندی ، فارسی اور عربی کا یہ خوش آہنگ امتزاج جو ڈرامے کے ہر حصے میں ملتا ہے ، مکالموں میں نسبتاً کم ہے ، لیکن گیتوں میں تقریباً ہر جگہ ہے ۔ مکالموں کی زبان موقع محل کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے ۔ کہیں تو اس کی وہی صورت ہے جو اوپر کی دو تین مثالوں میں اور کہیں اس کے بجائے بڑی شستہ اور بعض اوقات پُرتکلف اردو استعمال کی گئی ہے ، یہاں تک کہ عبارت کو شستہ اور پُرتکلف بنانے کی یہ کوشش مشکل پسندی کی حد میں داخل ہو گئی ہے ۔ صرف چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں :

"واقعی یہ غم ناپذیر ہے ، جس کا اٹھانا محال از محال ہے ۔"

"اس کام کی بدولت سینکڑوں امیر ہیں ، شاد غنی ، اہلِ سریر ہیں ۔"

یہ دونوں ٹکڑے مکالموں سے لیے گئے ہیں ، لیکن اس طرح کی مثالیں ڈرامے میں زیادہ نہیں ملیں گی ۔ مکالمے زیادہ تر ایسے ہی ہیں جن میں یا تو صاف ستھری اردو ہے اور یا ہندی اور غیر ہندی لفظوں کا خوش آہنگ ملاپ ۔

ذکر امتزاج اور ملاپ کا آتا ہے تو ذہن فوراً نثر اور نظم کے اس امتزاج کی طرف منتقل ہوتا ہے جو بڑی متوازن ، متنوع اور خوش گوار صورت میں اس پورے ڈرامے میں موجود ہے ۔ لیکن اس امتزاج کے ذکر سے پہلے اس دور کے ڈراموں کی ایک عام خصوصیت اور رجحان کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔

انیسویں صدی کے ختم ہونے سے پندرہ بیس سال پہلے تک ہماری پوری ڈراماٹی روایت پر ''اندر سبھا'' کا بہت گہرا اثر نظر آتا ہے ۔ یہ اثر اول تو ان منظوم ڈراموں کی شکل میں ظاہر ہوا جو اس دور میں ناٹک اور اوپیرا کے نام سے لکھے گئے ۔ ان ڈراموں میں لکھنے والے روایت اور مکالمے کی ترتیب میں صرف نظم سے کام لیتے ہیں ۔ ان ڈراموں سے الگ وہ ڈرامے ہیں جن میں گو مکالموں میں نثر استعمال کی گئی ہے لیکن ڈرامے کی دلچسپی کا انحصار زیادہ تر گانوں ہی پر ہے ۔ ان ڈراموں کے نثری مکالموں میں بھی عموماً قافیے کے بغیر قدم نہیں اٹھایا گیا ۔ لیکن نظم پسندی کے اس دور میں بھی بعض لکھنے والے ایسے ہیں جو ڈراموں میں نظم کے اس غلبے کو کم کر رہے ہیں ۔ لیکن چونکہ انھیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اس عہد کے عام تماشائی کے ذوق کی تسکین گیتوں ہی سے ہوتی ہے اس لیے وہ گیتوں کی کمی کی تلافی ایسے طریقوں سے کرنا چاہتے ہیں جو تماشائی

کے لیے دلچسپی کا باعث بن سکیں ۔ ڈراموں میں دلچسپی پیدا کرنے کے جو مختلف طریقے ڈرامہ نگاروں نے استعمال کیے اُن میں بڑا تنوع ہے ۔ تنوع پیدا کرنے کی اس کوشش کا یہ پہلو سب میں مشترک ہے کہ سب نثر اور نظم کے درمیان ایک قابلِ قبول امتزاج پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ البتہ امتزاج کی اس کوشش نے جو صورتیں اختیار کی ہیں اُن میں ہر ڈرامہ نگار کا انداز مختلف ہے ۔ اس اعتبار سے 'دلیر دل شیر' کا تجزیہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ طالب کو واضح طور پر یہ احساس ہے کہ اُنھیں ڈرامے کے مکالموں کو آہستہ آہستہ ایسی نثر کی طرف لانا ہے جو عام بول چال میں استعمال ہوتی ہے ، اور اس احساس کو اُنھوں نے بڑی چابک دستی سے عملی صورت دی ہے ۔ یہ تجزیہ چار صورتیں ہمارے سامنے لاتا ہے :

(۱) ایک صورت تو یہ ہے کہ منظر کا آغاز اشعار سے ہوتا ہے ، اس کے بعد نثر آتی ہے اور پھر گانا ۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ منظر شروع نثر سے ہو ، اور منظر کا باقی حصہ نظم میں ہو ، نظم خواہ تحت اللفظ کی شکل میں ہو یا گانوں کی شکل میں ۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ پورا منظر شروع سے آخر تک نظم میں ہو ۔

(۴) اور چوتھی صورت یہ ہے کہ منظر میں نظم برائے نام ہو اور نثر زیادہ ۔ ان چاروں صورتوں سے ہم امتزاج کا تدریجی نقشہ بنانا چاہیں تو اس کی شکل یہ ہوگی ۔

پورا منظر نظم میں—منظر میں زیادہ حصہ نظم کا اور کم حصہ نثر کا

—منظر میں نثر اور نظم دونوں کا توازن یکساں—اور بالآخر منظر میں نثر زیادہ اور نظم بہت کم ۔

اس نقشے کے مطابق دیکھیں تو پہلے باب کا تیسرا منظر پورے کا پورا نظم میں ہے ۔ منظر خاصا لمبا ہے ۔ اس میں کرداروں نے سات گانے گائے ہیں ، لیکن گانے کے علاوہ اُنھوں نے گفتگو بھی کی ہے اور اس گفتگو کی طوالت گانوں کی طوالت کے مقابلے میں دگنی ہے ۔ لیکن لطف یہ ہے کہ منظر کے سب مکالمے شعروں کی شکل میں ہیں ۔ پہلے باب کے ساتویں منظر میں نظم زیادہ ہے اور نثر بالکل تھوڑی سی ۔ ڈرامے کے کئی منظر ایسے ہیں جن میں نثر اور نظم کا توازن کم و بیش یکساں ہے اور بالآخر پہلے باب کا پانچواں منظر ایسا ہے جس میں نثر ، نظم کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے ۔

نثر اور نظم کے اس امتزاج کا تجزیہ کرتے وقت جو بات خاص طور پر سامنے آتی ہے ، یہ ہے کہ مکالموں میں اشعار اور مصرعے بہت زیادہ استعمال کیے گئے ہیں ، لیکن مکالموں میں مصرعوں اور شعروں کے استعمال میں طرح طرح کی جدّتوں سے کام لیا گیا ہے ۔ ان جدّتوں کا تھوڑا سا ذکر 'نگاہ غفلت' کے مکالوں کی تفصیل بیان کرتے وقت آ چکا ہے ، لیکن 'دلیر دل شیر' میں یہ جدّتیں اور بھی نئے رنگوں میں جلوہ گر نظر آتی ہیں ۔ ان جدّتوں کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دوں کہ اس ڈرامے کے مکالموں میں سے بہت سے تو ایسے ہیں جن میں قافیے کی قید نہیں ، لیکن خاصی تعداد ایسے مکالموں کی بھی ہے جن میں قافیے کا التزام ہے ۔ یہ التزام بعض جگہ تو لطف دیتا ہے ، لیکن اس سے طرح طرح کی خرابیاں

بھی پیدا ہوتی ہیں مثلاً کہیں جملہ ادھورا رہ جاتا ہے ، کہیں محاورے کی صورت مسخ ہو جاتی ہے ، کہیں قواعد کے کسی اصول کی نفی ہوتی ہے اور کہیں مکالمے میں مکالمے کی سی روانی قائم نہیں رہتی ۔ لیکن غنیمت ہے کہ ایسے موقعے بہت زیادہ نہیں ہیں اور اُن جدّتوں کے مقابلے میں جن کا ذکر میں کر رہا ہوں ، ذہن ان معمولی فروگزاشتوں کا زیادہ اثر قبول نہیں کرتا ۔

''دلیر دل شیر'' میں مکالموں کی ایک صورت تو یہ ہے کہ دو کردار باتیں کرتے ہیں تو لمبے لمبے جملے بولنے کے بجائے چھوٹے یا ادھورے چند لفظی فقرے استعمال کرتے ہیں ، مثلاً ذیل کی دو مثالیں دیکھیے جن میں سے ایک میں قافیے کا التزام ہے اور دوسری میں نہیں ہے :

(۱) دل شیر : کیا ہوا ارے ؟
بیدل : آہ رے مرے ۔
دل شیر : حالت تو کہو ۔
بیدل : کیا کہوں ۔
دل شیر : کچھ تو دے جواب ۔
بیدل : چڑھ گئی شراب ۔
دل شیر : کر نہ اضطراب ۔
بیدل : پیٹھ میری داب (باب پہلا ، پردہ پانچواں)

(۲) بہرام : تیار ہے ؟

دل شیر : بالکل تیار ، مگر ہم دو ؟

بہرام : نہیں میرا ایک اور ساتھی

دل شیر : وہ کون ہے ؟ اُس کا نام ؟

بہرام : بڑا ، جری ، بے دل

دل شیر : مگر اُس کی لڑکی کے واسطے ؟

بہرام : میں اس کو اپنے پاس رکھوں گا اور اپنے لڑکوں کی طرح پالوں گا ۔

دل شیر : مگر !

بہرام : مگر کیا ؟

دل شیر : کچھ نہیں ۔ (باب پہلا ، پردہ پہلا)

ایسے مکالموں کی خوبی یہ ہے کہ جتنی تیزی سے بولے جائیں اُتنا ہی زیادہ لطف دیں گے ۔

'دلیر دل شیر' میں دوسری طرح کے مکالمے وہ ہیں جن میں ساری بات شعروں میں ہوتی ہے ۔ سوال جواب اور جواب الجواب سب میں مسلسل شعر آتے چلے جاتے ہیں اور روانی میں ذرا بھی فرق نہیں آتا ۔ پھر شعری مکالموں میں کہیں کہیں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کردار اپنی بات ایک شعر میں کہنے کے بجائے دو تین شعروں میں کہتا ہے اور جواب دینے والا کردار بھی اپنی بات دو تین شعروں میں پوری کرتا ہے ۔ اس طرح کے مکالمے بھی ڈرامے میں کئی جگہ ہیں اور اُن میں وہی روانی ہے جو یک شعری مکالموں میں ۔ مکالموں

کی ایک اور صورت وہ ہے جہاں شعر نہیں بلکہ مصرعے استعمال کیے گئے ہیں ۔ مکالموں میں مصرعے استعمال کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک کردار ایک مصرع میں اپنی بات کہتا ہے اور جواب دینے والا کردار مصرعے ہی میں اس کا جواب دیتا ہے ۔ لیکن مکالموں میں مصرعوں سے کام لیتے وقت طالب نے طرح طرح کی جدّتیں دکھائی ہیں اور ہر جدّت طالب کی قدرتِ کلام اور انہاکِ فن کی مظہر ہے ۔ ان جدّتوں کی تفصیل بڑی دلچسپ ہے ۔

(۱) اس جدّت طرازی کی ایک شکل یہ ہے کہ مصرع دو آدمیوں کی باتوں سے پورا ہوتا ہے ۔ اس طرح کے مکالموں کی مثالیں ڈرامے میں خاصی زیادہ ہیں ۔ یہ جدّت سننے اور پڑھنے والے کے ذہن پر کیا اثر ڈالتی ہے ، اس کے اندازے کے لیے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے :

مشرّف : کہاں ہے ؟ کدھر ؟ چور ، جلدی بتا

اختر : اسی کوٹھڑی میں ہے موذی چھپا

نورجہاں : اکیلے میاں ، جاؤ ہرگز نہ تم

مشرّف : ٹھہر جاؤ ، گھبراؤ دلبر نہ تم

نورجہاں : (نوکر سے) تو جا دیکھ

نوکر : ہاں میں چلا بے درنگ

مشرّف : چلوں میں بھی ؟

نورجہاں : نا ، تم رہو میرے سنگ (پہلا باب ، پردہ تیسرا)

(۲) جدّت طرازی کا یہ رنگ اُس جگہ اور نکھرتا ہے جہاں مصرع دو میں نہیں ، بلکہ تین ٹکڑوں میں پورا ہوتا ہے ۔ مثلاً :

مشرّف : غیر ہے کیوں حال ؟ چہرہ آپ کا کیوں زرد ہے ؟

بیدل : جی نہیں کچھ ،

مشرّف : کہیے صاحب !

دل شیر : پیٹ میں کچھ درد ہے (باب پہلا ، پردہ تیسرا)

بیدل : سچ ہے

امانت : بندہ ایک سوداگر ہے عالیشان

بیدل : ہاں

امانت : لیجیے میرا پتا اس پر لکھا ہے سب عیاں

(باب دوسرا ، پردہ دوسرا)

(۳) جدّت کی ایک اور صورت یہ ہے کہ ڈیڑھ مصرع ایک جگہ آتا ہے اور آدھا مصرع اُس کے بعد ۔ مثلاً :

بہرام : کون ہو صاحب ؟ کہاں سے آپ کا آنا ہوا ؟

خوش بخت : ہوں مسافر ، راہ میں بیمار ، اے دانا ! ہوا

علامہ : رہ جائیے

بہرام : مکان تمھارا ہے

خوش بخت : بندگی

بہرام : اِکمرہ سجا ہے ، فرش تکلف سے لاجواب ــ چلیے اب اندر آئیے

خوش بخت : احسان ہے جناب ! (باب پہلا ، پردہ ساتواں)

اوپر کی مثال میں تین چیزوں کو ملا کر ایک نیا تجربہ کیا گیا ہے ۔ پہلے دو پورے مصرعے ، پھر تین ٹکڑوں میں ایک مصرع ، اس کے بعد ڈیڑھ اور آدھے کے میل سے ایک شعر۔

(۴) اسی سے ملتا جلتا ایک تجربہ وہ ہے جہاں شعر کو پون اور سوا کے ٹکڑوں میں تقسیم کیا گیا ہے ، مثلاً :

دل شیر : مجھ سے بھی احسان اس کا ہے زیادہ

ریحان : ہو نہ ہو—لیکن اس بیاری میں چھوڑوں آسے کیونکر کہو (باب دوسرا ، پردہ پہلا)

(۵) ایک اور دلچسپ تجربہ اس طرح کیا گیا ہے کہ ایک کردار دو سوال کرتا ہے ، دوسرا کردار ہکلا کر سوالوں کا جواب دیتا ہے اور اس طرح مصرع پورا ہوتا ہے :

نورجہاں : کیا چور ؟ کس جگہ ؟

اختر : م م ماما ، مکان میں

نورجہاں : جاتی کہاں ہے ؟ جان نہیں میری جان میں

(باب پہلا ، پردہ تیسرا)

مکالموں میں طرح طرح کی جدّتیں پیدا کر کے طالب نے تماشائیوں کے ذوقِ تماشا کو تسکین دینے کی جو کوشش کی ہے اس کا اظہار دو اور طریقوں سے بھی ہوتا ہے ۔ ایک یہ کہ کرداروں کی گفتگو مکالموں کے بجائے گانوں کی شکل اختیار کرتی ہے اور دوسرے

یہ کہ مکالموں میں اور گانوں میں بحریں برابر بدلتی رہتی ہیں - بحر چھوٹی ہو یا بڑی اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ چلتی ہوئی مترنم بحر ہوتی ہے -

گانے دو طرح کے ہیں : ایک غزلیں ، دوسرے چلتی ہوئی دھنوں میں ہلکے پھلکے گانے - جنھیں میں ہلکے پھلکے گانے کہہ رہا ہوں ، وہ زیادہ تر ٹھمریاں ہیں اور ان کی زبان میں ہندی اور عربی فارسی کے لفظوں کا بڑا خوش آہنگ امتزاج ہے - غزلوں اور گانوں کے ساتھ اکثر جگہ دھنوں اور راگنیوں کے اشارے موجود ہیں - اشاروں کی نوعیت میں بہت زیادہ تنوع ہے ، مثلاً گانوں کے ساتھ پورے ڈرامے میں جو اشارے دیے گئے ہیں وہ یہ ہیں : مالکوس ، تین تال - ٹھمری ، تین تال - ملتانی دھرپد - بلاول ، ٹھمری - ضلع ، ٹھمری - بہاگ ، ٹھمری - سندھ بھیرویں ، لاؤنی - کلیان ، لاؤنی - ضلع ، لاؤنی - بھیرویں ، ترانہ - کھاچ ، ترانہ - کلیان ، ترانہ - دیس ، ٹھمری - کھاچ ، ٹھمری - تلنگ ، ٹھمری - سورٹھ ، ٹھمری - پیلو ، ٹھمری - پہاڑی ، ترانہ - ماروا ، ٹھمری - جھنجھوٹی ، لاؤنی - کالنگڑا ، لاؤنی -

غزلوں کے ساتھ ، جو ڈرامے میں صرف چار ہیں اور دوسرے گانوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں ، دھنوں اور راگنیوں کے اشاروں کی تفصیل یہ ہے : کافی ، غزل - ضلع ، غزل - بھیرویں ، غزل - آسا ، غزل - ان کے علاوہ چھ گانے انگریزی طرزوں میں ہیں اور ان سب کے انگریزی بول دیے گئے ہیں -

ان تفصیلات سے ظاہر ہے کہ طالب نے ڈرامے کو دوسرے طریقوں سے دلچسپ بنانے کی کوشش کے علاوہ یہ بات بھی پیشِ نظر

رکھی کہ گانوں سے اس دور کے تماشائی کو جو غیر معمولی دلچسپی ہے اُس کی تسکین کا بھی پورا اہتام کیا جائے - ذوق کی تسکین کے جو طریقے اُنھوں نے اختیار کیے ہیں اُن میں تنوع پیدا کرنے کی طرف پوری توجہ کی گئی ہے -

غزلوں میں کوئی خاص بات نہیں - غزل کے سیدھے سادھے مضامین ہیں ، جو کہیں کہیں اچھے انداز میں نظم ہوئے ہیں - چاروں غزلوں میں سے یہ غزل سب سے اچھی ہے - چار شعر کی اس غزل کے تین شعر یہ ہے :

کیا ناز ترا اے بتِ طنّاز غضب ہے
گر ناز قیامت ہے تو انداز غضب ہے
کیا کاٹ ہے اللہ رے اُس تیغِ نظر کی
اُس پر لبِ میگوں کا بھی اعجاز غضب ہے
دل لینے میں گر تجھ کو ہے یکتائی کا دعویٰ
جی کھونے میں بھی طالبِ جاں باز غضب ہے

غزل میں کہیں کہیں اُن کی مشکل پسندی بھی اپنا رنگ دکھاتی ہے :

کار ہے پھرنا ہی میرا ہر گھڑی پرکار سا
چوں دماغِ صاحبِ دورانِ سر گردش میں ہوں

دوسرے مصرعے میں ''چوں دماغِ صاحبِ دوران سر'' کی ترکیب کے علاوہ پہلے مصرعے میں ''کار'' اور ''پرکار سا'' میں خاصا تکلّف اور تصنّع ہے - لیکن ایک بات جو چاروں غزلوں میں مشترک ہے ، وہ

اُن کی چلتی ہوئی مترنم زمینیں ہیں۔

ڈرامے میں دو پہلو اور ایسے ہیں جنھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈراما نگار اپنے تماشائیوں کو متوجہ رکھنے کے لیے کیا کیا صورتیں پیدا کرتا ہے — ان دو پہلوؤں میں ایک ڈرامے کا مزاحیہ عنصر ہے اور دوسرا اصلاحی۔ ڈرامے کے دو کردار — ہرکارہ اور خوش بخت — جس منظر میں سامنے آتے ہیں اُن کی گفتگو اور اُن کی حرکات و سکنات سے تماشائیوں کے لیے ہنسنے ہنسانے کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ کردار جو مکالمے بولتے ہیں اُنھیں پڑھتے وقت محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والا قلم برداشتہ لکھتا چلا گیا ہے۔ اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ جابجا یہ مکالمے ڈھیلے ڈھالے اور پُھس پُھسے ہیں۔ لیکن ایسے موقعے بھی خاصے ہیں جہاں ان میں برجستگی و بے ساختگی ہے اور یقیناً لطف دیتی ہے۔

اصلاحی پہلو بھی غالباً ڈرامے میں اسی لیے لایا گیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں قصے کہانی اور اخلاق درس میں لازم و ملزوم کا رشتہ سمجھا جاتا ہے۔ اخلاق درس کی نوعیت خواہ محض رسمی ہی کیوں نہ ہو، اُس کا قصے میں ہونا ضروری سا ہے۔ یہ بات ڈراما نگاروں کے ذہن میں بھی ہوتی ہے، لیکن انیسویں صدی کے آخر میں ڈراما لکھنے والے سے ہم یہ توقع کریں کہ وہ اپنے عہد کے کسی مخصوص معاشرتی مسئلے کو اپنا موضوع بنائے گا تو ہمیں عموماً مایوسی ہی ہوگی۔ ڈراموں میں عموماً صرف ایسی اخلاق قدروں پر زور دیا جاتا ہے جو کسی خاص زمانے اور کسی خاص وقت سے مخصوص نہیں ہیں۔ بدی کو ترک کرنے اور نیکی کو اختیار کرنے کا سبق، بہادر اور

با ہمت بننے کا سبق ، صبر و تحمّل سے کام لینے کا سبق ، غرض اسی طرح کی یا ان سے ملتی جلتی چند چیزیں ہیں جن کا ذکر ڈراموں میں آتا ہے ۔ اس ڈرامے میں بھی ضمناً اسی طرح کی چند باتیں آئی ہیں :
''خدا سے ڈرو ، ہرگز بری نیّت نہ کرو اور بارِ گنہ سر پر نہ دھرو ۔''
''مرنا شرع میں حرام ہے ، مردوں کو ایسا کام نہ کرنا چاہیے ۔''
''جو کام ہوتا ہے صبر سے اور متحمّل مزاجی سے ہوتا ہے ۔'' ''آدمی اپنے وطن سے جو سفر کرتا ہے ، قدر حاصل وہ سدا مثلِ گُہر کرتا ہے ۔'' یہ سب نصیحت آمیز باتیں بڑے سرسری انداز میں کہی گئی ہیں ۔ ان میں احساس کی گرمی نام کو بھی نہیں ۔ یہاں تک کہ ایک جگہ ساہوکاری کے خلاف بہت زور لگا کر یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ ساہوکار بن کر جو ناموری حاصل ہو اُس کے مقابلے میں مرنا بدرجہا بہتر ہے ۔ لیکن اس زوردار بات میں بھی کوئی اثر نہیں ، اس لیے کہ یہ بات بھی دوسری باتوں کی طرح محض تماشائی کی وقتی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کہی گئی ہے ۔ لیکن اس پہلو سے قطع نظر ہم 'دلیر دل شیر' کا مطالعہ کریں تو اس میں ہمیں کئی چیزیں ایسی ملتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈرامے کا فن ''اندر سبھائی'' دور سے نکل کر آہستہ آہستہ اُس دور میں داخل ہو رہا ہے جس میں زندگی کے مسائل کو موضوع بنانے اور ان مسائل کو موثر فنی انداز میں پیش کرنے کی طرف توجہ ہوئی اور جن ڈراما نگاروں نے اس کام میں پہل کی ، طالب بلاشبہ اُن میں سے ایک ہیں ۔

وقار عظیم

ناٹک

دلیر دل شیر

عرف

قسمت کا ہیر پھیر

مصنّفہ

منشی ونایک پرشاد طالب

مطبع فیض عام لاہور میں طبع کرایا گیا

یہ 'دلیر دل شیر' مطبوعہ فیض عام پریس لاہور کے سرورق کی ترمیم شدہ عبارت ہے۔ اصل سرورق میں ایم۔ ایف۔ ہمدم کو اس ڈرامے کا مصنف ظاہر کیا گیا ہے جو درست نہیں۔ قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے اصل مصنف کی بجائے کسی دوسرے کے نام سے ڈرامے چھاپنے کی مثالیں اکثر ملتی ہیں۔

باب پہلا

پردہ پہلا

مکان

[دل شیر اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے - درخت کے پیچھے
ایک پنگوڑا لٹک رہا ہے جس کو کھینچتا جاتا ہے]

دل شیر : **گانا**[1]

کروں کیا میں اب اے کریم !
تو ہے میرا رب ، تو غفور الرحیم
میں تھا کون اب کیا ہو گیا
مری حالت پہ کر رحم تو اے کریم !
مرا والی تو ہر مصیبت میں ہے
تو ہی ہے حاجت روا اے رحیم !

ہائے مفلسی مفلسی ! تو نے آخر کہیں کا نہ رکھا -
ہائے معصومہ !

[لڑکی کو دیکھ کر]

معصوم ریحانہ تیرا کون والی ہوگا ؟ ہائے یہ ستم ! یہ
غربت اور اس پر یہ تنگ دستی کہ بچی کو دودھ نہ

۱- مالکوس ، تین تال

ملا ۔ ہائے پیاری تو نے کیسے وقت میں ساتھ چھوڑا ،
مجھ سے منہ موڑا ۔ مفلسی تو نے مجھ کو کیا برباد ہائے ،
مفلسی تو نے کیا مجھ کو فی النار ہائے ، ہوتا نہ خراب
میں جو ہوتی صحبت نہ بد ، ہوتی نہ مفلسی کرتا نہ
اگر خیال بد ۔ جوئے بازی نے کیا مجھ کو خراب ہائے ،
جوئے بازی نے کیا مجھ کو تباہ ہائے ۔

[اٹھ کر لڑکی کا منہ چومتا ہے]

ریحانہ بیٹی ، ریحانہ میری بچی ! ہائے تیرا چہرہ ہے کیا
بھولا بھالا ، قدرت تیری پہ جاؤں قربان باری تعالیٰ ۔

گانا[1]

کروں میں کیا اے دانا ، تیرا ہی آسرا ، تو مولا والی میرا۔کروں
جان پران کو دے دوں اب میں ، نہیں دم بھر چین ہے مجھ کو ،
ناہیں میرا کوئی تیرے سوا ، نثار تجھ پر ہے میری جان ،
نِس دن پل چھِن والی ہے تو میرا ـــ کروں

[بہرام آتا ہے]

بہرام : کیوں دل شیر ، دل شیری کدھر گئی ؟ وہ بھی اس مصیبت
میں آ کر اڑ گئی ۔ مرد کو چاہیے کہ دیکھ بھال کر ،
کام جو کرے اسے سوچ سمجھ کر ۔ مرد کو چاہیے کہ
جو مصیبت آوے اسے ہر طرح سہارے ، ہرگز گریز
نہ کرے ۔

۱۔ ٹھمری ، تین تال

دل شیر : بھائی کیا کروں ؟ اور کوئی مصیبت نہیں ؛ معصوم بچہ ہے ، دودھ سے تنگ ہے۔ جس کو آج آٹھ دن ہوئے کہ مصیبت سے پال رہا ہوں ۔

بہرام : واقعی یہ غم ناپذیر ہے ، جس کا اٹھانا محال از محال ہے۔ لیکن یہ دن کس طرح نکلیں گے ۔ کچھ کام کرو ، نیک انجام کرو۔ کیونکہ دنیا میں پیسے کی عزت ہے :

پیسے کی ہے عزّت اس جہان میں
بے پیسے ہے ذلّت اس جہان میں
پیسے ہی سے حرمت اس جہان میں
پیسے کی ہے چاہت اس جہان میں
پیسے ہی کے سب نقش و نگین ہیں
پیسہ نہ ہو تو پھر کوڑی کے تین تین ہیں

دل شیر : ہائے مفلسی نے کر دیا مجھ کو ناچار ہائے ، بے کسی سے ہوں میں لاچار ہائے ، تنگ دستی و بے کسی لاچاری میں ، مفلسی و بے بسی ، ناداری میں ، اس قدر بیزار ہوا ہوں جینے سے ، کہ مار ڈالوں اپنے آپ کو ایسے جینے سے ۔

بہرام : ہاں ہاں ! یہ کیا دل کو سوجھا ہے ، خود مرنا شرع میں حرام لکھا ہے ۔ مردوں کو ایسا کام نہ کرنا چاہیے۔ انسان کو چاہیے کہ ہمّت سے گریز نہ کرے :

بہر کارے کہ ہمّت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

جو کام ہوتا ہے ، صبر سے اور متحمّل مزاجی سے ہوتا
ہے کیونکہ ہم مرد ہیں ، مردوں کے واسطے مرنا بہادری
نہیں ۔ ہاں لڑ کے مرو ، کسی کو مار کے مرو ، پھر بہادری
ہے ۔ یہ بزدلانہ کام ہے ، ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو ۔

دل شیر : بھائی بہرام ! پھر کوئی تجویز تم ہی بتاؤ ۔

بہرام : مگر میرا کہنا مانو ، اگر مانو گے تو ہمیشہ تمھارا نام
دنیا میں مہرِ تاباں کی طرح چمکتا رہے گا ۔

دل شیر : وہ کیا کام ہے جس سے نام مشہور ہوتا ہے ؟

بہرام : ناموری کیا ؟ بلکہ یہ وہ کام ہے جس سے عمر بھر عیش
و آرام ہے ۔

دل شیر : پھر کہیے دل تڑپتا ہے ۔

بہرام : جو کچھ میرا دھندا ہے ، ساہوکاری ہے ۔

دل شیر : توبہ توبہ ، کبھی نہیں ! ایسا کام نہ کروں گا ۔

بہرام : اگر یہ نہ ہوگا تو دنیا میں نام نہ ہوگا ۔

دل شیر : اس سے ناموری ؟ اس سے تو مرنا بدرجہا بہتر ہے ۔

بہرام : ارے میاں مان جاؤ ، اس ہٹ سے باز آؤ ۔

دل شیر : نہیں ، کبھی نہ ہوگا ۔

بہرام : اس کام کی بدولت سینکڑوں امیر ہیں ۔ شاد ، غنی ، اہلِ سریر ہیں ۔

دل شیر : (خود سے) ہائے مفلسی ! مفلسی تو نے ناچار کر دیا ۔ ریحانہ ! ریحانہ ! مجھ کو تیرے واسطے یہ بھی کرنا ہے ، کیونکہ تیرا نانا مجھ سے بدظن ہے ۔ تیرے واسطے ، حاجی کا لباس کر کے تجھے لایا ، تیرا ولی بنا ، مگر ذلیل ہوا ، مفلسی نے تباہ کر دیا ۔ (بہرام سے) تو اس لڑکی کا کیا ہوگا ؟ میں اس کو کہاں رکھوں گا ؟

بہرام : تیار ہے ؟

دل شیر : بالکل تیار ، مگر ہم دو ؟

بہرام : نہیں ، میرا ایک اور ساتھی ۔

دل شیر : وہ کون ہے ؟ اس کا کیا نام ہے ؟

بہرام : بڑا جری ، بیدل ۔

دل شیر : تو اس لڑکی کے واسطے ؟

بہرام : میں اس کو اپنی عورت کے پاس ، جو سرائے کی پاسبانی کرتی ہے ، رکھوں گا اور اپنے لڑکوں کی طرح پالوں گا ۔

دل شیر : مگر ۔

بہرام : مگر کیا ؟

دل شیر : کچھ نہیں ۔

بہرام : نہیں تو کیا بات ہے ؟ فرمانا واجبات ہے -

دل شیر : بات (یہ) ہے کہ میری لڑکی کو اچھی طرح رکھیے -
اب چلنا چاہیے -

بہرام : ہاں بیشک ، اپنا کام کرنا چاہیے -

دل شیر : کمرِ ہمّت کو باندھنا چاہیے -

[دونوں جاتے ہیں]

باب پہلا

پردہ دوسرا

جنگل

[ہرکارہ ڈاک کا ، پان بناتا ہے ۔ خوش بخت وقتِ سحر
کی تعریف کرتا ہے]

خوش بخت : گانا[1]

آئے پرندے سناتے مست صدا
جھوم جھوم بادل ساتھ آئے
کھلے پھول جات جات ، کیے لعل ہیرے مات
آئی رس بھری پربھات ، جات رات—— آئے
جاجم لاثانی ، سبزے بچھائے دھانی
گاتے طیور سب مل کے، کھل کھل کے ترانے سہانے حقّانی
چاند کی صاف ، روپہلی نورانی چادر تانی
بادِ بہار لہکاتی دہکاتی گلوں کی پیشانی نورانی—— آئے

ہرکارہ : بنا پان ہے ، آئیے

خوش بخت : نہیں کھاؤ تم

۱۔ ملتانی ، دُھرپد

ہرکارہ : اور ہے

خوش بخت : لائیے -

[خوش بخت پان کھاتا ہے - ہرکارہ تمباکو ملتا ہے]

ہرکارہ : کوئی دم میں نکلے گا اب آفتاب
یہاں سے مناسب ہے چلنا شتاب

خوش بخت : یہ میدان سنسان ویران ہے
لٹیروں کا یاں خوف ہر آن ہے

ہرکارہ : چور ہو یا اُچکا ، بندہ کیسا ہے پکا ، جسے دوں ایک دھکا ، وہ یوں رہ جائے ہکا بکا - ڈرو مت کیا مجال ، کہاں چلے ، کہو احوال -

خوش بخت : ہمیں اورنگ آباد جانا ہے جلد
پتا اپنے والد کا لانا ہے جلد
کئی سال سے وہ گئے ہیں سفر
نہ آپ آئے اب تک ، نہ بھیجی خبر

ہرکارہ : چلو ڈاک لے جاؤں میں بھی شتاب
نہیں تو ملے نوکری سے جواب

[گھوڑے کی آواز آتی ہے]

چنو گھوڑا بھی ہنہنانے لگا
اُچھلنے لگا اُف تڑانے لگا

[یکا یک بندوق کی آواز آتی ہے ، دونوں گھبراتے ہیں - (دل شیر داخل ہوتا ہے)[1]]

١- اضافۂ مرتب -

خوش بخت : گانا[1]

بلا کا دھاکا کڑاکا ، سنا تھا کیا بخدا بھلا ــــ بلاکا
شاید اے یار لٹیرے آئے ، کیوں تم اس بن لائے لٹوائے
جی ہے ڈر سے میرا پارہ پارہ ــــ بلاکا
خیر مضطر نہ ہو زنہار ، نہیں گھبراؤ
کام ہمّت کا ذرا ساتھ مرے فرماؤ ــــ شاید

[خوش بخت مقابلہ کرنے پر تیار ہوتا ہے ، ہرکارہ روکتا ہے]

ہرکارہ :

کیا ہوگے مقابل ؟ ارے دیوانے ہوئے ہو
بھاگو ، نہیں مر جاؤ گے ، کیا جانے ہوئے ہو

[ہرکارہ ڈر کے مارے ڈاک کی تھیلی چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے ۔ دل شیر خوش بخت پر لپکتا ہے ۔ بیدل ایک ٹوکری لیے ہوئے آتا ہے ۔ خوش بخت ہتھیار پاس نہ ہونے سے حیران ہوتا ہے ۔ دل شیر پستول لیے خوش بخت کی چھاتی پر چڑھ بیٹھتا ہے]

دل شیر :

جو پاس ہو آہستہ سے رکھ دو ، چلے جاؤ
چوں بھی نہ کرو منہ سے ، نہ بولو ، چلے جاؤ
بس خیر اسی میں ہے ، ہمیں دو ، چلے جاؤ
جی لے کے مرے آگے سے بھاگو ، چلے جاؤ

۱۔ ترانہ

دل شیر ہوں ، عالم میں غضب ہوں میں بلا ہوں
تم نے بھی مرا نام سنا ہوگا کہ کیا ہوں

خوش بخت :

جو پاس ہمارے ہے وہ موجود یہاں ہے
میں ہوں کہ مرا تن ہے کہ پوشاک کہ جاں ہے

[دل شیر سونے کی زنجیر دیکھ کر]

دل شیر : پوشاک ہے ، سونے کی یہ زنجیر گھڑی ہے

[بیدل موتی کی لڑی دیکھ کر]

بیدل : وہ دیکھو گلے میں کسی موتی کی لڑی ہے

[دل شیر گھڑی ، زنجیر اور موتی کی لڑی اُتار
کر بیدل کو دیتا ہے اور کپڑے اُتارتا ہے]

دل شیر : (خوش بخت سے)

ہر چیز ترے پاس جو چھوٹی کہ بڑی ہے
دھر آگے مرے، جان کی گر تجھ کو پڑی ہے
ورنہ یہ سمجھ لے کہ قضا سر پہ کھڑی ہے

خوش بخت : للہ مرے کپڑے تو رہنے دو بدن پر
کچھ رحم کرو ، ایک مسافر کے سخن پر

دل شیر :

جاؤ چپکے سے ، کرو شکر کہ بچتی ہے جان
سمجھو اس وقت یہ تم عین ہمارا احسان

مال ہی لیتے ہیں ، پامال نہیں کرتے ہم
چھوڑ دیتے ہیں ، برا حال نہیں کرتے ہم

خوش بخت : پیرہن پگڑی مجھے بخشو ، کرو اتنا کرم

دل شیر : بھاگ یہاں سے

بیدل : ہاں ! نہیں تو

خوش بخت : ہائے ستم ! ہائے ستم !

[خوش بخت جاتا ہے]

دل شیر : (ڈاک کی تھیلی دیکھ کر بیدل سے)

ڈاک لے اے دوست ، یہ سب مال لے ، رکھ تو سنبھال
میں نکالوں اور کچھ نکلے جو اس تھیلی میں مال

بیدل :

خوب ، لیکن واسطے اللہ کے جلدی تو کر
ڈاک پہ ڈاکا پڑا ، ایسا نہ ہو تو پھنس کے مر

[گھڑی اور زنجیر دیکھ کر]

کیا اچھی گھڑی اور یہ زنجیر ہے آخاہ !
اور اس میں بنی چاند کی تصویر ہے آخاہ !
تھا پاس مری ماں کے بھی اک ایسا نمونہ
پیتل کا ، لا جس میں وہ رکھا کرتی تھی چونا

[دل شیر کو مشغول دیکھ کر بیدل کچھ چوری سے
کھاتا ہے ۔ دل شیر ، بیدل کا کاغذ دیکھتے ہوئے
پکارتا ہے]

دل شیر : مشغول ہے تو دیر سے کس کام میں بیدل ؟

بیدل : (خود سے)
پکڑی گئی چوری (مری) اب تو ہوئی مشکل

دل شیر : (منہ دیکھ کر)
بیدل ! نہیں سنتا ؟ ارے کیا منہ میں بھرا ہے ؟

بیدل :
رومال میں جو ناشتہ دو دن سے رکھا ہے
رکھے سے یہ سڑ جائے گا یہ مجھ کو یقین ہے
کھایا تھا ، وگرنہ مجھے کچھ بھوک نہیں ہے

دل شیر : مجھ کو بھی ذرا دے

بیدل : تمھیں ؟ پر یہ تمھارے
قابل نہیں ، قابل ہے یہ کھانے کے ہمارے
[جھاڑ پر سے ایک ڈال گرتی ہے ، بیدل ڈرتا ہے]

یا اللہ !

دل شیر : کیا ہے ؟

بیدل : ارے سنتا نہیں لاحول ولا

دل شیر : کیا ؟

بیدل : کیا دھم سے وہ کود اہے کوئی ہے وہ بلا کیا ؟
[دل شیر پھل کو گرتے ہوئے دیکھ کر ہنستا ہے]

دل شیر : کچھ بھی نہیں ہے ، پیڑ سے اک ٹہنا گرا ہے
بیدل : توبہ ہے ڈر سے جان مری ہوتی ہوا ہے

[دل شیر کاغذ پڑھتا ہے - بیدل چوری سے شراب پیتا ہے]

دل شیر : اے دلبر مہ لقا سلامت
رکھے تجھ کو خدا سلامت
کیوں اپنی وفا کو چھوڑ بیٹھی
کیوں منہ کو وفا سے موڑ بیٹھی
اب نامہ پیام تک نہیں ہے
اک نامے کا نام تک نہیں ہے
ایسا ہمیں آپ نے بھلایا
ایک خط نہ مہینے بھر سے آیا

[بیدل ڈال کے گرنے سے چلا" اٹھتا ہے - دل شیر پوچھتا ہے]

بیدل : کیا پھر یہ کھڑکا ہے ، ارے باپ رے ! کیا ہے
دل شیر : ہیں ہوش کدھر تیرے ، تو دیوانہ ہوا ہے ؟

[بیدل دور سے کسی چیز کو دیکھ کر دل شیر
سے آہستہ سے کہتا ہے]

بیدل : وہ دیکھ کوئی سنتا ، یہ سب بات کھڑا ہے
دل شیر : (دل شیر دیکھ کر)
نادان وہ تو تاڑ کا اک جھاڑ کھڑا ہے
بیدل : ہنستا ہے میاں تو ، مرا اوسان خطا ہے
یہ راہ ہے ، اس جا تو ٹھہرنا بھی برا ہے

کر لے گا گرفتار سپاہی ابھی آ کے
کیا راستے میں بیٹھا ہے دوکان لگا کے
وہ دونوں مسافر کہیں پولیس کو لا کے
بندھوا نہ دیں ہم دونوں کو اس جا ابھی آ کے

دل شیر : ہے یہ جنگل ، تو نہ ڈر ، بستی یہاں سے دور ہے
دور ہے تھانہ بھی ، کتوالی بھی یاں سے دور ہے
ڈاک گاڑی میں جو تھا گھوڑا اسے دانائی سے
مار ڈالا میں نے تھا ، پہلے ہی گولی مار کے
کس طرح پہنچیں گے جلدی وہ مسافر گاؤں تک
کانپتا ہے کس لیے ناحق تو سر سے پاؤں تک

[دل شیر کو کاغذ میں سے ایک نوٹ ملتا ہے -
اُسے بیدل کو دکھا کر جھٹ چھپا
لیتا ہے - بیدل دیکھنا چاہتا ہے]

بیدل : کیا ملا دکھلاؤ تو ، پھر کیا تھا دکھلایا مجھے ؟

دل شیر : (دکھا کے)
پانچ سو کا نوٹ ہے ، اس خط میں ہاتھ آیا مجھے

بیدل : جب تو دلوا دے کوئی جوتی کا اک جوڑا مجھے
دیکھ یہ جوتے کا ٹانکا ، ٹوٹ کے سب کُھل گیا
پاؤں کانٹے سے چِھدا ، پانی میں سڑ کے دُھل گیا

[دل شیر دوسرے کاغذ میں سے نوٹ نکال کر دکھاتا ہے]

دل شیر : اور دو سو کا ملا اک دوسرا یہ نوٹ ہے

بیدل : لو بھلا پھر مال کی اب کیا کمی ، کیا کھوٹ ہے

اب لگا اک داؤ چل کر گر ملا یہ نوٹ ہے
چل جوئے خانے میں ، اچھا مل گیا یہ نوٹ ہے
ایک کا جب دو کرے ، تب کام کا یہ نوٹ ہے

دل شیر : اور دیکھو پانچ سو کا تیسرا یہ نوٹ ہے
آج قسمت کھل رہی ہے ، مال پر ملتا ہے مال
لے بچہ ! خوش ہو ، ترے یہ باپ کا سارا ہے مال

[بیدل نظر بچا کے ٹوپی میں چھپاتا ہے ، دل شیر ہنستا ہے]

بیدل : (شرمندہ ہو کر)
ہنسی میں ، رمز میں گر دیر تو ناحق لگائے گا
سویرا ہو رہا ہے ، یاد رکھ پکڑا بھی جائے گا

[دل شیر ایک خط کے مضمون کو دیکھ کر ہنستا ہے
اور پڑھتا ہے ۔ بیدل اور کاغذوں کو تھیلی
میں بند کرتا ہے]

دل شیر : مہربان والا شان تسلیم ! حساب کے بارے میں جو آپ نے لکھا ہے ، ہم نے حرف بحرف پڑھا ۔ کاغذی گھوڑا دوڑانا لاحاصل ہے ، خط صرف آدھی ملاقات میں داخل ہے ۔ دونوں کارخانہ داروں میں اگر دو بدو ملاقات ہو جائے تو دوگنا محبت اور الفت ہو جائے ۔ مثل ہے 'آنکھیں ہوں چار تو دل میں آئے پیار' ۔ ناچار مرزا قادر بیگ آپ کے تیسرے حصہ دار خود کل پرسوں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے ۔ ان کی زبانی آپ تمام حال سے ماہر ہوں گے ۔

راقم : آپ کا دوسرا حصہ دار نامدار خاں ، مقام مرشد آباد ۔

بیدل : فائدہ اس سے ہمیں کیا ؟ ہے بھلا خط کس کے نام

دل شیر : ہے مشرّف جاہ کوئی نامور ، ہے اس کے نام
[سوچ کر خود سے]
ٹھیک ہے ، ترکیب اچھی ، خوب یہ نامہ ملا
یہ وسیلہ مال پیدا کرنے کا اچھّا ملا

بیدل : غور کیا کرتا ہے ؟ بیخوف و خطر کب سے کھڑا
مارا جائے گا اگر جاسوس کوئی آ پڑا
یار نادان ہے ، لاحول ولا تُو تو بڑا
عین ناکے پہ ہے رستم کی طرح کب سے کھڑا

[دل شیر کاغذ کے ذریعے سے امیر بن کے مشرّف کے گھر
جانے کی خوش خبری بیدل کو سناتا ہے]

دل شیر : گانا[1]

ملی اچھی ہمیں تحریر ، کھلی ہم دونوں کی تقدیر
فضلِ خدا ہے ، دور بلا ہے ، چلو وہاں اب بن کے
امیر ، میرے مشیر — ملی

بیدل : کیا بھلا مال ہے اک چیتھڑے کاغذ پہ لگا
مال کیا مار لیا ؟ کون سے تاجر کو ٹھگا

دل شیر : مال ہے مال یہ اکسیر مرے ہاتھ آئی
اہلِ زر ہونے کی تدبیر مرے ہاتھ آئی

۱۔ بلاول ، ٹھمری

بیدل : نعوذباللہ دھڑکتا ہے کلیجا میرا
کیوں یہاں دیر لگاتا ہے تو ، لاحول ولا

دل شیر : کانپتا کیوں ہے ، چل اب شوق (سے) اورنگ آباد
کھل گیا بخت ترا آج بچہ ! رکھنا یاد
آدمی اپنے وطن سے جو سفر کرتا ہے
قدر حاصل وہ سدا مثلِ گہر کرتا ہے

بیدل : سچ کہہ چلنے کو تیار ہے اورنگ آباد
پھر تو بر آئے گی ، اللہ کی قسم ! دل کی مراد
مرشد آباد میں چوہوں کی طرح ڈر ڈر کے
رہتے ہیں خوف سے پولیس کے ہم مرمر کے
جب سے ہم قید سے ہیں جیل تڑا کر بھاگے
کوئی کھانسے بھی تو بس دُم کو دبا کر بھاگے

دل شیر : لے کے پوشاک نئی ، بھیس بنا کر جلدی
چل مشرف سے ملیں ، چال سے جا کر جلدی
میں شریک اس کا ہو ، نواب بناؤں تجھ کو
عیش و عشرت کا مزا چل کے چکھاؤں تجھ کو

بیدل : چور ، خونی ہیں ، چھپے پھرتے ہیں ہم تم ہر جا
بے دھڑک غیر کے پھر کیسے رہو گے گھر جا

دل شیر : میں بتاؤں گا تجھے ، آ تو مرے ساتھ ، نہ ڈر
خوب ہمت سے مگر رہنا بہادر بن کر

بیدل : میں چلوں ساتھ ، اگر شرط تو اک بار کرے

دل شیر : شرط ! کیا شرط ہے ؟ کہہ جلد ، ترا باپ مرے

بیدل : **ٹھمری[1]**

جو کھانا آپ کھانا ، ہم کو کھلانا—جو کھانا
مت گرمانا ، مت شرمانا ، مت ہنسنا ، مت ہنسانا
غل نہ مچانا ، اور نہ ڈرانا ، یارانہ انداز دکھانا—جو کھانا
کھانا پینا مزے اڑانا ، لے دے کے بھاگ آنا
پھنسنے کے رستے مت جانا ، پھنس جانا تو جان بچانا

دلہ شیر : چل ہوگا ویسا ہی ، چل

بیدل : میں تو ہوں ہمراہی چل

[دونوں جاتے ہیں]

۱- ضلع ، ٹھمری

باب پہلا

پردہ تیسرا

دیوان خانہ امیر مشرّف کا

[مشرف جاہ اور نورجہاں ، دل آرام کی باتیں کرتے ہیں]

مشرّف : افسوس کہ اولاد سے ہم رہ گئے ناکام
بیٹی کی جگہ بھائی کی بیٹی ہے دل آرام

نورجہاں : ہاں اب تو یہی دل میں ہے ارمان ہمارے
شادی ہو بھتیجی کی کہیں جلد تمہارے

مشرّف : یہ فرض بھی سر پر سے اُتر جائے تو اچّھا
یہ بیاہ کے ، خوش بخت کے گھر جائے تو اچّھا
خوش بخت کا والد ہے کئی سال سے غائب
خود تھک کے گیا ڈھونڈنے خوش بخت اسے اب
خوش بخت بہت نیک ہے ، اشراف ہے لڑکا
ہو بیاہ دل آرام کا اس سے تو ہے اچھّا

نورجہاں : آ جائے تو پھر شادی کا پیغام اُسے دو

مشرّف : ہاں خیر ، دل آرام ! کوئی گیت تو گاؤ

دل آرام : **ٹھمری**[1]

کِھل کِھل چھٹک رہی چاندنی ،
بن ٹھن آئی جیسی گوری بھوری کامنی
— کِھل کِھل

تارے تمام کِھل رہے ، بھرے نورنگ جیسے اَنیک اَنیک نظر
سوہے کیسی تارے بھری پیاری پیاری (کامنی ؟)
— کِھل کِھل

آئی بہار ، موتیا کھلے ڈار ، جا (گی ؟) جوہی ، ہار سنگار
کھلے ڈالی ڈالی لالی جیسے سوہے والی بامھنی
— کِھل کِھل

[نوکر آتا ہے]

نوکر : اے سرکار ! مرشد آباد سے ایک سردار ملنے کے لیے آئے ہیں ، جو حکم ہو بجا لاؤں ۔

مشرف : بلا لا پاس میرے ان کو جلدی
وہ شاید معاملے والے ہیں کوئی

[نوکر جاتا ہے]

ضرورت ایسی کیا پیش آئی ہے سخت
کہ ملنے آئے ہیں یہ رات کے وقت

[دل شیر امیرانہ لباس پہن کر اور بیدل نواب بن کر آتا ہے ، نورجہاں اور نوکر جاتے ہیں ۔ دل آرام شرما کر الگ بیٹھ جاتی ہے ۔ بیدل ڈر کے دل شیر کے پیچھے چھپتا ہے]

۱۔ بہاگ ، ٹھمری

دل شیر : بجا لاتا ہوں میں آداب !

مشرّف : تسلیم !

دل شیر : ہؤا ہوں دید سے سیراب

مشرّف : تسلیم !

دل شیر : بڑی تکلیف دی ، اس وقت آیا

مشرّف : مجھے احسان مند اپنا بنایا

دل شیر : مرا ہے نام قادر بیگ مرزا
یہ خط سے حال ہوگا آشکارا

[دل شیر ڈاک کے تھیلے سے ملا ہوا خط دیتا ہے ۔
مشرّف اس کو پڑھتا ہے ، حصہ دار سمجھ کر گلے
ملتا ہے]

مشرّف : اوہو ! تسلیم ، ملیے مجھ سے قبلہ
زہے نصیب ، ہوئے جو رونق افزا
نہایت شوق تھا ملنے کا دن رات
ہوئی ہے آج یہ پہلی ملاقات
مرے آڑت کے حصہ دار ہیں آپ
مرے بھائی سے بڑھ کے یار ہیں آپ

[بیدل کم فہمی سے بول اُٹھتا ہے]

بیدل : بجا ہے !

[مشرّف دوسری آواز سن کر تعجب کرتا ہے]

مشرّف : یہ صدا آتی ہے کس کی ؟
تمھارے ساتھ ہے کیا اور کوئی ؟

دل شیر : (بتا کر)
جی میرے ایک دوست جانی ہیں
اور نواب خاندانی ہیں
مشرف : (بیدل سے) نام کیا ہے آپ کا ؟
بیدل : بیدل !
دل شیر : (اشارے سے بیدل کو روک کر) نام ؟
مجھ سے نام ان کا سنیے نیک انجام
بدر دولہ نام نامی ہے
ان کی دس توپ کی سلامی ہے
مشرّف : خوش نصیبی ہے ملاقات ہوئی ــ رکھیے تشریف
[بیدل گھبراتا ہے]
بیدل : نہیں ! ہاں جی ! جی جی !
دل شیر : تجربہ کار نہیں ہیں ، ابھی شرماتے ہیں
ایسے امرا و غنی ہاتھ کہاں آتے ہیں
دوست جانی ہیں مرے اور عنایت فرما
سیر کے طور قدم رنجہ یہاں فرمایا
[مشرّف عطردان لینے جاتا ہے ، دل شیر اور دل آرام
ایک دوسرے کو چوری چوری دیکھتے ہیں ۔ بیدل
پھول دان میں سے نقلی پھول اٹھا کے سونگھتا ہے
اور بو نہ آنے سے دل شیر سے پوچھتا ہے]
بیدل : یہ ہے پھول کیسا ، نہیں اس میں باس
دل شیر : نہ کر پھول اصلی اسے تو قیاس
یہ کاغذ کا ہے پھول ، اصلی نہیں
بیدل : جبھی باس اس میں سے آتی نہیں
[مشرّف عطر دان لاتا ہے اور بیدل کو دیتا ہے]

مشرّف : لیجیے یہ خاص استنبول ہے

[مشرف کی نظر بچا کر بیدل عطر لے کر شیر دل سے
پوچھتا ہے]

بیدل : خاص استم کیا ؟ یہ کیسا بول ہے ؟

مشرّف : (بیدل سے) لیجیے حضرت اسے

بیدل : ہاں لائیے

[بیدل شہد سمجھ کر عطر کو چاٹتا ہے اور کڑوا
لگنے سے تھوکتا ہے]

آہا اخ تُھو ! آپ نے یہ کیا دیا
کڑوی کڑوی کیا ہے یہ کوئی دوا

دل شیر : عطر ہے یہ ، عطر استنبول کا

بیدل : عطر استم کیا ہے ؟

دل شیر : خوشبو

بیدل : اوہو سمجھا

دل شیر : (مشرّف سے)

اے جناب یہ بڑے سیدھے ہیں ۔ ان کا نام ہے بھولے
نواب ۔

[مشرّف دل آرام سے باتیں کرتا ہے]

بیدل : (گھبراتے ہوئے)

دل دھڑکتا ہے مرا ، پاؤں بھی تھرّاتے ہیں
تم چلو یا نہ چلو ہم تو چلے جاتے ہیں

دل شیر : میں تو موجود ہوں، پھر کیوں تو ڈرا جاتا ہے
مار اس ڈر پہ ، کہ ناحق کو مرا جاتا ہے

[مشرّف بیدل کو گھبرایا ہوا دیکھ کر حیران ہوتا ہے]

مشرّف : خیر ہے کیوں حال ، چہرہ آپ کا کیوں زرد ہے؟

بیدل : جی نہیں کچھ

مشرّف : کہیے صاحب !

دل شیر : پیٹ میں کچھ درد ہے

مشرّف : پاس ہے جلّاب کی گولی ہمارے ، کھائیے

[جلاب کا نام سن کر بیدل چونک اٹھتا ہے]

بیدل : جی نہیں آرام ہے ، تکلیف مت فرمائیے

مشرف : شرم سے دل آپ کا اتنا عبث معمور ہے
تندرستی آپ کی دل سے مجھے منظور ہے
خیر ٹھہرو میں جلا دیتا ہوں فوراً درد سب

[مشرّف جاتا ہے]

بیدل : ہائے کہتا ہے جلانے کو ، ہوا یہ تو غضب

دل شیر : دیکھ تو ہوتا ہے کیا ، دم لے ، ذرا چپ چاپ بیٹھ

بیدل : نا نا مجھ کو معاف کر ، جاتا ہوں میں ، تو آپ بیٹھ

دل آرام : (بیدل سے)
ایسی بے چینی ہے کیوں ، کیا درد ہوتا ہے سوا ؟

بیدل : درد تو جاتا رہا ، لرزا مگر کچھ آ گیا

دل آرام : کھائیے کونین تھوڑی سی ، ابھی ہوگی شفا

[کونین کا نام سن کر بیدل گھبراتا ہے]

بیدل : (دل شیر سے)

اب کہو ، تم نے تو پھانسی میں مِرا ڈالا گلا

دل شیر : (دل آرام سے)

کھتے ہیں عادت نہیں جلّاب یا کونین کی

دل آرام : بے دوا پھر کون سی تدبیر ہوگی چین کی

[مشرف الکلائن واٹر کی شیشی لاتا ہے اور بیدل کو دیتا ہے]

مشرف : لیجیے ، یہ پیجیے ، سب درد فوراً پاک ہے

[شیشی دیکھ کر بیدل خوش ہوتا ہے]

بیدل : لائیے تھوڑی کان ، یہ تو مری خوراک ہے

[بیدل پیتا ہے ، عرق کی تیزی سے اسے کھانسی آتی ہے]

دل شیر : (بات بدلتے ہوئے)

ہے بہت نازک طبیعت آپ کی نامِ خدا
یہ کبھی پیتے نہیں جب تک نہ ہو میٹھی دوا
ادنٰی بیماری میں رہتے پاس ہیں دو دو حکیم
مشک ، عنبر یا گلاب ان کی دوا کا ہے ندیم

مشرف : فصد لینا بھی بدن کے درد کو ہے فائدہ

بیدل : (گھبرا کر دل شیر سے)

آئے گی لاحول میرے پر یہاں کیا کیا بلا

مشرف : (بیدل سے)

خیر اب آرام چل کر کیجیے ، جی ہے تھکا
رات کے آرام سے سب درد کی ہوگی دوا

دل آرام : سچ ہے ،

مشرف : چلیے آئیے !

بیدل : حاضر ہوں جو فرمائیے

دل شیر : (بیدل سے) چل نہ گھبرا

بیدل : خیر چلتا ہوں ، جہاں لے جائیے

[بیدل میز کے پاس سے پیک دان اٹھا کر پانی کے
واسطے دل شیر سے کہتا ہے]

دیر سے صاحب ، لگی ہے مجھ کو پیاس
تھوڑا سا پانی منگا دو ، لو گلاس

[دل شیر پیک دان چھین کر رکھ دیتا ہے]

دل شیر : رکھو ارے نادان ، یہ ہے پیک دان

بیدل : میں گلاس اس کو سمجھتا تھا ہر آن

[مشرف پھر آتا ہے]

مشرف : چاہیے پانی ، ارے کچھ کھائیے
نوش پانی ، کھا کے کچھ ، فرمائیے

[بیدل اور مشرف جاتے ہیں ۔ دل شیر ، دل آرام
کو دیکھتا جاتا ہے ۔ وہ بھی دیکھتی جاتی ہے]

دل آرام : (خود سے)

عشق میں میرے تو خوش بخت کا ہے حال تباہ
چاہ نے اس کی مرے دل میں بھی کی ہے کچھ راہ
لڑ گئی آج جو قادر سے ، دلِ آرام ! نگاہ
ایک پل اس کے بنا مجھ کو گزرتا ہے ماہ
ماہ خوش بخت ہے تو مہرِ منّور ہے یہ
گاہ خوش بخت ہے تو رشکِ گلِ تر ہے یہ

[سوچتی ہے]

غزل[1]

کیا ناز ترا اے بتِ طنّاز غضب ہے
گر ناز قیامت ہے ، تو انداز غضب ہے
کیا کاٹ ہے ، اللہ رے اس تیغِ نظر کی
اس پر لبِ میگوں کا بھی اعجاز غضب ہے
خوش بخت سے جی بُجھ کے، پڑا اس سے ہے پالا
اللہ کرے خیر ، یہ اُفتاد غضب ہے
دل لینے میں گر تجھ کو ہے یکتائی کا دعویٰ
جی کھونے میں بھی طالبِ جانباز غضب ہے

[دل آرام جاتی ہے ، بیدل موقع پا کر چوری کرنے آتا ہے]

بیدل : اللہ رے سونے چاندی کے اسباب بے بہا
کیسے چمک رہے ہیں ستاروں سے بھی سوا

۱- کافی

جو کچھ کہیں ملے تو اسے لیجیے دبا
نوّاب ہوں اگر تو مجھے پھر خطر ہے کیا

[اندر سے نورجہاں کی آواز آتی ہے ، بیدل گھبراتا ہے]

نورجہاں : جلد کپڑا مرا شب خوابی کا لا اے اختر

اختر : چلیے دالان میں ، میں آتی ہوں فوراً لے کر

بیدل : کیسی آواز ہے ، آتی ہے یہ کیا نورجہاں ؟
کیا غضب ، جاؤں کدھر ، اب میں چھپوں جا کے کہاں
کس برے وقت میں آیا ارے لاحول ولا

[نورجہاں کی پھر آواز آتی ہے]

آئی وہ آئی وہ شیطان کی خالہ توبہ
جاؤں میں بھاگ کہ چھپ جاؤں ، بجھاؤں بتی

[بتی بجھاتا ہے]

خاک میں ملتی ہے اب ساری مری نوّابی
سب سے بہتر ہے کہ کمرے سے نکل جاؤں میں
سب بلا دور ہو ، آفت سے جو ٹل جاؤں میں

[اندھیرے میں دروازہ ٹٹولتا ہے]

دروازہ کیا ہوا ، کدھر سے آیا ، میں تو بھول گیا ۔ (ٹٹول کے) ادھر دیوار ، خدا کی مار۔ (پیر میں ٹھوکر لگتی ہے) هت تیری عقل کی دُم میں رسّا باالدھوں ۔ حرصی ٹٹو ، بنے آ کے چپرغٹو (ایک تصویر کو دیکھ کر چونکتا ہے) یا اللہ کون ؟ دل شیر ؟ (غور سے دیکھ

کر) ارے قادر مرزا ! ایں ! انسان یا بھوت ، شیطان یا
حیوان ، بلائے جان ! اللہ توبہ -

[بیدل چھپتا ہے ، نورجہاں اختر کے ساتھ آتی ہے اور
زیور نکالتے ہوئے اندھیرا دیکھ کر خفا ہوتی ہے]

نورجہاں :

آگ بتّی میں لگے ، جل جائے ایسا انتظام
ایک بتّی بھی نہیں روشن ، اندھیرا ہے تمام

اختر : بانو ٹھہریے ، میں روشنی لاؤں ، چراغ جلاؤں -

نورجہاں : نہیں مجھ کو چھوڑ کے نہ جا ، روشنی کو آگ لگا -
اکیلے میرا جی ڈرتا ہے -

اختر : بانو اتنا بھی کوئی ڈرتا ہے - میں ابھی آئی ، آپ ذرا
تو ٹھہر جاؤ -

نورجہاں : نہیں ، سر نہ کھا ، آہستہ بول -
سوتے ہیں نواب اوپر ، نیند میں ہوگا خلل

[نواب کا نام سن کر اختر ہنستی ہے]

اختر : کون ؟ وہ نواب ! توبہ ' بیل یا نواب

نورجہاں : (اختر کو مسخری کرنے سے روکتے ہوئے) چل !

اختر : واری بیگم ! میں خوب جانتی ہوں اس کی کمینی
عادت - چوری سے نظر بچا کے کچھ کھانا ، دامن سے

منہ پونچھ کے بھاگ جانا ، کیا یہ ہے بانو امیری کا پانا ؟

نورجہاں : مناسب ہے جو ہو قادر سے دل آرام کی شادی

[دونوں کی محبت دیکھ کر اظہار کرتی ہے]

اختر : ملا دل خوب دونوں کا ہے ، باقی نام کی شادی

نورجہاں : اک دوپٹہ لا تو اس کمرے سے اے اختر شتاب

[بیدل کمرے میں آتا ہے]

بیدل : (کمرے سے)

ہائے توبہ اب چھپوں جا کر کہاں خانہ خراب

[اختر ، بیدل کو دیکھ کر ، ڈر کے چلاتی ہے]

اختر : اف ، چور ، چور ، بانو ! یہ دیکھو کھڑا ہے کون ؟
کونے میں اس دیوار کے چپکا ہوا ہے کون ؟

نورجہاں : کیا چور ؟ کس جگہ ؟

اختر : م م ، ما ما ، مکان میں

[ڈر کر بھاگتی ہے]

نورجہاں : جاتی کہاں ہے ؟ جان نہیں میری جان میں

[نورجہاں بھی بھاگ جاتی ہے - بیدل باہر آ کر اپنے آپ
کو ملامت کرتا ہے]

بیدل : لاحول ، جس کے گھر میں بنا تھا نواب تو
گھر میں گھسا اسی کے اے خانہ خراب تو

تقدیر آج اچھی تھی جو بچ گئے بھد !
کھاؤ گے لات ، کھائی پھر ایسی اگر خطا

[بیدل جاتا ہے ۔ مشرّف مع نورجہاں ، اختر اور نوکر
کے ، واسطے پکڑنے چور کے بتی لے کے آتا ہے]

مشرّف : کہاں ہے ؟ کدھر چور ؟ جلدی بتا

اختر : اسی کوٹھری میں ہے موذی چھپا

[مشرّف جانا چاہتا ہے دیکھنے کو ، نورجہاں
روکتی ہے]

نورجہاں : اکیلے میاں جاؤ اندر نہ تم

مشرّف : ٹھہر جاؤ ، گھبراؤ دلبر نہ تم

نورجہاں : (نوکر سے) تو جا دیکھ

نوکر : ہاں میں چلا بے درنگ

مشرّف : چلوں میں بھی ؟

نورجہاں : نا ! تم رہو میرے سنگ

[بیدل اور دل شیر آتے ہیں]

دل شیر : (سب سے)

گھسا کون گھر میں بدانجام تھا ؟

بیدل : (دل شیر سے)

نہ گھبراؤ تم ، یہ مرا کام تھا

نوکر : (باہر آ کر)

یہاں تو نہیں چور کا کوئی بھوت

بیدل : ذرا دیکھوں میں ، ہو اگر دیو بھوت

کروں مار کر ٹھیک اک آن میں

ذرا جانے دو مجھ کو دالان میں

نوکر : نہیں کوئی ، ناحق یہ طوفان تھا

[بیدل ہمّت کر کے جاتا ہے]

اختر : قسم کھاتی ہوں میں کہ انسان تھا

بیدل : (کمرے سے آ کر)

ارے کوئی اس میں نہیں ، نامور

دل شیر : (بیدل سے)

زباں بند رکھ اپنی ، بک بک نہ کر

مشرف : نہ چور اور نہ ڈاکو ، فقط وہم تھا

نورجہاں : پھر اختر کو کیا خبط تھا ہو گیا ؟

بیدل : ہوا جو ہوا ، خیر جانے بھی دو

بڑھاؤ نہ ناحق اب اس بات کو

دل شیر : یہ دھوکا تھا حضرت نہیں تھا کچھ اور

مشرف : سدا عورتوں کا یہ ہوتا ہے طور

اختر : تعجّب ہے !

نورجہاں : سچ ہے کہیں کچھ نہیں

نوکر : بھلا ہو بھی سکتا ہے ایسا کہیں ؟

[نورجہاں ، اختر اور نوکر جاتے ہیں ۔ بیدل میز پر ایک ناسدانی دیکھ کر اسے چھپانا چاہتا ہے ۔ دل شیر دیکھ کر چھین لیتا ہے ۔ خوش بخت آتا ہے اور بیدل و دل شیر کو دیکھ کر فکر میں پڑتا ہے ۔ بیدل ڈرتا ہے ، دل شیر تسلی دیتا ہے]

خوش بخت : (مشرّف سے) تسلیم ۔

مشرف : آئیے حضرت مجھے تھا آپ کا ہی انتظار
جب سے خط پایا ، تمھاری یاد تھی لیل و نہار

خوش بخت : (دل شیر سے) بندگی !

دل شیر : تسلیم !

خوش بخت : (شبہ ہو جانے کی وجہ سے مشرف سے) حضرت کہنا ہے
مجھے ضروری بات ایک ، تنہائی میں سن لیجیے ۔

[دونوں سے]

صاحبو تکلیف میں نے دی ، اسے کرنا معاف

بیدل (خود سے) :

ہے مسافر جس کو لوٹا تھا ، نہیں اس میں خلاف

[خوش بخت ، مشرّف کو کنارے لے جاتا ہے ۔ بیدل ، خوش بخت کو پہچان کر دل شیر سے کہتا ہے ۔ دل شیر اشارے سے چپ کراتا ہے ۔ خوش بخت مشرف سے کہتا ہے]

خوش بخت : مجھے بتلائیے پہلے ذرا یہ تو اشاروں میں
کہ یہ دونوں ہوئے کیسے تمھارے رازداروں میں

مشرف : جو ہیں بائیں طرف وہ تو مرے ہیں حصہ داروں میں
ملاقات ان کی اک سوغات سمجھو تم ہزاروں میں

خوش بخت : (خود سے)
الٰہی ماجرا کیا ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا
مجھے اک عالمِ سکتہ ہے، میں کچھ کہہ نہیں سکتا

مشرف : (بیدل اور دل شیر سے)
ملو ان سے، یہ ہیں مہمان میرے باتمیز
یہ ہیں خوش بخت نامی، صاحبو مرے عزیز
[سب بیٹھتے ہیں، مشرف خوش بخت سے کہتا ہے]
سفر کا حال کہیے اپنے، کیا کچھ مدّعا پایا؟
بھلا کچھ باپ کا بھی آپ نے اپنے پتا پایا؟

خوش بخت : عین رستے میں پڑا ڈاک پہ ڈاکا صاحب
وقت تھا صبح کا، تھا نور کا تڑکا صاحب
دو لٹیروں نے مجھے مار کے ایسا لوٹا
کیا کہوں، خیر، مگر شکر ہے جیتا چھوٹا

مشرف : سخت حیرت ہے کہ دن کو بھی ہو اندھیر ایسا

بیدل : (الگ) سخت الّو ہے وہ، جو کام کرے پھر ایسا

دل شیر : بچ گئی جان، اسے آپ غنیمت سمجھو
مال کو جان کا صدقہ، بس اے حضرت سمجھو

بیدل : (خود سے)

پڑتا ہے جو جس علّت میں ، عادت اس کو ہو جاتی ہے
کڑوی بھی ہو گر چیز کوئی شربت کا مزا دکھلاتی ہے

[دل شیر سے]

ہمّت دیکھو ان لوگوں کی جن نے لوٹا بیچاروں کو
(خود سے) اللہ اللہ میری تو جان ان باتوں سے گھبراتی ہے

دل شیر : تھا ساتھ سفر میں کوئی یا خود آپ اکیلے تھے تنہا

خوش بخت : تھا ساتھ مرے اک ہرکارہ ، لیکن وہ بھی ناکارہ تھا
ڈر سے لٹیرے کے پہلے جی اپنا لے کر وہ بھاگا
وہ بھاگ نہ جاتا تو خطرہ مجھ کو چوروں سے تھا پھر کیا
دو میں سے ایک تو تھا بالکل قد و قامت میں آپ جیسا

بیدل : اللہ رے

[مشرف ، بیدل کو بیمار سمجھ کر دل شیر سے
خیریت پوچھتا ہے]

مشرف : کیا ہے ؟ خیریت تو ہے ؟

دل شیر : کیا حال ہے ؟ کیوں تھرّاتا ہے ؟

خوش بخت : کیوں کانپ رہے ہیں یہ صاحب ، کیا لرزا ان کو آتا ہے ؟

بیدل : (خود سے)

نظر آتا ہے برا رنگ ، خدا خیر کرے
لائے گی کوئی بلا رنگ ، خدا خیر کرے

دل شیر : (مشرّف سے)

کچھ نہیں ، ضعفِ جگر کی انھیں بیماری ہے
چونک اٹھتے ہیں کبھی ، مرض سے لاچاری ہے

مشرف : (خوش بخت سے سفر کی بابت پھر پوچھتا ہے) دوسرا
ہوگا کوئی ؟

خوش بخت : (دل شیر سے) ہاں ان کے جیسا

بیدل : (ڈر سے چلّا اٹھتا ہے) باپ رے (خود سے)
کیا غضب ہے ؟ پھنس گئے ، مارے گئے ، پکڑے گئے

[مشرّف بیدل کو بے چین دیکھ کر]

مشرف : بیٹھے ہو بیماری میں ، تکلیف نہ ہو میں ڈرتا ہوں

بیدل : نہیں ٹھہرو ، اچھا ہوں میں ، اللہ اللہ کرتا ہوں

مشرف : (دل شیر سے)

ذکر سے چوروں کے شاید کچھ خوف ہوا پیدا ان کو

دل شیر : بے شک نازک ایسا ہی خالق نے کیا پیدا ان کو

مشرف : مال اسباب کا (کیا) حال کیا چوروں نے ؟

خوش بخت : سال کیا ، ڈاک کو بھی لوٹ لیا چوروں نے
بچ گئی جان ، غنیمت ہے ، نہیں مال کا غم
مال تو جان کا صدقہ ہے ، نہیں رنج و الم
ہوئی نصف شب ، دیجیے اب رضا

مشرف : نہیں رات کے وقت جانا بجا

دل شیر : نہیں ، آج آرام فرمائیے
تکلّف کو مت کام فرمائیے

خوش بخت : (مشرف سے) بہت خوف ہے (دل شیر سے) بندگی !

دل شیر : بندگی

مشرف : چلو صاحبو ! سو رہو آپ بھی

[مشرف اور خوش بخت جاتے ہیں ، بیدل گھبرا کر
دل شیر کو نصیحت کرتا ہے]

بیدل : گانا[1]

بنے ہو نادان تم کہ لڑکے ، الٰہی توبہ الٰہی توبہ
جو بیٹھے ہو اس جگہ اکڑ کے ، الٰہی توبہ الٰہی توبہ
ہلاک تم آپ ہو گے بے شک ، ہمیں بھی تم لے مرو گے بے شک
مرو گے کیا دار ہی پہ چڑھ کے ؟ الٰہی توبہ الٰہی توبہ
ہماری اب بھی صلاح مانو ، ہمیں گر اپنا رفیق جانو
یہاں سے چپ چاپ چل دو تڑکے ، الٰہی توبہ الٰہی توبہ

دل شیر : عبث جان ڈر ڈر کے کھوتا ہے کیوں
کر اب چل کے آرام ، روتا ہے کیوں

بیدل : ارے او کاٹھ کے اُلّو ، رانڈ کے سانڈ ، حرصی ٹٹّو ، حماقت
پر لٹّو ، تیری تو وہ مثل ہے ، تیر نہ کمان میرے

۱۔ سندھ بھیرویں ، لاونی

چچا جان خوب لڑے ۔ حال جائے ، احوال جائے ، دل کا نہ خیال جائے ۔ توبہ کر بندے اس گندے روزگار سے ورنہ سٹاسٹ پھٹاپھٹ جوتیاں کھائے گا ، عقل کا طوطا اُڑ جائے گا ، موت کے پنجرے میں ٹیں بول جائے گا ۔ کہاں کے مرزا اور کہاں کے نواب ، بغل میں جوتی داب اور بھاگ شتاب ۔ بناوٹ کا بوجھ سر سے پٹک کر ، نکل چل سٹک کر ۔ اگر رہا یہاں اٹک کر ، آنکھوں میں کھٹک کر ، تو مرے گا راہِ قید میں بھٹک کر ، یا پھانسی پر لٹک کر ۔

دل شیر : گانا[1]

مطلب کی کشتی میں بیٹھے ، ہمت کو پتوار کرے
بحرِ جہاں میں مشکل کی موجوں کو وہ ہی پار کرے
ہار بھی ہو تو ہار سے چھوٹا جی نہ کبھی زنہار کرے
ہمت باندھے ، خار کو بھی وہ گلدستہ یا ہار کرے
ہوں میں سر پر تیرے ، پھر تو خوف ہے کیوں بیکار کرے
دار پہ چڑھنے والے کو چاہے تو خدا سردار کرے

بیدل : گانا[2]

آفت میں کیوں ہم کو ڈالے جاتا ہے ، لاحول ولا
سمجھاتا ہوں جب تو تُو ڈراتا ہے لاحول ولا

۱۔ کایان ، لاوِنی
۲۔ طرز مذکور

مت لے سر پر جوکھم ، یہ ڈھب چلنے کا زنہار نہیں
شیر کے منہ (میں) گھس کے کیا تو پاتا ہے ، لاحول ولا
اندھا ہے ، گرتا ہے کنویں میں ، سوجھ نہیں کیا پڑتا ہے
آنکھیں اُس پر اُلٹا مجھ کو دکھلاتا ہے لاحول ولا

[بیدل جاتا ہے ، اس کے پیچھے دل شیر بھی روانہ ہوتا ہے]

پردہ چوتھا

دیوان خانہ

[دل آرام ، دل شیر کے فراق میں افسوس کرتی آتی ہے]

دل آرام : گانا[1]

کیسی سوبھا چندروں کی ، دیکھت سدھ بدھ گئی تن من کی۔۔کیسی
دیت کٹاری وہ متواری ، ڈھب سینن کی ، چھب لینن کی۔۔کیسی
مدھر ، مدن ، من موہن، صورت چنچل ، چال چپل چتون کی۔۔کیسی
قادر نے من چھین لیا ہے ، وا بن ناہیں جان مچن کی۔۔کیسی

[دل شیر پوشیدہ طور پر آتا ہے - (پھر وہ) دل آرام کو اپنا مائل سمجھ کر ظاہر ہوتا ہے]

دل شیر : تُو برق کی طرح سے اگر بے قرار ہے
مانندِ ابر چشم مری اشک بار ہے
تُو گر ہمارے عشق میں سینہ فگار ہے
میرا دلِ نزار بھی تجھ پر نثار ہے
جامِ شرابِ عشق سے سرشار دونوں ہیں
طالب ہم ایک ایک کے اے یار دونوں ہیں

۱- ضلع ، ٹھمری

دل آرام : گانا

ناہیں نایں یہاں پاس میرے آ
کوئی دیکھے نہ ، جاجا سدھار جا۔۔نایں
نام ہوگا میرا بد ، چھوڑ پیارے رد و کد
ہوں میں اناری نار ، نر تو ہے پرایا۔۔نایں

دل شیر : عشق نے تیرے بنائی ہے جو حالت میری
وہ کرے گا مری جانب سے وکالت میری
جذبۂ دل مرا لایا مجھے اے یار! یہاں
کچھ خبر مجھ کو نہیں ، کون ہوں میں اور کہاں

دل آرام : پھر اسی منہ سے کہو ، یار سمجھتے ہو مجھے
پھر کہو کیسے طرح دار سمجھتے ہو مجھے
ہو یقیں دل کو کہ دلدار سمجھتے ہو مجھے
خاکِ پا اے مرے سردار سمجھتے ہو مجھے
دو زباں مجھ کو کہ دلدار سمجھتے ہو مجھے
مستعد قول دو مجھ کو کہ مری راہ میں ہو

دل شیر : آگے خدا کے میں تمھیں اپنی بنا چکا
دنیا کے سامنے (ہے) فقط باقی رہ گیا
آج ہی چچا سے لے کے تمھارے صلاح میں
کر لوں تمھارے ساتھ اے دلبر! نکاح میں

دل آرام : دل میں مرے بھی دلبر ، گر دھیان ہے تو یہ ہے
شادی مری ہو تم سے ، ارمان ہے تو یہ ہے

دل شیر : ہاں زندگی کا اپنی ، سامان ہے تو یہ ہے
مشکل ہیں سب طریقے ، آسان ہے تو یہ ہے

دل آرام : عاشق تمھاری اب تو میں ، میرے حبیب ہوں
تم سے جو دور ہوں تو خدا سے قریب ہوں

دل شیر : پر اے دلدار ، دل آرام ، خبر تم کو نہیں
جو حقیقت ہے ، ابھی اس پہ نظر تم کو نہیں
عشق اندھا ہے ، پر اتنا بھی نہ ہوگا شاید
دل دیوانہ ہے ، پر ایسا بھی نہ ہوگا شاید

دل آرام : دِوانہ دل ہے بیشک اور میں اس دل سے ہاری ہوں

دل شیر : کرو تم فرض ، اگر میں چور ، رہزن یا فراری ہوں
اگر خونی ہوں ، مجرم ہوں ، اگر میں اشتہاری ہوں
یکایک گر سنو تم یہ کہ میں نیکی سے عاری ہوں
بدل کے نام ، کرکے بھیس ، کرتا بد شعاری ہوں

[دل آرام ذرا سوچتی ہے ، ڈرتی ہے اور دل شیر کی طرف دیکھتی رہتی ہے - (اس کے) چپ رہنے پر دل شیر پوچھتا ہے]

بولو اُس پر بھی مجھ کو چاہوگی ؟
پھر بھی تم چاہ کو نباہوگی ؟

دل آرام :

کروں گی کیا ، پڑے گا سر پہ جو کچھ ، سب اُٹھاؤں گی
اگر باکار بھی تم کو کسی علّت میں پاؤں گی
ہٹا کے راہِ بد سے ، نیکی کے رستے پہ لاؤں گی
جہاں تک ہو سکے گا ، تم سے میں توبہ کراؤں گی
جو بگڑے گی کوئی عادت تو میں اس کو سدھاروں گی
مگر راہِ محبّت سے کبھی ہمّت نہ ہاروں گی

دل شیر : بھلا دل شیر کا بھی حال ، کچھ تم نے سنا ہوگا

دل آرام : سنا ہے ، ہاں سنا ہے

دل شیر : میں جو خود وہ ہوں تو کیا ہوگا ؟

بھلا اُس وقت بھی ثابت رہوگی میری الفت میں ؟
قدم رکھوگی پھر بھی تم مری راہِ محبت میں ؟

دل آرام : اگر دل شیر بھی ہو تم تو ہوگا تم پہ پیار اپنا
کہ اب دل پر نہ قابو ہے ، نہ خود پہ اختیار اپنا

دل شیر : ایسی الفت میں تمھیں رنج اٹھانا ہوگا
ننگ و ناموس کا ہر نقش مٹانا ہوگا
دشمنِ جان تمھارا تو زمانہ ہوگا
دور تم سے ہر اِک اپنا بگانہ ہوگا
کیا عجب قید میں پیارے کو بھٹکتے دیکھو
شاید اک دن اسے پھانسی (پہ) لٹکتے دیکھو

[دل آرام ، دل شیر کی باتوں کو جھوٹا سمجھ کر ہنستی ہے]

دل آرام : آزمالو جس قدر چاہو ، ہمیں کچھ غم نہیں
پھیر لیں رستے سے الفت کے قدم ، وہ ہم نہیں

دل شیر : یہ بات ! جب تو بہت خوب ، جاں نثار ہوں میں
مگر رئیس نہ ہوں میں ، نہ ذی وقار ہوں میں
نہ تو چچا کا تمھارے (وہ) حصّہ دار ہوں میں
کیسے فریب سے قادر کا آ ، شکار ہوں میں
کسی سبب سے لیا بھیس یہ ، اے یار ہوں میں

دل آرام : **گانا**[1]

دلِ ناداں اس پر سودائی ، جی میں کیا تیرے آئی — دل
کاجل کی ہے کوٹھری یہ ، جائے جو اس کے بیچ
مالک سے وہ کب بچے گا ، اُتم ہو یا نیچ
ہے اس کی چاہ میں رسوائی —— جی میں
کام برا ، انجام برا ہے ، سب کچھ ہے نقصان
لگی لگن تو کون جتن سے ، چھٹنا ہے آسان
عشق کی الفت اب ہے دانائی —— جی میں

[دل آرام افسوس کرتی ہے ، خوش بخت آتا ہے]

خوش بخت : ذرا آنکھ اٹھا کر ادھر دیکھیے گا
ہمیں بھی بھلا اک نظر دیکھیے گا
جدائی میں گنتا ہوں تارے ہمیشہ
اذیّت یہ رشکِ قمر دیکھیے گا
تڑپتا ہوں برسوں سے امیّد میں میں
مری جان ، میرا جگر دیکھیے گا

دل آرام : نہیں راستہ اب مرا دیکھیے گا
کوئی مہ جبیں دوسرا دیکھیے گا
نہیں اب صنم ہم کو جینے سے مطلب
ہمیں اب نہ بہرِ خدا دیکھیے گا
یہ دل اب تمھارے نہیں کام کا ہے
کوئی دل فریب اب جدا دیکھیے گا

۱- ضلع ، لاؤنی

خوش بخت : گانا[1]

آج ہے ساری بات نیاری
رہی نہ یاد میری پیاری خواری
تھی جو مان جان میری آن بان
آج رہی وہ نہیں تمام دلداری غم خواری — آج
گھائل بسمل ہوں میں غافل
تیرے غم میں تار تار پیرہن زار پُر محن
ہوئی ہے یار بیکاری بیداری بیزاری — آج

دل آرام : گانا[2]

نہیں اس میں کسی طور خطا میری
رہو مجھ سے تم عشق و الم سے ،
حق میں تمھارے ہے حق سے دعا میری — نہیں

خوش بخت : گانا[3]

ہم سے جو وہ تھا کیا قرار شادی کا
قول و قرار ، دار و مدار کیا ہوا ، کہاں گیا بھلا — ہم سے

دل آرام : مرے چچا پہ ہے سارا مدار شادی کا
مجھے ہو کیسے بھلا اختیار شادی کا

خوش بخت : کہو یہ صاف کہ مہمان سے لگا ہے دل
ہماری چاہ سے اب آپ کا پھرا ہے دل

۱- بھیرویں ، ترانہ
۲- ضلع ، ٹھمری
۳- کھاچ ، ترانہ

جوابِ صاف تمہارے چچا سے بھی پایا
تمہارا دل میں فقط دیکھنے تھا یاں آیا

دل آرام : جو چاہو سمجھو مگر اب نہ ایسی بات کرو
اٹھا لو دل ، کبھی ہم سے نہ التفات کرو

خوش بخت : (غصّے سے)
ہوں گے دنیا میں ستم گر سینکڑوں
ہوں گے لیکن تم سے کمتر سینکڑوں
خیر جاؤ ہیں گلِ تر سینکڑوں
ڈھونڈ لیں گے تم سے بہتر سینکڑوں
دل سلامت ہے تو دلبر سینکڑوں
[خوش بخت خفا ہو کر جاتا ہے۔ دل آرام ،
دل شیر کو یاد کرتی ہے]

دل آرام : گانا[1]

کیا تھا جذبۂ دل نے جو مجھ پر بھی اثر پہلے
تری ہی خوش نگاہوں سے لڑی اپنی نظر پہلے
جب تلک سورج چھپا تھا ، ماہ پر تھی کیسی آب
نکلا جب خورشید تو پھیکا ہے رنگِ ماہتاب
لیا دل شیر نے دل جو کہ تھا خوش بخت پر پہلے
قابو میں جب دل نہیں ہے ، میری کیا تقصیر
دل کی ہے ساری خطا میں خود ہوئی دل گیر
ہوئی مجبور اب ، مختار تھی اے بے خبر پہلے
[دل آرام بے قراری میں جاتی ہے]

۱- پیلو

پردہ پانچواں

جنگل

[دل شیر اور بیدل باتیں کرتے آتے ہیں]

دل شیر : یہ خط دیکھ قادر کا آیا تھا کل
وہ کل اپنے گھر سے چکا ہے نکل

بیدل : نکل جا چکا تو کہاں جائے گا

دل شیر : مشرّف کے گھر کو وہاں جائے گا

بیدل : ارے باپ رے جب تو بھاگ اب کہیں

دل شیر : ارے کس لیے ؟ ہم رہیں گے وہیں

بیدل : ہوا تجھ سے قادر کا گر سامنا

دل شیر : تو بہتر ہے ، بس کام میرا بنا

بیدل : کام بنا یا کام تمام ہوا ؟

دل شیر : بنا ، ضرور بنا ۔ کل جب مشرّف کی ڈاک آئی ، میرے نصیب نے کی رسائی ۔ مشرّف باہر گیا تھا ، وہ خط دھرے تھے میز پر ، یکایک اس کمرے میں ہوا میرا گزر ۔ میں نے لفافے پر قادر بیگ نام پڑھا ، فوراً خط کو چرا کے

پھاڑا اور تمام پڑھا ۔ قادر مشرّف سے ملنے آتا ہے مگر اب میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جاتا ہے ۔

اسی راہ سے آئے گا نابکار
یہیں مار کے اس کو کردیں گے پار
رہوں گا ہمیشہ کو قادر بنا
مرا وہ تو مطلب مرا پھر بنا
اسی واسطے آئے ہم تم یہاں
اسے قتل کر کے کریں گم یہاں

بیدل : اور پھر دھیرے دھیرے دبا لیں گے مال تمام

دل شیر : ہاں مال تمام ، اور نفع میں دل آرام

بیدل : دل آرام !

دل شیر : ہاں دل آرام ! میری معشوق زار ہے ، مجھ پر جان سے نثار ہے ، شادی کرنے کو تیار ہے ۔

بیدل : چور سمجھ کے یا ساہوکار ؟

دل شیر : چور ، لٹیرا ، خونی ، خونخوار ۔

بیدل : وہ الّو ہے یا سیانی ؟

دل شیر : سیانی مگر عشق کی دیوانی ۔
جب لگا دل تو سوجھتا کیا ہے
سچ کہا ہے کہ عشق اندھا ہے

بیدل : ترا تو ہے بس شیخ چلی سا حال
ہوا باندھنے میں ہے تو بے مثال

دل شیر :

آج ہے سردی بڑی ، پی لے یہ گرما گرم
جلدی سے دو چار جام کھینچ کے ہو جا گرم
راہ کی کر دے گی دور ساری خرابی شراب
رنگ دکھائے گی خوب ، ہے یہ گلابی شراب

بیدل : گلابی ہو یا رم ، اسے کب چھوڑیں گے ہم

[بیدل ایک دم شراب پیتا ہے ، کھانسی آتی ہے]

دل شیر : کیا ہوا ارے ؟

بیدل : آہ رے مرے

دل شیر : حالت تو کہو

بیدل : کیا کہوں ، ٹھہرو

دل شیر : کچھ تو دے جواب

بیدل : چڑھ گئی شراب

دل شیر : کر نہ اضطراب

بیدل : پیٹھ میری داب

دل شیر : اور تھوڑی پی ، ہو ٹھکانے جی

بیدل : ہاں ٹھیک کہی ، پی لوں پھر ذری

[بیدل پھر پیتا ہے]

دل شیر : کام کا نہ کاج کا ، دو سیر اناج کا ۔

بیدل : کام کا نہ کاج کا ؟ میں تیرے کام سے کب تھا ؟ تُو چور تو میں گٹھ کٹا ۔ تُو ہی بتا ، تجھ سے میں کہاں بھاگا ۔

دل شیر : لڑتوں کے پیچھے اور بھاگتوں کے آگے ۔

بیدل : خیر جو تو روٹھا تو میں بھی چھوٹا ، مگر یاد رکھنا تیرا بھی نصیب پھوٹا ۔

دل شیر : ہاں یہ شیخی ، یہ تاؤ ، بچہ جی ! جو میں دو دن چھوڑ دوں تو بھوکے مر جاؤ ۔ تمھارا بھی یہ حوصلہ کہ مجھے مزاج دکھاؤ ۔ چونی بھی کہے کہ مجھے گھی سے کھاؤ ۔

بیدل : میں ہیچ کارہ ہوں ، آوارہ یا وحشت کا مارا ہوں ، مگر قسمت کا دھنی ، نصیب کا کرارا ہوں ۔ جہاں میرا قدم جاتا ہے ، مال ڈال کے پتّر سا ٹوٹ کے آتا ہے ۔ یاد رکھ ، جس دن تو نے مجھے چھوڑا ، مال دولت نے بھی تجھ سے منہ موڑا ۔

دل شیر : اچھا چل ، نکل دور ہو (لات اور دھکّے مارتا ہے) کھانا ، اڑانا ، پھر آنکھیں دکھانا ؟

[بیدل روتا ہے]

بیدل : مار مار ، یہ نیکی کا بدلہ ہے ۔ تو نے مجھے لٹیرا بنایا ، گھر چھڑایا ، جؤا ، چوری ، کیھیسے کترنا سکھایا ۔ اب مجھے دور کرتا ہے ۔

[بیدل روتا ہے ، دل شیر مناتا ہے]

دل شیر : گانا[1]

جانے دے ، اب بھیا مت رو ، مان
تیرا کبھی میں ساتھ نہ چھوڑوں
—جانے دے
جان بدن میں ہے جب تک اے بھائی
ساتھی اپنا تو جان —جانے دے

بیدل : دن برے جب آتے ہیں ، ہر طرح ستاتے ہیں
آج کل تو ہے اکثر جان اپنی سولی پر

دل شیر : ہوں میں ساتھ ، مت ڈر تو بیکار کو
بس اب خون کرنے پہ تیّار ہو
ہوا وقت قادر کے آنے کا اب
کرو اپنی حکمت کا پہلے سے ڈھب
میں حملہ کروں ، پھیرنا تم چھری

بیدل : مری تو ابھی سے ہے حالت بری
[بیدل سامنے سے قادر بیگ کی سواری آتی دیکھ کر گھبراتا ہے]
ارے دوڑو ، آئے سپاہی سوار

دل شیر : سواری ہے قادر کی ، ہو ہوشیار

بیدل : چھپو گے کہاں ؟

دل شیر : چھپنے آیا ہے تو ؟

۱- ضلع ، ٹھمری

چل اب اس پہ حملہ کر اے زشت خو

بیدل : ہمیں اس جا ہی رہنے دو —

دل شیر : یہاں رہ کے کرے گا کیا ؟

بیدل : (خود سے) کروں کیا ، یاں بھی خطرہ ہے —

دل شیر : تو ڈر کے مرے گا کیا ؟

بیدل : کروں گا پاسبانی —

دل شیر : خبر رہنا ہوشیاری سے

بیدل : ذرا بھی ہو گا گر کھٹکا تو دوڑوں گا خبر دینے

[دل شیر جاتا ہے]

یہ اُلّو ہو رہا ہے عشق میں ، گُھستا ہے آفت میں
قباحت ہے کہیں میں بھی نہ پھنس جاؤں مصیبت میں

طمنچے کی آواز آتی ہے اور شور پکار ہوتی ہے ۔ بیدل
گھبراتا ہے]

ہوئی گڑبڑ ، مچا غوغا ، کروں اب کیا ، ہوا کھٹکا
نکل بھاگوں تو اچھّا ہے ، دھرا جاؤں گا گر اٹکا

[بیدل مارے ڈر کے بھاگ جاتا ہے ۔ دوسری طرف سے
خوش بخت طمنچے کی آواز سن کر آتا ہے]

خوش بخت :

مچا تھا شور کیسا ؟ چیخ ماری تھی ابھی کس نے ؟
یہاں تو کچھ نظر آتا نہیں ، آواز دی کس نے ؟

[خوش بخت آواز پر جاتا ہے ۔ ادھر سے دل شیر آتا ہے ۔
بیدل کو نہ پا کے تعجب کرتا ہے]

دل شیر : گیا بیدل کہاں ، بھاگا یہاں سے بھی وہ جی لے کر
گیا ہوگا کدھر ، دیکھوں ، ذرا چل کے اٹارے پر

[دل شیر جاتا ہے ، خوش بخت آتا ہے]

خوش بخت : کوئی دکھلائی نہیں دیتا ہے ، غل کیسا ہوا
سامنے سے کون آتا ہے مگر ڈرتا ہوا ؟
کون ہے یہ مضطرب ، کوئی غریب
یہ تو ہے نوّاب قادر کا حبیب
خوب اکیلے آج مجھ کو مل گیا
اس سے لوں گھر کا مشرّف کے پتا

[خوش بخت چھپ جاتا ہے ، بیدل چھپ چھپ کر آتا ہے]

بیدل : کیا ہوئے سب ، اب یہاں کوئی نہیں
خالی ہے میدان ، ہاں کوئی نہیں
میں رہوں یا جاؤں ، یا ربّ کیا کروں
پکڑا گر جاؤں تو آفت میں مروں
مجھ کو تو دل شیر یاں ٹھیرا گیا
خود ہوا کیا ؟ کون اس کو کھا گیا ؟

[خوش بخت ظاہر ہوتا ہے ، بیدل ڈرتا ہے]

خوش بخت : آئیے ! حضرت سلامت آئیے

بیدل : (انجان بن کر) مجھ کو فرماتے ہو ؟

خوش بخت : جی !

بیدل : فرمائیے !

خوش بخت : کہیے تو کچھ حال اپنے دوست کا
یہ نہ جانو میں نہیں کچھ جانتا

بیدل : (ڈر کر)

میں ہوں بے تقصیر ، میں ہوں بے خطا

خوش بخت : سچ ہے ، لیکن حال تو سب دو بتا
میں نہ چھوڑوں گا نہ گر بتلاؤ گے

بیدل : کیا مجھے ناحق پکڑ لے جاؤ گے ؟

خوش بخت : چھن گیا معشوق میرا مجھ سے آہ
دوست نے تیرے کیا مجھ کو تباہ
لٹ گیا میں کیا نہیں تم کو خبر ؟

بیدل : میں نے کب لوٹا تمھیں اے نامور !
دیکھ لو کھیسا مرا ، کچھ بھی نہیں
لو یہ لو ، جانے مجھے دو بالیقیں

[بیدل مارے ڈر کے ، گھبراہٹ میں اپنے کو بچانے کی غرض سے کھیسے میں سے رومال اور نوٹ بُک نکال کر دیتا ہے اور بھاگ جاتا ہے ۔ خوش بخت حیران ہوتا ہے]

خوش بخت : افسوس قسمتوں سے اکیلا اگر ملا
دم دے کے چل دیا ، نہ دیا کچھ مجھے پتا
خاطر سے اپنے دوست کی بھاگا ہے جی چھڑا

کیا حال ہے ، پتا نہ دل آرام کا ملا
رومال اور کتاب مگر کیوں یہ دے گیا

عجیب اس کے ڈھنگ ہیں عجیب یہ نواب ہے
ساری گلی پھٹی ہوئی نواب کی کتاب ہے

[کتاب میں بیدل کی ماں کا خط دیکھ کر]

کسی کا ایک خط ہے اس کتاب میں دھرا ہوا
کتاب میں لکھا ہوا کہیں کہیں حساب ہے

[خط پڑھتا ہے]

اے میرے پسر شریر بیدل
خونی ، راہزن ، شریر ، قاتل
دل شیر سے بدی کا یار ہے تُو
بدکار ہے ، بدشعار ہے تُو
ماں ہوں ، تجھے اور کیا کہوں میں
بیزار تیرے چلن سے ہوں میں
اب بھی باز آ ، پسر چلا آ
بد راہ کو چھوڑ ، گھر چلا آ

[بیدل کا نام پڑھ کر خوش بخت چونکتا ہے]

بیدل یہ نواب کا ہے نام
رومال پہ بھی لکھا ہے یہ نام
کتاب ایسی نواب کی ہے سڑی
باورچی کی ہو جیسے کوئی بہی

[خوش بخت کتاب کو پڑھتا ہے]

حجامت بنوائی ساڑھے تین پائی ، پندرھویں بار جوتے کی گٹھوائی ایک آنہ نو پائی ، پیاز ، تین دمڑی کی ، روٹی سالن پانچ پیسے ، کھیسا کترنے کی قینچی تین آنہ تین پائی ، بے ہوشی کی دوا روپیہ سوا ، زہر کی پڑیا گیارہ آنے ، بکس توڑنے کا ہتھیار روپیہ چار -

[خوش بخت حساب پڑھ کے حیران ہوتا ہے]

خوش بخت : گانا[1]

پایا ہے ثبوت خوب ، اب رہی نہ کمی
خوشی ہوئی ، کوئی نہ رہا نشانِ غمی ، بے کلی
بال بال سب ، خال خال سب ، حال چال سب
ملا حسب و نسب ، اب گئی غمی
فریب ، جال تمام تھے یہ سب
یار غار چور دل شیر کا ، وہ تھا بھیس بنا نواب کا
کلام جھوٹا ، نام جھوٹا ، بس کھلی نوابی و ہمدمی
تلاش میرے فکر کی تھمی تھمی ــــ پایا ہے

[خوش بخت خوشی سے جاتا ہے ، دل شیر آتا ہے]

دلِ شیر : تلاش کر کے تھکا میں ، نہیں ملا بیدل
مکان پر بھی نہیں ، پھر کہاں گیا بیدل
(سامنے آتا ہوا دیکھ کر) وہ آ رہا ہے (آتا ہے) ارے کیوں کہاں رہا بیدل ؟

۱- کلیان ، ترانہ

بیدل : مجھے چھوڑ کے چل دیے تم اکیلے
بنی جان پر کیسی لاحول میرے
جسے ڈاک پر تم نے لوٹا تھا جا کر
ملا تھا ابھی وہ اسی جا پہ آ کر
اسے اُلٹا سلٹا بتا کے میں بھاگا
یہ سویا ہوا فتنہ پھر کیسے جاگا ؟
کہاں ہے وہ مقتول اور اس کا لاشہ
یہاں دھر پکڑ ہوگی اب بے تحاشا

دل شیر : مار کے ، لاش کو دریا میں اٹھا کے پھینکا
بھاگتے حال مجھے بھی نہ کسی نے دیکھا .

بیدل : جعل سے ، چال سے ، کمال کر کے مال جال
مارے ہو ایک کھال بھی کھچواؤ گے
بال بھی نہ ایک سر پہ اب رہے گا جان لو
تال کب تلک بھلا یہ بیٹھ کے جاؤ گے
نیک فال ! دیکھ بھال کے خیال کر خیال
کال ہے ، وبال ہے ، یہاں سے گر نہ جاؤ گے
کھا چکے بہت پلاؤ ، نان شیر مال ، مان
اب رہے یہاں تو یار جوتیاں بھی کھاؤ گے

[بیدل ڈرتا ہے ، دل شیر ہمت دیتا ہے]

دل شیر : **گانا**[1]

جیا ڈر کر ، توری کاہے بھر بھر آوے چھتیاں
کیسی بتیاں ، ڈر سے جھوٹ ہی سناوے
کاہے تو بھیانک منہ اپنا بچکاوے ـــــ جیا
چل تو وطن اپنے ، چلنا اب ہے لازم
وہاں باتیں ہیں کوئی بنانی
پھر تو گزر جھٹ پٹ ، جاویں دکھ کی رتیاں ـــــ جیا

بیدل : شادی ہونے سے جو پہلے حال سب کھل جائے گا
جیل میں بے شک مشرف ، دونوں کو بھجوائے گا
دے کے دھوکا یوں ہی بیاہا مادر نے ریحان کو
مر گئی رو رو کے وہ آخر تمھاری جان کو
ہر جگہ جا کے جو ہو جاؤ گے عورت کے غلام
پیٹ کا دھندا چلے گا کس طرح ؟ کیا ہوگا کام ؟

دل شیر : میں سمجھتا ہوں ، نصیحت کی نہ کر بات ، تو چل
مرشد آباد ذرا آج مرے ساتھ تو چل

بیدل : مرشد آباد کو ؟

دل شیر : ہاں !

بیدل : کیا تمھیں سوجھی ہے بھلا ؟
ڈالنا پھر تمھیں منظور ہے پھانسی میں گلا

۱- دیس ، ٹھمری

وان سے ہم بھاگ کے آئے ہیں کئی بار چلے
اب تو بندہ نہ وہاں جیتے جی زنہار چلے

دل شیر : ایک بار اور مرے کہنے سے ہمّت کر تُو
پھر تمام عمر مرے ساتھ میں عشرت کر تُو
میری بیٹی جو ہے ریحان وہ بہرام کے گھر
اس کے نانا سے کئی سال کا لینا ہے زر
دوسرے قتل جو قادر کو کیا ہے آ کر
اس کے گھر جھوٹ سنائیں گے پہنچنے کی خبر
تا کہ پھیلے بھی جو اس خون کی کچھ بات اگر
لوگ جانیں گے ہے قادر تو مشرّف کے گھر
تھوڑے دن بات جو چھپ جائے تو ہو کام اپنا
ہو دل آرام سے شادی تو ہو آرام اپنا
چل بس اب ساتھ مرے ، دیر نہ کر

بیدل : میں ؟ توبہ !
مرشد آباد میں کیا جان مجھے ہے دینا ؟

دل شیر : تو نہ جائے گا ؟

بیدل : نہ جاؤں گا !

دل شیر : نہ جائے گا ؟

بیدل : نہیں !

جاؤ تم گھر میں مشرّف کے ، رہوں گا میں یہیں

دل شیر : (غصّے سے)

جا جہنّم میں ، دفع ہو ، دور ہو ، فی النّار ہو

بیدل : جان لینے پر مرے کیا آج تم تیّار ہو ؟

[دل شیر جاتا ہے ، بیدل اپنی بزدلی پر افسوس کرتا ہے]

گانا[1]

او وحشت پر وحشت ، تو جب تک ہے ساتھ ،

ہمّت کی بازی ہے مات

ہے آفت کی ہیبت سے صحبت دن رات ،

ہمّت کی بازی ہے مات

تو جنگل میں آئے کہلائے شیطان ،

تو دنگل میں آئے تھرّائے انسان

ناکامی بدنامی ہے تیری سوغات ،

ہمّت کی بازی ہے مات

تو بدی سے باز آتی ، نیک ہو جاتی ،

تو ہوتی کیا اچھی سی بات

[جاتا ہے]

۱- طرز انگریزی : Air : So much the better for you

پردہ چھٹا

سرائے (کا) باہر کا حصہ

[خوش بخت اپنی پریشانی کی شکایت کرتا ہوا آتا ہے اور
تھک کے سیڑھی پر بیٹھتا ہے]

خوش بخت : گانا[1]

پھر گئی ہے یار کی چشم و نظر ، گردش میں ہوں
چرخ سا اے آسماں ، آٹھوں پہر گردش میں ہوں
کار ہے پھرنا ہی میرا ہر گھڑی پرکار سا
جوں دماغِ صاحبِ دورانِ سر گردش میں ہوں
طالبِ دیدارِ ساقی ہوں ، مگر اے دوستو !
مثلِ ساغر کس لیے میں عمر بھر گردش میں ہوں

[دروازہ کھول کر ریحان باہر آتی ہے اور خوش بخت کو
دیکھ کر در بند کر لیتی ہے - خوش بخت اسے
دیکھ کر فریفتہ ہوتا ہے]

ریحان : تم کون ہو اے صاحب؟ کیا نام ہے ؟ بتلاؤ
اس گاؤں میں آنے کا ، کیا کام ہے ؟ بتلاؤ

۱- بھیرویں ، غزل

خوش بخت : ہوں ایک مسافر میں ، آیا ہوں تھکا ماندہ
چل چل کے تھکا ہارا ، بیزار ہوا ، ماندہ

ریحان : ہے تو سرا یہ لیکن مالک گئے ہیں باہر
میں بیٹھنے کو لاؤں ، تم بیٹھ جاؤ دم بھر

[ریحان اندر سے ایک چوکی لا کر بیٹھنے کو
کہتی ہے ، خوش بخت بیٹھتا ہے]

بیٹھیے صاحب ! تشریف لائیے ، سفر میں تکلیف پا
چکے ، اب ذرا آرام فرمائیے - میں جب سے یہاں رہتی
ہوئی ، کوئی رات کو یہاں نہیں رہا ہے ، جبھی میں نے
ایسا کہا ہے - جب تک مالک کی مرضی نہ لوں ،
کیسے اترنے کے لیے آپ کو کہوں -

خوش بخت : تم بھلا یہاں کب سے رہتی ہو ؟ کیا یہ تمھارا گھر
نہیں ؟ یہ کیا کہتی ہو ؟

ریحان : چار برس سے یہاں میرا بسیرا ہے ، مگر خبر نہیں ،
میں کس کی ہوں ، کون میرا ہے - (آہ بھر کر) کہیے
صاحب کچھ درکار ہے ؟

خوش بخت : نہیں ، فقط تمھاری مہربانی درکار ہے -

[ریحان شرما کر جاتی ہے - خوش بخت اس کی تعریف کرتا ہے]

مرغِ زریں ہے ولیکن پھنس گئی ہے دام میں
ماہ ہے ، لیکن گہن کے ہے پھنسی آلام میں

آتشِ غم میں بھی کندن سا ہے چہرہ ہو رہا
سچ ہے سونا آگ میں پڑ کے دمکتا ہے سوا
آج رہ کے بھید اس لڑکی کا لینا چاہیے
ہو سکے تو ہاتھ سے اس کو نہ دینا چاہیے

[بہرام اور علامہ بازار سے سودا لے کر آتے ہیں اور
خوش بخت کو بیٹھا ہوا دیکھ کر حال پوچھتے ہیں]

بہرام : کون ہو صاحب ؟ کہاں سے آپ کا آنا ہوا ؟

خوش بخت : ہوں مسافر ، راہ میں بیمار ، اے دانا ! ہوا

علامہ : رہ جائیے ،

بہرام : مکان تمھارا ہے ،

خوش بخت : بندگی !

بہرام : کمرہ سجا ہے فرش تکلّف سے لاجواب
چلیے اب اندر آئیے ،

خوش بخت : احسان ہے جناب !

[خوش بخت ، بہرام اور علامہ کے ساتھ جاتا ہے]

باب پہلا

پردہ ساتواں

سرائے کا اندرونی حصہ

[ریحان خوش بخت کی تعریف کرتی نظر آتی ہے]

ریحان : گانا[1]

بھلا کیوں نہ دل نثار ہو، اگر ہو رشکِ چمن
جو، ایسا سجن، چال چلن آن سہاون، جان بھاون
— بھلا کیوں

مدھر، منوہر چھب ڈھب سندر،
بار بار کروں نثار تن من، — بھلا کیوں

[ریحان، بہرام اور علامہ کو آہستہ آہستہ آتے ہوئے دیکھ کر چھپ جاتی ہے]

بہرام : بول پھر کیا ہے ارادہ ؟

علامہ : میری عقل کیا تم سے ہے زیادہ ؟

بہرام : شکار تو موٹا ہے -

علامہ : تُو کس سے چھوٹا ہے -

۱- کھماچ، ٹھمری

بہرام : مال بھی کم نہیں ۔

علامہ : مار لیا کیا ایسے ہم نہیں ۔ جب سنسان ہو جائے ، وہ مسافر اور ریحان بھی سو جائے ، اپنا کام کرو ، آدھی رات کو اسے مار کے کام تمام کرو ۔

[ریحان ظاہر ہوتی ہے اور دونوں کو برے کام سے باز آنے کو کہتی ہے]

ریحان : بے ادبی معاف ، اے نیک اوصاف ! خدا سے ڈرو ، ہرگز بری نیت نہ کرو ، بارِ گناہ سر پر نہ دھرو ۔ جو تمھیں کرنا ہے ، میں نے سب سن لیا ہے ۔ کہو تو ابھی کہہ سکتی ہوں ، مگر کبھی اس بات میں خاموش نہیں رہ سکتی ہوں ۔

بہرام : کیا تو نے سب سن لیا ؟ خیر کیا ہوا ، تو میری بھلائی چاہتی ہے اور بے شک جان فدائی چاہتی ہے ۔

[شور سن کر خوش بخت پوشیدہ آن کر سب سنتا ہے]

ریحان : کسی کی بھلائی میں کسی کی برائی نہیں چاہتی ۔ جلے ایسا مال جس کے لیے بے گناہ کا ہو خیال ۔ جس کو گھر میں بسانا ، اسی پر تلوار چلانا ؟ جب تک میں جیوں گی ، اس مسافر کا خون تم کو زنہار نہ کرنے دوں گی ۔

علامہ : ہیں ہیں ہیں ! اری چپ دیوانی ، کہیں اوپر سے وہ سنتا نہ ہو ۔ نہیں تو شکار بھی ہاتھ سے جائے اور الٹی آفت آئے ۔

ریحان : اگر یہ اوپر والا نہ سنے تو وہ اوپر والا تو سنتا ہے جو سب کے سر پر ہے اور جس کا نام داور ہے ۔ ابھی شور مچاؤں گی ، اپنے آہ و نالہ سے اس سوتے کو جگاؤں گی ۔ فریاد اٹھاؤں گی ، تمھیں خاک میں ملاؤں گی ۔

بہرام : کیا مجال ! ابھی کھینچ لوں تیری کھال ، زبان سنبھال ، ورنہ آئے گا تیرا کال ۔

علامہ : ہم نے تجھے پالا ہم سے عداوت ، اے رذالہ ! بیگانے پر دل آیا ، ہمارا احسان بھلایا ۔ کیوں اے نمک حرام ! جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام ۔

ریحان : گانا [1]

جا جا مت کر عیاری ، بدکاری
دے ڈالوں گی جان ، مان — جا جا
جاؤں گی تیرا گھر ابھی چھوڑ کر
ہوگی اگر خونخواری ۔
جاتی جانی تیری میں نے آنا کانی ساری — جا جا

علامہ : دیکھ اب بھی مان جا ، نہیں تو یہیں مرے گی ، اگر نہ نہ کرے گی ۔

۱۔ تلنگ ، ٹھمری

ریحان : گانا[1]

اگر مگر مت کر ، ناہیں رگر جھگر بھاوے ری ـــ اگر مگر
ارج کرت میں ہاری گرج تو ہے پیاری
نظر مو پہ قہر کی کیوں کر کے ڈراوے ری ـــ اگر مگر

[علامہ ، ریحان کے ساتھ ضد کرتی ہے - اس کو زمین پر پٹکتی ہے - ریحان چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی ہے - خوش بخت آ کر بہرام کو پٹک کر اس کی چھاتی پر چڑھتا ہے ، علامہ گھبراتی ہے]

علامہ : ہائے اللہ اب کیا کروں ! (خود سے) چھری لاؤں ، موئے کو خاک میں ملاؤں -

[علامہ چھری لانے جاتی ہے - بہرام زور کرکے خوش بخت کو پچھاڑتا ہے - علامہ آتی ہے اور خوش بخت کو بہرام پر غالب جان کر جلدی میں چھری بہرام کے سینے میں چلا دیتی ہے - بہرام چیخ مار کر تڑپتا ہے - علامہ ، بہرام کو چیختے دیکھ کر غم کرتی ہے]

ہائے کیسی ہوئی ہے مجھ سے بھول
مجھ سے شوہر ہوا مرا مقتول

خوش بخت : تیری زنہار کچھ نہیں ہے خطا
نیتِ بد کی یہ ملی ہے سزا

[خوش بخت فوراً چھری کو اٹھا لیتا ہے اور علامہ کو زمین پر پچھاڑ کر حال پوچھتا ہے]

خون اس گھر میں ہوئے ہیں کتنے ؟

علامہ : بس تھامو زبان
نام بھی مت خون کا لو ، کانپتی ہے میری جان

۱- سورٹھ ، ٹھمری

خوش بخت : چپ اری مکّار! مجھ کو ہے تری بالکل خبر

علامہ : آہ! جب تو مجھ بچاری سے کرو تم درگزر
میں ہوں اک کمزور عورت ، میرے سے کیا ہو سکا
کرنے والا تو تمھارے دھوکے میں مارا گیا

خوش بخت : تُو نہیں خونی ، نہیں مجرم ، ولیکن تھی شریک
پوچھتا ہوں میں ، جو بتلا دے مجھے تو ٹھیک ٹھیک

علامہ : سچ ہے میں اور میرا شوہر ساتھی تھے بدکار کے
اس بری صحبت سے قابل آج ہیں ہم دار کے

خوش بخت : مجھ سے پہلے سال کے پانچ آیا تھا کوئی یہاں ؟

علامہ : اک مسافر ، شکل جس کی تھی تمھاری سی میاں
تھے مرے شوہر کے ساتھی دو ، وہ لائے تھے اسے

خوش بخت : اور اُتارا بھی لیا اِس گھر میں تھا اُس شخص نے ؟

علامہ : ہاں اُتارا بھی لیا تھا ، نوٹ بھی تھے بے شمار
پاس اس کے ، اور وہ آیا تھا گھوڑے پر سوار
اور ہم لوگوں نے اس کا مل کے کر ڈالا تھا خون
گھر میں گاڑا ہے اُسے چھپانے کو یہ کارِ زبوں

خوش بخت : ہائے او خون‌خوار ظالم ، تھا وہ میرا ہی پدر
مار ڈالا جس کو تم نے جان سے اے بدگُہر

[بیدل کی نوٹ بک کھیسے سے نکال کر دکھاتا ہے]

ہے بھلا یہ نوٹ بُک ، بتلا تو کس انسان کا ؟

علامہ : ایک شوہر کا مرے ساتھی تھا ، اُس بے دھیان کا

خوش بخت : تھا ترے شوہر کے دونوں ساتھیوں کا نام کیا ؟
علامہ : ایک کا دل شیر ، بیدل دوسرے کا نام تھا
خوش بخت : مل گیا تیری گواہی سے مجھے کامل ثبوت
علامہ : دو گے حاکم کو مجھے ، تم کر کے سب حاصل ثبوت
خوش بخت : ایک عورت بھی اگرچہ شاملِ تقصیر ہو
مرد کے ہاتھوں سے اس پر کیا بھلا تعزیر ہو
اور تجھ سے ہے ابھی لینا مجھے لیکن پتا
قول دیتا ہوں اذیّت دوں نہ کچھ اس کے سوا
. . . .[1]
کھا گئے ہیں ، اس کو کیڑے ہے وہ بوسیدہ تمام
ریحان : مر گیا بہرام خونی ، اور علّامہ کی لاش
ہوگی وہ ، دیکھا جسے تم نے بندھی اے خوش قماش
حال ان کے کھیل کا میں کر چکی ہوں سب بیاں
اب نہیں رہتی وہاں میں ، چھوڑ آئی ہوں مکاں
ساتھ میں خوش بخت کے ، رہتی ہوں اب اس روز سے
اک سرا میں ، کیونکہ ہیں خوش بخت ماندے ہو گئے
جا رہی تھی میں دوا لانے کہ روکا آپ نے
دیر ہوتی ہے ، مگر جانے مجھے اب دیجیے
چور تھا ، خونی تھا ، وہ بہرام موذی نابکار
تم ہو حاجی اور تمھارے دوست ایسے بدشعار

۱۔ ''شیر دل شیر'' مطبوعہ فیض عام پریس لاہور کا صفحہ ۴۶ یہاں ختم ہو جاتا ہے لیکن صفحات ۴۷ و ۴۸ مطبوعہ کتاب میں نہیں ہیں ۔ مرتّب

مر گئے ، ماں باپ کا میرے نہیں مجھ کو پتا
باپ بھی ہوتا تو ایسا حال کیوں ہوتا مرا

دل شیر :
میں نے تیری پرورش میں کیا کمی کی ، غور کر
بھیجتا تھا خرچ تیرا میں سدا بہرام پر
تو مگر کرتی ہے کیسی بے مروت ہو کے بات
کیوں پسند آیا بھلا خوش بخت کا ہے تجھ کو ساتھ

ریحان : نیک ہے ، اشراف ہے ، وہ خاندانی ہے امیر
دام میں احسان کے اُس کے ہوئی ہوں میں اسیر

دل شیر : مجھ سے بھی احسان اس کا ہے زیادہ ؟

ریحان : ہو نہ ہو

لیکن اس بیماری میں چھوڑوں اُسے کیونکر کہو
اس سفر میں ساتھ اس بیمار کے کوئی نہیں

دل شیر : چھوڑ اُس کو ، دشمنِ جاں ہے مرا وہ بالیقیں
میں ولی تیرا ہوں ، نانا سے ترے تجھ کو لیا
پالنے کے واسطے بہرام کے گھر رکھ دیا
سالیانہ جو تجھے ملتا ہے نانا سے ترے
میں اُسے لینے گیا تھا ، پر نہیں دیتے مجھے
کہتے ہیں جب تک نہ دیکھے آنکھ سے ریحان کو
زر نہ دے ہرگز ، ہمارے ساتھ تم اب واں چلو

میں ولی تیرا ہوں ، مجھ کو ہے ترے پر اختیار
کون ہے خوش بخت تیرا ، چل اسے ہونے دے خوار

[دل شیر ریحان کو کھینچتا ہے ، ریحان منت کرتی ہے]

ریحان : گانا[1]

سنگ تیرے کبھی نہ جاؤں، تو ہے حال سناؤں
جلدی لاؤں دارو ، اس کو میں پلاؤں
اس کے دکھ سے تو گھبراؤں۔۔سنگ تیرے
کون خبر لے ، جان وہ بے چارہ دے
جانے دے ، مناؤں تو ہے عرج سناؤں۔۔سنگ تیرے

دل شیر : بدلے دارو کے ، اسے زہر کے پیالے دے
چل مرے ساتھ ، اسے قبر میں سو جانے دے

ریحان : رحم کر بیمار پر ، تو کچھ خدا کے واسطے
ہے کوئی اس کا نہیں دارو دوا کے واسطے

دل شیر : تو اگر بیمار اس کی ہو ، قضا آئے تری
اس کے جیسے سو اگر مر جائیں جوتی سے مری

[دل شیر ، ریحان کو کھینچتا ہے]

ریحان : خیر میں جا کر تسلی اس کو دے آؤں ذرا

[ریحان جانا چاہتی ہے ، دل شیر روکتا ہے]

دل شیر : اک قدم آگے بڑھی تو توڑ ڈالوں سر ترا

۱- بھیرو ، ٹھمری

ریحان : ایک چٹھی لکھ کے بھجوانے کسی سے دو مجھے
دل شیر : کچھ نہ کرنے دوں گا ، اس کے واسطے ہرگز تجھے
ساتھ تو اک بار میرے چل ، وہاں تک بے ہراس
ریحان : دو گے آنے پھر وہاں سے ، تم مرے محسن کے پاس ؟
دل شیر : زر جو مل جائے تو آنے کا ہے تجھ کو اختیار
ریحان : خیر اے خوش بخت ، حافظ ہے ترا پروردگار
مل کے آنے دو ذرا خوش بخت سے تو لے چلو
دل شیر : بس زیادہ مت بکو ریحان ! سیدھے سے چلو

[دھکا دے کر دل شیر ، ریحان کو لے جاتا ہے]

پردہ دوسرا[1]

مسافر خانہ

[امانت شراب پیتے ہوئے نظر آتا ہے۔ بیدل امیرانہ پوشاک میں نوکر کے ساتھ آتا ہے۔ امانت اسے بغور دیکھتا ہے]

نوکر : بیٹھیے ، حاضر یہاں ہر طور کا سامان ہے

امانت : آئیے ، یوں آئیے ، بندہ بھی اک مہماں ہے

[امانت بتاتا ہے ، بیدل بیٹھتا ہے]

بیدل : ہاں زہے قسمت (نوکر سے) منگا کھانا مری خاطر شتاب !

نوکر : بیٹھیے تو ، ایسی کیا جلدی ہے اے عالی جناب !

بیدل : سیر سارا دن کیا ، بھوکا ہوں ، کھانا چاہیے

امانت : (خود سے)

ہے کوئی سونے کی چڑیا یہ ، پھنسانا چاہیے

(نوکر سے) ایک بوتل اور لاؤ

نوکر : دام ؟

امانت : جاتا ہے کہیں ؟

دیں گے ہم یا دیں گے یہ ، ہم اور یہ کچھ دو نہیں

[امانت گلاس بھر کے بیدل کو دیے جاتا ہے]

۱۔ اصل نسخے میں صفحہ ۴۷ و ۴۸ نہیں ہیں ۔ دوسرے باب کا پہلا پردہ غالباً انھی دو صفحات میں سے کسی پر ہوگا ۔ اس پردے میں ریحان اور دل شیر کا مکالمہ ہے ۔

بیدل : (خود سے)

ہم تو جیسا دیں گے ، کچھ دن یاد کرنا تم بچا !

امانت : لیجیے ، اس کا بھی چکھیے ہاتھ سے میرے مزا

بیدل : جی نہیں ، میں اور منگواتا ہوں

امانت : توبہ کیجیے

مال اپنا ہی سمجھیے یہ ، قسم ہے ! لیجیے

بیدل : مہربانی آپ کی ہے ، آپ کا احسان ہے

[امانت اپنا جام زمین پر گرا دیتا ہے اور پہچاننے کے لیے
بیدل کو ناسدانی دیتا ہے]

امانت : لیجیے ، یہ ناس بھی حاضر اے عالی شان ہے

[بیدل ناس سونگھتا ہے ۔ اتنے میں امانت بیدل کے جام میں ،
اُسے بےہوش کرنے کو ، بہت سی شراب ڈال دیتا ہے]

(خود سے)

ہے بناوٹ بھیس میں اس آدمی کے بے گماں

(بیدل سے)

رہنے والے آپ کیا اس شہر کے ہو ؟

بیدل : جی نہیں !

[نوکر ایک بوتل شراب لا کر رکھ جاتا ہے]

امانت : ہوگا دنیا میں نہیں اس شہر کا ثانی کہیں

بیدل : سچ ہے !

امانت : بندہ ایک سوداگر ہے عالی شان

بیدل : ہاں

امانت : لیجیے ، میرا پتا اس پر لکھا ہے سب عیاں

[امانت اپنے پتے کا ایک کارڈ دیتا ہے - بیدل اس کو پڑھتا ہے]

بیدل : سیٹھ امانت شاہ !

امانت : جی ہاں !

بیدل : اور یہ میرا بھی لو !

[بیدل اپنی مُہر کا کارڈ دیتا ہے]

امانت : واہ واہ نواب بدرالدولہ !

بیدل : جی ہاں !

امانت : کیوں نہ ہو !

بیدل : آپ آتے ہو نظر اک تجربہ کار آدمی

امانت : جو رہے میرے سا بے شک وہ ہے ہشیار آدمی
تین سر کا آدمی دیکھا ہے تم نے ذی حشم ؟

بیدل : تین سر ؟

امانت : ہاں تین سر ہیں ، آپ کے سر کی قسم
سامنے کی آنکھ پھوٹے ، جھوٹ اگر کہتے ہوں ہم

بیدل : (خود سے)
''سامنے کی آنکھ'' میری آنکھ کہتا ہے لعین
یہ سمجھتا ہے کہ گویا میں سمجھتا ہی نہیں
(امانت سے)

ہم بھی دنیا بھر پھر آئے ہیں ، کیا اتنا سفر
گر بیاں کرنے لگیں تو بیت جائے سال بھر

امانت : ہاں بھلا کچھ تو بیاں فرمائیے احوالِ سیر
بیدل : گیت اپنی سیر کا گاتا ہوں میں ، اب سنیے خیر

[بیدل بہت پینے سے نشے میں ہو جاتا ہے]

گانا[1]

کلکتہ ، ڈھاکہ ، دلی ، لکھنو ، آگرہ تمام
سینگاپور ، پینگا ، رنگون ، برہما ، مانڈ لامقام
مدراس ، لنکا ، بمبئی ، سورت ، کشور نظام
پشاور ، علی مسجد ، پنڈی ، سندھ لا کلام
گھومے چین سے دوام ، بیٹھے چھان کے تمام
چاندی ، سونا ، موتی ، ہیرا پایا خوب سا مدام
خاطر داری شوق سے کرتے خاص و عام
حاضر ساری نعمتیں ، مفت میں مدام
کھانا ، پینا ، گھومنا ، رنج و غم حرام
عزت ، دولت ، تمکنت ، چین ، دھوم دھام
کلکتہ ، سکھر ، بھکر ، چکر مارے بے قیاس
کانشی جی ، لاہور اور الہ آباد ، کرانچی خاص
یورپ میں لنڈن ، پیرس دیکھا خوب بے ہراس
راج واڑے ، جے پور ، جس میں سالم پھاس
نت بریانی ، باقرخانی ، بوتل سامنے گلاس

۱- طرز انگریزی : air : whist gallop

دیکھو میری جاہ مان ، دیکھو میری شان
ملتا جو وہ جانتا مجھ کو اپنی جان
آنکھوں پہ فرمان ، سب رکھتے تھے انسان
اچھی قسمت مانتے ، ہوتا گر مہمان — کلکتہ

[امانت تماشے کے بنڈلوں کے ساتھ نوٹ دکھا کر ایک
کھیسے میں بنڈل اشتہاروں کے ڈالتا ہے ، دوسری
طرف نوٹ ڈالتا ہے]

امانت : آپ بھی تو خوب کر آئے سفر اے نامدار !

بیدل : (خود سے)

نوٹ تو اللہ رے ہیں ، پاس اس کے بے شمار !

امانت : (بناوٹ سے)

چکّر آتا ہے مجھے صاحب ، چڑھا بے حد نشہ

[میز پر ہاتھ اور ہاتھ پر سر رکھ کر امانت سو جاتا
ہے ، بیدل شانہ پکڑ کر ہلاتا ہے]

بیدل : کیوں ہوئے بے ہوش (خود سے) موقع خوب ہے مجھ کو ملا

مال اس کا سب اڑا لو ، ہوش اس کا کھو گیا
نوٹ جو سب مل گیا تو کام اپنا ہو گیا

[بیدل ترکیب سے جیب میں سے بنڈل اور نامدانی نکالتا
ہے ۔ امانت نشے میں ہو کر بیدل کو شراب پینے
کو کہتا ہے]

امانت : یہ تکلف مجھ کو صاحب آپ کا بھاتا نہیں
پیجیے !

بیدل : پیتا ہوں میں ، کچھ بھاگتا جاتا نہیں

[امانت نشے میں ہو کر بیدل کو بہت سی شراب دیتا ہے]

امانت : لیجیے سب پیجیے ، یہ جام میرے ہاتھ سے

بیدل : ہوگیا لاچار میں تو آپ کی بس بات سے

[بیدل ایک بار پینے سے نشے میں ہوتا ہے اور بکتا ہے]

گانا [1]

مزا کرو یار مزا کرو ، ناچو ، گاؤ ، بجاؤ — مزا کرو
دھوم دھام ہو مدام ، غم کو ذرا دے کے رضا
وار مزا ، پار مزا ، مار مزا ، کھاؤ پیو ناچو گاؤ — مزا کرو

[بیدل ناچتا ہے اور میز پر زور سے ہاتھ مارتا ہے - امانت ہنستا ہے - نوکر گھبرا کر آتا ہے ، امانت سمجھاتا ہے]

امانت : نہ گھبراؤ ، خوش دل ہیں یہ آدمی
کریں گے نہ نقصان لیکن کبھی

[نوکر جاتا ہے - بیدل سامنے سے تھانیدار اور سپاہیوں کو آتا ہوا دیکھ کر گھبراتا ہے]

بیدل : ارے توبہ ! یہ کیسی آئی بلا

[بیدل میز کے نیچے چھپ جاتا ہے - تھانیدار مع سپاہیوں کے داخل ہو کر امانت سے حال پوچھتا ہے]

۱- طرز انگریزی : Air : Joham Come

کوتوال : کہاں ہے اجی مالک اس جائے کا ؟
امانت : وہ اندر ہے صاحب ، یہ ہے راستا

[ہاتھ سے راہ بتاتا ہے]

بیدل : (خود سے)

دفع ہو یہاں سے ، ارے بے حیا
کوتوال : کرو معاف ، تکلیف میں نے دیا

بیدل : (خود سے)

کرے تجھ کو شیطان ! غارت خدا

[آواز سن کر کوتوال ادھر اُدھر دیکھتا ہے]

امانت : مگر کیسے آنا ہوا آپ کا ؟

بیدل : ارے ہونے دیتا نہیں کیوں دفع ؟
کوتوال : لگانا ہے دو چوروں کا یاں پتا

بیدل : (خود سے)

پھنسا ہوں میں یاں آ کے کیسا برا
کوتوال : وہ ہوگا کہیں جی بچا کے چھپا
مگر ہم سے بچ کے کہاں جائے گا
چھپا ہے ، مگر سامنے ہے مرے

[کوتوال کی بات پر بیدل گھبراتا ہے]

بیدل : ارے میں نہیں ، کہتے ہو کیا مجھے

[کوتوال بیدل کو دیکھ کر اس کی طرف جاتا ہے ۔
بیدل بات ٹالنے کے لیے زمین میں کوئی چیز ڈھونڈتا ہے]

کوتوال : نہیں تُو اگر تو بتا کون ہے
مجھے حال اپنا سنا کون ہے ؟

تیرا نام ؟

بیدل : گلفام !

کوتوال : پیشہ ؟

امانت : صاحب جانے بھی دو ، متوالا ہے ، کب سے کچھ نہ کچھ بکتا ہے ۔

کوتوال : پر یہ میز کے نیچے کیا دیکھتا ہے ! کیا کچھ گرا ہے ؟

بیدل : جی ہاں میرا روپیہ گرا ہے ۔

کوتوال : کہاں ؟ کدھر ؟

بیدل : میں جانتا تو خاک کیوں چھانتا ، ڈھونڈ لاؤ تو بتا دیں (بہانے سے) ملا ملا ! یہ مل گیا ۔

کوتوال : اچھا تو میں چلا

بیدل : خوب ٹلی بلا ۔

امانت : سلام علیک ، علیک السّلام ۔

کوتوال : (جاتے جاتے) کیا کہنا (جاتا ہے)

امانت : پیر کی گت مجاور جانے ، چور کی لس چور پہچانے ، ہیں ہیں ! میں نے پہلے ہی بھانپا تھا کہ شیر کی کھال میں کوئی بھیڑیا ہے ، آخر وہی نکلا ۔ کوتوال کے آنے سے جب چھپا تو اور بھی ظاہر ہو گیا ، چور کی ڈاڑھی میں تنکا ۔ اب اس کا سر الٹے استرے سے مونڈوں ، تب تو میں سہی چور کا بھائی گٹھ کٹا ۔

[کوتوال پھر آتا ہے]

امانت : (کوتوال سے) السّلام علیکم ۔

کوتوال : علیک السّلام صاحب ! (جاتا ہے)

بیدل : گیا یا نہیں نابکار ، جھک جھک کے ہوا میں بیزار ۔

امانت : آؤ ، نکل آؤ ، گیا وہ عقل کا ادھورا (بیدل باہر آتا ہے ، امانت اس سے گھبراتا ہے) ۔ ارے وہ تمھاری قبا پر شاید بچّھو ہے ، یا کن کھجورا ۔

[بیدل بچّھو کا نام سن کر بدحواس ہو کر جُبّہ اتار دیتا ہے ۔ امانت ناسدانی جیب سے نکال کر بچّھو کی تلاش میں دھڑپ بیچ کرتا ہے اور جبّہ رکھ دیتا ہے]

لو نہیں ہے ، کہیں گیا ، جانے دو ، مجھے ذرا ضروری کام ہے ۔ تم ٹھہرو ، میں جاتا ہوں اور اسے کرکے ابھی آتا ہوں ۔

بیدل : (خود سے)

یہ ٹل جائے تو میں بھی دیکھوں وہ مال
جو میں نے لیا جیب سے ہے نکال

(امانت سے)

بہت خوب ! سوتا ہوں میں تو یہاں
مجھے ہو گیا ہے نشہ بے گماں

[بیدل بہانے سے سو جاتا ہے - امانت دوات سے سیاہی نکال
کر بیدل کے منہ پر لگاتا ہے]

امانت : اوہ ! پسینہ منہ پر بہت آیا ہے ، میں پونچھ دیتا ہوں - آپ سو رہیے -

[امانت جاتا ہے ، بیدل خوش ہو کر جیبے کی جیب میں ناسدانی
دیکھتا ہے اور نہ ملنے سے حیران ہوتا ہے]

بیدل : ایں ! ناسدانی کہاں گئی ؟ میں نے چرائی تھی یا فقط خیالِ محال ہے - شاید وہی لے گیا ، مجھے دھوکا دے گیا - خیر ناسدانی چھوڑو ، نوٹ تو دیکھو - (جیب دیکھتا ہے) ہیں تو سہی - آہا ! پو بارہ ہیں - ناسدانی کا ناس ہے ، بلا سے ، نوٹ تو پاس ہیں -

[اشتہاروں کے بنڈل کو نوٹ سمجھ کر دیکھتا ہے اور
حیران ہوتا ہے]

بت تیری ! میں تو اس کو نوٹ سمجھتا تھا مگر یہ تو سب تماشے کے اشتہار ہیں - یہ تو دل شیر کا دادا نکلا - جبھی جلدی سے بھاگا اور میں نے مال کے لالچ سے نہ روکا - یہ تو نیا رنگ ، نرالا ڈھنگ ہے -

[نوکر آ کر کھانا تیار ہونے کی خبر دیتا ہے]

نوکر : صاحب ! کھانا تیار ہے ، کہاں وہ تمھارا یار ہے ؟

[منہ کالا دیکھ کر ہنستا ہے - بیدل غصے ہوتا ہے]

بیدل : ایں ! کیسا بے تمیز ہے ، ہنستا ہے — کیا ہے ؟

نوکر : جی کچھ نہیں (خود سے) منہ کالا بخت اُجالا (ہنستا ہے) ۔

بیدل : گستاخ ، بے ادب ، نہیں جانتا میں کون ہوں ؟ نواب بدرالدولہ ۔

نوکر : ذرا اپنا منہ تو دیکھیے نواب صاحب !

بیدل : کچھ تیری شامت آئی ہے ، بچہ ! سر پر ایک بال نہ چھوڑوں گا ۔

نوکر : پہلے ذرا اپنا منہ دھو آئیے ۔

بیدل : اب جو تو نے دانت نکالے تو میں جوتے سے بات کروں گا ۔

نوکر : نواب صاحب خفا نہ ہو ۔ دیکھو تو سہی ، آپ کے منہ پر کالک کیوں لگی ہے ۔

[نوکر آئینہ دکھاتا ہے ، بیدل حیران ہوتا ہے]

بیدل : ہائے ہائے ! یہ کام اسی بدمعاش کا ہے ۔ توبہ ! کم بخت مال بھی لے گیا اور منہ بھی کالا کر گیا ۔

نوکر : خیر لاؤ ، ہمارا پیسہ چکاؤ ۔

بیدل : میری صورت تمھیں شریف کی سی نظر آتی ہے یا لُچّے کی سی ۔ ارے میں لٹ گیا ۔ سودائی نہیں ، دیوانہ نہیں ، نواب ہوں ، مگر شراب کی بدولت خراب ہوں ۔ میرے پاس کیا ہے کہ تمھیں دوں ۔

نوکر : نہیں ہے تو کھانے کیوں آیا ؟ جیب میں نہیں چکنی ڈلی چھیلا پھرے گلی گلی - وہی مثل - نکال پیسے ، نہیں چل تھانے - ارے واہ رے البیلے نواب - یہ منہ اور مسور کی دال ، دام دے یا کپڑے نکال -

[نوکر لڑتا ہے ، بیدل چلّاتا ہے]

بیدل : ارے مار نہ خدا کے لیے - اس وقت مجھے معاف کر دے ، میری قبا لے ، مجھے جانے دے -

[بیدل جبّہ اُتار دیتا ہے ، نوکر دھکے دے کر نکال دیتا ہے]

نوکر : چل نکل یہاں سے -

[نوکر بیدل کو مار کر نکالتا ہے ، بیدل چلاتا ہے]

ڈراپ سین

باب دوسرا تمام ہوا

باب تیسرا

پردہ پہلا

دیوان خانہ

[دل شیر اور مشرف باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں]

مشرف : ملا داماد مجھ کو آپ سا اچھے گھرانے کا
بجا لاؤں نہ کیوں میں شکر یہ مقصد بر آنے کا
ارادہ تھا عزیز و آشناؤں کے بلانے کا
کئی دن دھوم سے کرنا تھا جلسہ ناچ گانے کا
منع تم نے کیا ، کچھ حوصلہ اپنا نہیں نکلا
زمانہ کیا کہے گا ، جیب سے پیسہ نہیں نکلا

دل شیر : نہیں ڈرنا مناسب ایسی باتوں میں ، زمانے سے
نہیں کچھ فائدہ ، بے فائدہ دولت لٹانے سے
فقط ہے چار دن کی واہ وا پیسہ اڑانے سے
نہیں دیتا کوئی ، جب تنگ ہو انسان کھانے سے

مشرف : مگر کیا حرج تھا صاحب، عزیزوں کے بلانے میں؟

دل شیر : مجھے جانا ہے جلدی ، دیر ہوتی میرے جانے میں

مشرف : اور تو خیر ، مگر خوش بخت کو بھی نہ بلایا ۔
نامدار خاں جیسے کو دعوت نہ دی ۔ وہ لوگ اپنے جی

میں کیا کہیں گے ، تمام عمر مجھے شرمندہ کریں گے۔

دل شیر : اگر آج میں نہ گیا تو میرے وظیفے کے لاکھوں روپے ڈوب جائیں گے ، اس لیے آج تو شرعی نکاح ہو جانے دیجیے ۔ چند روز میں پھر آؤں گا اور یہاں آ کے جلسہ اور دعوت کروں گا ۔

مشرف : خیر جو کچھ مجھے منظور ہے ۔ دل آرام کی شادی آپ سے ہو یہ بہت ضرور ہے ۔ قاضی ابھی آتا ہوگا ۔ میں جاتا ہوں اور تمام تیاری کراتا ہوں ۔

دل شیر : بسم اللہ !

[مشرف جاتا ہے ، دل شیر سوچتا ہے]

خدا جلدی کرے سب خیر سے انجام شادی کا
نصیبوں سے ہوا ہے دیکھنا ہنگام شادی کا
نکاح ہو جائے تو جلدی سے دل آرام کو لے کر
نکل جاؤں کسی ٹاپو ، رہوں واں چین سے جا کر

[دل شیر سامنے سے خوش بخت کو آتا دیکھ کر حیران ہوتا ہے]

یہ کون ؟ خوش بخت ہے !

[افسوس سے دل شیر ہاتھ ملتا ہے ۔ خوش بخت آتا ہے ۔ دل شیر جی کڑا کر کے ، اپنے کو چھپانے کی تجویز کرتا ہے]

اوہو تسلیم حضرت ! آئیے بندہ نوازی کی

[ہاتھ ملانا چاہتا ہے ، خوش بخت ہاتھ جھٹک دیتا ہے]

خوش بخت :

پکڑ مت ہاتھ او ملعون ، خونی ، نا سزا ، موذی
کُھلا بد ذات مجھ پر حال تیری جعل سازی کا
پچھانا تیرا عالم میں دغا بازی کی بازی کا

دل شیر : (غصّے سے)

کسے کہتے ہو یہ ، انجان ہو کیا جان کے صاحب
سخن منہ سے نکالو ، آدمی پہچان کے صاحب

خوش بخت : نہ پہچانا تھا پہلے ، لیکن اب پہچان آیا ہوں
خبر لینے کو تیری خوب ، اے شیطان آیا ہوں

دل شیر : کون شیطان ؟

خوش بخت : تُو ، دل شیر نابکار -

دل شیر : کیا پہچانا ؟

خوش بخت : ابھی ہو جائے گا اظہار -

دل شیر : خوش بخت ! اگر تُو مجھے سچّا دل شیر جانتا ہے تو دل شیر کی دلیری بھی مانتا ہوگا - دنیا مین کوئی شے مجھے ڈرانے والی نہیں - اس وقت اپنی عزت کے لیے یہاں سے چلا جا ، ہمارے بیچ میں نہ آ ، اپنی جان ، اپنی حرمت بچا - ورنہ سات فلک کے پردے میں تو جا کر چھپے گا تو وہاں سے بھی تیری خبر لوں گا -

خوش بخت : اگر مر جاؤں گا تو بھی مشرّف کی عزت اور دل‌آرام کی زندگی برباد نہ ہونے دوں گا ۔ نابکار خونخوار ! اس نیکی کے بدلے اپنی جان تجھے میں آپ حوالے کرتا ہوں ۔ میرے باپ کی طرح مجھے بھی تو مار ، مگر اس بے چارے بڈھے رئیس کو نہ کر خوار ۔

[دم دینے سے بھی خوش بخت نہیں مانتا ہے ، آخر دل شیر عاجزی کرتا ہے]

دل شیر : رکھو اب سے ہماری دوستی آپ
عبث رکھتے ہو ہم سے دشمنی آپ
نہیں گر چاہتی تم کو دل آرام
مری تقصیر اس میں کیا خوش انجام
نہ بھڑکایا ، نہ ہم نے دل کو پھیرا
قصور اس میں نہیں زنہار میرا

خوش بخت : ہماری دوستی تم سے ! ارے واہ !
کمینے سے شریفوں کی ہو کیا راہ

[خوش بخت کے نہ ماننے پر دل شیر اور عاجزی کرتا ہے]

دل شیر : چھوڑ دو خیر مجھے یاں سے چلا جانے دو

خوش بخت : چھوڑ دوں تجھ سے ستم گار کو میں ، خونی کو ؟

[مشرّف آتا ہے اور جلدی میں خوش بخت کو نہ دیکھ کر دل شیر کو تاکید کرتا ہے]

دیر کیوں کرتے ہو ؟ ہیں آ گئے قاضی صاحب
آپ بھی بیاہ کو تیّار ہو جلدی صاحب

[یکایک خوش بخت کو دیکھ کر مشرّف خوش ہوتا ہے]

مشرف : کون ؟ خوش بخت ! اس وقت کہاں سے آئے ؟
کس شہر کو گئے تھے ، کب ہو وہاں سے آئے ؟
آ گئے وقت پہ تم بھی تو بہت خوب ہوا
آج ، ابھی ، بیاہ دل آرام سے ہے قادر کا

خوش بخت : آ گیا وقت یہ دینے تمھیں غم ناک خبر
شکر ہے آپ کی عزّت کو ابھی کم ہے ضرر

[مشرّف حیران ہو کر پوچھتا ہے ، دل شیر افسوس کرتا ہے]

مشرف : صاف فرمائیے ، کیا بات ہے ؟

خوش بخت : سنیے سب حال !

جعل کا گھر میں تمھارے یہ بچھا ہے سب جال
جانتے جس کو شریک اپنا ہو تم اور شریف
ہے وہ دل شیر ، مرے باپ کا اور میرا حریف
بن کے نوّاب جو رہتا ہے تمھارا ساتھی
ہے وہ بیدل ، نہیں نوّاب ، ہے اِس کا ساتھی
باپ کا اس نے مرے خون کیا ، میں نے پتا
جا کے خود اس کا لگایا ہے ، یہ لو ، اے دانا !

مشرف : آہ کیا بات ہے ؟ کیا جعل ہے ؟ اندھیر ہے کیا ؟
غصّہ آتا ہے کہ اندھیر یہ کس طرح ہوا

[دل شیر ٹالنے کے لیے باتیں بناتا ہے]

دل شیر : اندھیر کچھ اندھیر نہیں ، صرف سمجھ کا پھیر ہے -
عداوت ، محض عداوت ، دل آرام سے شادی نہ ہونے کی

عداوت - ہمارے نکاح اور منگنی سے ہماری رقابت - جھوٹا
الزام ، جھوٹی تہمت - جس دن اسے جواب ملا اور
ہماری شادی دل آرام سے ٹھنی ، جلن سے اس کی جان
پر بنی - صاحب وہی کینہ ، وہی دشمنی - ایک دشمن
سے ایک آبرو دار دوست کو ذلیل کرانا ، یہ کیسی
شرافت ، کیسا دوستانہ ؟ کل مجھے اس گھر میں پانی
پینا حرام ہے - اور اگر اس وقت اور کچھ میری حقارت
اور ذلّت آپ نے اس کے منہ سے سنی ، تو ابھی آپ
کو میرا سلام ہے -

خوش بخت : ہیں ! ہیں ! چوری اور سینہ زوری ، ابھی سب ظاہر ہو
جائے گا -

[خوش بخت ، بیدل کی ماں کے پاس سے لیے ہوئے رومال
اور زنجیر مشرّف کو دکھاتا ہے]

دیکھو رومال ، یہ زنجیر مرے باپ کی ہے
نام ہے اس پہ لکھا ، عقل کہاں آپ کی ہے
ماں سے بیدل کی یکایک جو ملاقات ہوئی
اس سے معلوم مجھے بھید کی ہر بات ہوئی
خوب خاطر کو جمع کرکے یہاں آیا ہوں
لو یہ تصویر بھی پولیس سے میں لایا ہوں

[خوش بخت تصویر نکال کر دیتا ہے - مشرف تصویر
کو دل شیر کے چہرے سے ملاتا ہے]

مشرف : آہ ! دل شیر ، اشتہاری ، اس پہ لکھا ہے یہ نام

خوش بخت : اور چہرہ ، اِس سے اس موذی کا ملتا ہے تمام

مشرف : ہائے اس نے کام میرا کر دیا کیسا تمام
خوش بخت : کر دیا اس نے بھتیجی کو تمھاری آ کے رام

[مشرّف مارنے جاتا ہے ، خوش بخت روکتا ہے]

مشرف : چھوڑنا موذی کو واجب ہے نہیں زنہار اب
دوں گا پولیس میں اسے ، ہے یہ خرابی کا سبب

خوش بخت : ٹھہریے جلدی نہ کیجیے ، ہو اگر مشہور بات
خاک میں مل جائے گی عزت تمھاری ، نیک ذات
آگ بھڑکانے سے کیا حاصل ؟ بجھانا چاہیے
اس کے ساتھی کو بس اب جلدی بلانا چاہیے

مشرف : ہے کوئی ؟

[نوکر آتا ہے]

نوکر : جی ہاں !
مشرف : (دل شیر کو بتا کر) بلانا جا کے اس کے دوست کو
نوکر : کون وہ نوّاب ؟
مشرف : ہاں ، چل جا یہاں سے دور ہو

[نواب کا نام سنتے ہی مشرّف غصے میں آ جاتا ہے ۔ نوکر
متعجّب ہو کر گھبرا کے جاتا ہے ۔ مشرّف آہ و افسوس
کرتا ہے ۔ دل شیر بھی غم کھاتا ہے]

دل شیر : (خود سے)

دل شیر ! خدا نے تھا جسے شیر بنایا
افسوس اسے عشق نے اب بھیڑ بنایا

[بیدل اکڑتا ہوا آتا ہے]

بیدل : آپ کا نوکر عجب احمق ہے ، اُلّو ہے نرا
سو رہا تھا میں ، دیا اس زور سے مجھ کو ہلا
یہ جگانے کا امیروں کے نہیں ہے قاعدہ
آپ نے شاید بلا بھیجا ہے ، کہیے ، کیا ہؤا ؟

[مشرّف دونوں پر حملہ کرتا ہے ، خوش بخت روکتا ہے]

مشرف : دور ہو ، نکلو ، اسی دم سامنے سے دور ہو
جاؤ ، بھاگو دونوں ، منہ کالا کرو اب موذیو !

[مشرّف دونوں کی طرف لپکتا ہے - دل شیر چلا جاتا ہے -
بیدل مارے ڈر کے ایک کمرے میں چھپتا ہے -
خوش بخت ، مشرّف کو مناتا ہے - بیدل کمرے
سے نکل کر بھاگ جاتا ہے]

خوش بخت : اب آپ بھی یہاں سے چلیے ، میں بھی ساتھ ہوں -
آنے جانے والوں کو سمجھائیے ، کچھ بات بنائیے ،
شادی ٹل جانے کی خبر سنائیے - اچھا ہوا آپ نے
دھوم دھام نہ کی ، آئیے -

مشرف : ہائے اس مکار ، بدشعار نے مجھے دبایا ، میں سب کو
خبر نہ کرنے پایا ، سو آج میرے کام آیا -

خوش بخت : اور اس نے یہ کی تھی ہُشیاری
جس میں اس کی کھلے نہ مکاری

[مشرّف ، خوش بخت کو گلے لگا لیتا ہے]

مشرف : ہائے او فرشتہ خصلت ، درد شریک عزیز ! اگر میں
تجھ سے دل آرام کی شادی کر دیتا تو کیوں یہ مصیبت

سر لیتا - مجھے معاف کر اور آج ہی اسے قبول کر
تا کہ دور سب ملال ہو -

خوش بخت : صاحب ! اب مجھے وہ خیال بھی نہیں ہے - میری شادی
یہاں سے دور ، ایک امیر کی نواسی ریحان نامی سے
ہوگئی - اب کچھ ملال بھی نہیں ہے - چلیے اب کام
دیکھیے ، اس کا انجام دیکھیے -

[مشرّف افسوس کرتا ہے - خوش بخت منا کر لے جاتا
ہے - دوسری طرف سے دل آرام لباسِ عروسی میں رنج
کے ساتھ آتی ہے - سہیلیاں سہاگ کا راگ گاتی ہیں]

سہیلیاں : گانا[۱]

شادی مبارک بھاگ بھری ، جم جم سوہے سہاگ
چمن می رہے تو پیاری شاد ، ہری ہو سدا رنگ راگ
چیری تیری ہوں آ کے حوریں پری ـــ شادی
کنگنا بندھا یہاں ، نازک ناز بھری ، میری بنری نادان
جگت میں رہے تیری ناموری ، عیش ہو نوجوان
نہ کم ہووے دم بھر راحت ذری ـــ شادی

[ایک سہیلی دل آرام کو غمگین دیکھ کر سمجھاتی ہے]

سہیلی : ہنسو بولو ، کس واسطے ہو ملول
کیھلے باغِ ارم میں شادی کا پھول

۱- مانڈ ، کربی

دل آرام : خدا مجھ کو بہنا ! وہ دن تو دکھائے
خبر ہے کسے ، کل کو کیا پیش آئے

سہیلی : ہنسو بولو ، آؤ کرو چل کے سیر

دل آرام : چلو تم ، چلو ، میں بھی آتی ہوں خیر

سہیلی نمبر۲ : چلو بہنا مہندی

سہیلی نمبر۳ : چلو آؤ ، کوئی بنانے چلیں

[سب سہیلیاں جاتی ہیں ۔ دل آرام اپنے حال پر افسوس
کرتی ہے]

دل آرام : گانا[1]

نہیں میرا وہ رنج جو ٹالے سے ٹل جائے
لگا ہے گھن جس چیز میں بےشک وہ گل جائے
غمِ نہاں کی ہو خبر کس کے دل کو ہائے
فلک سے دل کے ، کب غم کا بادل جائے
دیکھوں کیا دکھلائے خدا ، دیکھوں کیا چل جائے
جائے حسرت جان کی ، یا دم اول جائے

—— نہیں میرا

[مشرّف ، نورجہاں کے ساتھ فکر کرتے ہوئے آتا ہے]

مشرف : کیا کہیں ، ہم پر غضب ٹوٹا خدا کا یک بیک
کر گیا بس کام مجھ ناکام کا جو اے فلک

[مشرّف کو بےچین دیکھ کر دل آرام گھبراتی ہے]

۱۔ طرز انگریزی ; Jenny my own true love

دل آرام : (خود سے)

یا الٰہی ! خیر کرنا ، کچھ برے آثار ہیں
کیوں چچا کا حال کیا ہے ؟ کس لیے بیزار ہیں

مشرف : شادی کی ہوگی تم کو دل‌آرام تو امنگ
قسمت نے لیکن اور ہی بدلا یہاں ہے رنگ
دنیا تو اے عزیز ! یہ میدانِ جنگ ہے
دکھ سکھ کی جنگ جس میں سدا ایک رنگ ہے
شادی تمھاری ٹھہری تھی جس سے وہ اک شریر
دل شیر نامی ٹھگ تھا ، یاں تھا بنا امیر

دل آرام : ہے ہے چچا یہ آپ پہ اظہار ہوگیا !
دل آپ کا بھی اس سے خبردار ہوگیا ؟
اے چرخ ! دو گھڑی نہ کیا تو نے صبر ہائے
مجھ بے گنہ کی جان پہ ہے کیسا جبر ہائے

[دل آرام کو واقف کار سمجھ کر مشرّف غصے ہوتا ہے]

مشرف : کیا حال سے تو اس کے خبردار تھی ، ارے !
اس بدمعاش کی تو چھپی یار تھی ، ارے !

[دل آرام ، مشرّف کے پیر پر دوزانو گرتی ہے اور دامن پکڑ کر عاجزی کرتی ہے]

دل آرام : میں تو بشر ہوں ، ایک خطاوار ، عام میں
پھنس جاتے ہیں فرشتے بھی الفت کے دام میں

حاضر گلا ہے ، کاٹ لو یا مجھ کو تیغ دو
چاہو جو تم سزا وہ مجھے بےدریغ دو

مشرف : جس نے تباہ مجھ کو ، مرا خاک گھر کیا
اس سے ہی ساز تُو نے اری بدگُہر کیا
دل دے دیا لٹیرے کو ، میرا نہ ڈر کیا
مجھ کو خیالِ خیر سے تو نے بتر[1] کیا
ماں باپ نے تو تیرے یہاں سے سفر کیا
خوب اُن کا نام تو نے بھی روشن مگر کیا

[مشرف غصّے سے مارنے جاتا ہے - نورجہاں روکتی ہے]

نورجہاں : ٹھیرو بھی اے میاں ، کرو اتنا غضب نہیں
اتنا بھی ایک بچّی پہ اچھا غضب نہیں
بھولی ہے ، بےزبان ہے ، ننھی ندان[2] ہے
اس کا نہیں قصور ، یہ بےجا گمان ہے

مشرف : اس ننگِ خاندان کو پالا اسی لیے ؟
ماں باپ سے زیادہ سنبھالا اسی لیے ؟
بھائی گیا جہان سے ، بھاوج گزر گئی
یہ نابکار کیوں نہ اسی وقت مر گئی

دل آرام : بےشک قصور وار ہوں ، بے شک ہوں نا سزا
دشمن ہوں ننگ و نام کی ، بدکار ، بے حیا

۱- بدتر
۲- نادان

پڑتا ہے کون آپ محبّت کی لاگ میں ؟
سمجھو تو ، کون جان کے گرتا ہے آگ میں

مشرف : خونی ہے ، بدمعاش ، جگہ اس کی دار ہے
دل آرام : اپنی بھی اس کے دار پہ اب تو مدار ہے
مشرف : جگ میں جو ہے برا وہ تجھے کیوں عزیز ہے ؟
دل آرام : اچھے برے کی عشق میں کس کو تمیز ہے

شرمندہ مت کرو مجھے ، کاٹو کہ مار دو
تلوار لاؤ ، سر مرا تن سے اتار لو

[دل آرام زار زار رو کر سر کو پاؤں پر رکھتی ہے ۔
نورجہاں سہلاتی ہے ۔ مشرّف رحم کھاتا ہے]

مشرف : کیسا غضب خدا نے یہ ڈالا ، ستم ستم
تیرا قصور کیا ہے جو لاچار خود ہیں ہم

[مشرّف دل آرام کو اٹھا کر گلے لگاتا ہے ، دل آرام
بے اختیار روتی ہے]

جانے دے ، خیر جو کہ مقدر میں تھا ہوا
اب جی کرو ٹھکانے کہ جو کچھ ہؤا ، ہؤا

دل آرام : کرتے ہو مجھ پہ رحم ، یہ شفقت ہے آپ کی
لیکن یہ چوٹ ایسی مرے جی کو ہے لگی
مرجھا گئی جوانی کی میری تو بس کلی
تھوڑے ہی دن میں دیکھوں گی میں موت کی گلی

[دل آرام روتی ہے ، نور جہاں مناتی ہے]

نورجہاں : بیٹی نہ ایسی بات کرو ، اس جوانی میں
کیا آ کے تم نے دیکھا ابھی زندگانی میں ؟
مت لو خزاں کا نام ابھی فصلِ بہار میں
پھولی پھلی رہو ، چمنِ روزگار میں

دل آرام : اللہ آپ کی یہ مبارک کرے دعا
لیکن بتائیے تو مجھے ، وہ کہاں گیا

مشرف : دل شیر ؟

دل آرام : ہاں !

مشرف : گیا وہ کہیں ، کیا خبر مجھے
لیکن نظر نہ آئے گا وہ پھر کبھی تجھے

دل آرام : سب حال اس کا کس نے کہا آپ سے بھلا ؟

مشرف : خوش بخت نے کہ جس نے لگایا ہے سب پتا

[خوش بخت کا نام سن کر پچھتاتی ہے اور غم کھاتی ہے]

دل آرام : خوش بخت ، ہائے منہ اسے دکھلاؤں گی میں کیا
بے عزتی سے میری وہ آگاہ ہو گیا

[زمین کی طرف دیکھتی ہے اور روتی ہے ۔ ایک نوکر
آتا ہے اور نامدار کی آمد کی خبر دیتا ہے]

نوکر : اے سرکارِ ذی وقار ! مرشد آباد سے آپ کے دوسرے
حصہ‌دار نامدار خاں آئے ہیں ۔

مشرف : (دل آرام سے)

چلتا ہوں میں نہ رو اے دل آرام، جی نہ دے

(نورجہاں سے)

میں جاتا ہوں، سنبھال تو بہلا کے رکھ اسے

[نورجہاں کو سونپ کر، مشرّف مع نوکر کے جاتا ہے]

دل آرام : اے چچی! مجھے یہ گھر اب قیدخانہ ہے۔ جیسے دل شیر کو نکالا، مجھے بھی اس کے ساتھ نکال دو، اسی کی راہ میں ڈال دو۔ یہ سمجھو کہ دل آرام مر گئی۔

[نورجہاں جاتی ہے۔ دل آرام اپنے حال پر افسوس کرتی ہے]

دل آرام : گانا[1]

ساتھ اس کا مجھے ہر طور گوارا ہی تھا

اس کی دوری میں تو مرنا مجھے پیارا ہی تھا—ساتھ

جان بھی کیوں نہ گیا لے کے تو میری دلبر

دل تو الفت میں تری کب سے ہوا راہی تھا—ساتھ

مجھ ستم کش کو کہیں کا نہ کیا تو نے ہائے

کیا تجھے توڑنے کو دل یہ ہمارا ہی تھا؟—ساتھ

[دل شیر دوسرے بھیس میں آتا ہے۔ دل آرام چونکتی ہے]

دل آرام : کون؟

دل شیر : میں، دل شیر!

۱۔ آسا، غزل

دل آرام : آئے کس طرح تم پھر یہاں ؟

دل شیر : نوکروں کو دے کے رشوت آ گیا پھر جانِ جاں

دل آرام : اب تمھارا کیا ارادہ ہے ؟ کرو جلدی بیاں

دل شیر : آؤ شادی کر لیں چوری سے ، چلو ہم تم بہم

دل آرام : گھر سے باہر جائیں تو لیکن اگر کچھ ہو ستم
اس سے تو بہتر یہی ہے نکلے گر عزّت سے دم

[دل آرام روتی ہے ، دل شیر مناتا ہے]

میرے پیر اٹھتے نہیں ، پھرتا ہے ان باتوں سے سر

دل شیر : وہ محبت ، وہ قسم ، کیا ہوگئی پوری مگر ؟

زندگی بھر ساتھ دینے کا ترا اقرار ہے
عشق کے میدان میں تجھ کو ابھی سے ہار ہے
بن کے بے عزت یہاں رہنے میں کچھ عزت ہے اب ؟
شادی میرے ساتھ کر لینے میں ہی حرمت ہے اب
نیچ میں اور اونچ میں تو کیا ہے اب رکّھا ہوا
ننگ میں ، ناموس میں تو کیا ہے اب رکھا ہوا

دل آرام : سچ ہے ایسے حال میں رہنے کا اب یارا نہیں
لے چلو مجھ کو ، سوا اس کے کوئی چارا نہیں

دل شیر : گانا[1]

صنم ! الم غم نہیں کرنا ، حاضر ہوں میں ہردم

۱- کھاچ ، ترانہ

ہونا شاد کام تُو ، او جانی نادانی کر ناہیں — صنم
خوف و خطر دلبر ! آؤ چھوڑو سب
جانی ہم پہ کرم آج کیجیے صنم ، مان لیجیے — صنم

[دل آرام ، دل شیر کے ساتھ جاتی ہے۔ دوسری طرف
سے مشرف مع نامدار خاں کے آتا ہے اور
بیٹھتے ہیں]

مشرف : میرا تو حال سن چکے تم نامدار خاں
قادر کا حال ہم سے مفصّل کرو بیاں

نامدار خاں : ہو گیا ثابت کہ بے شک خون قادر کا ہوا
ہاتھ سے دل شیر کے وہ راستے ہی میں مُوا

مشرف : اور وہ دل شیر قادر بیگ بن کر تھا رہا
میرے گھر میں ، اور فریب اس کا ہے آخر کھل گیا

نامدار خاں : لاش قادر بیگ کی جس روز ہاتھ آئی تھی یار
تھا گیا دل شیر بے شک رات کو ہو کر سوار
دی سواری جس نے ، دیتا ہے گواہی خود وہی
چور کا تھانگی ہے کرتا داد خواہی خود وہی
ہو گئی تحقیق ہے پولیس میں اس کی وہاں
اور میں آیا ہوں لینے حال اس کا اب یہاں

[مشرّف ، نامدار خاں کی طرف سے حال سن کر افسوس
کرتا ہے]

مشرف :

گانا[1]

اے بھائی ! کیا غضب بے حساب پڑا ہے
میرے سر پر ، میرے گھر پر نام مرا ڈوبا ہے
— اے بھائی

ملا ہے مٹی میں نام ہمارا ، سارا دام ہمارا
میرے پرور ، میرے داور ، قہر یہ کیسا ہے
— اے بھائی

[دل آرام اور دل شیر شادی کرکے آتے ہیں - دل آرام دو زانو ہو کر عرض کرتی ہے - دل شیر سر جھکائے کھڑا رہتا ہے - نامدار خاں حیرت سے دل شیر کو دیکھتا ہے]

دل آرام :

گانا[2]

میرے والی ذات عالی — میرے
ہوا خدا کے فضل و کرم سے
الم ستم سب ابتر ہم سے
چھوٹی ہوں میں اب تو غم سے — میرے

[مشرف ، دل شیر کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے]

مشرف : ساتھ ہے یہ کون تیرے ؟

نامدار خاں : یہ تو ہے اسفندیار
مال میرا مجھ کو دھوکہ دے کے یہ لایا ہے یار

۱- پہاڑی ، ترانہ
۲- مارَوا ، ٹھمری

مشرّف : جی نہین ، دل شیر ہے یہ

نامدار خان : جی نہین اسفندیار

بن کے قاصد ، گھر ہمارے تھا گیا یہ ذی‌وقار
خط دیا تھا لا کے ، قادر جا کے پہنچے خیر سے
آئین گے کچھ دن مین ، جب ہوگی فراغت سیر سے
اور دُجل مجھ کو دیا ، دوبارہ زر ٹھگ لے گیا
کر کے ظاہر خود کو تاجر ، مجھ کو دھوکا دے گیا
روپ یہ کیسا ، ملا تھا مجھ کو اور ہی بھیس مین

مشرف : کر کے پھرتا ہے ہمیشہ سانگ یہ پردیس مین

[نامدار خان لپکتا ہے ، دل آرام بچاتی ہے]

دل آرام : سنو صاحبو ، ہاتھ اس پر نہ ڈالو
سنبھالو ، مین کہتی ہون ، صاحب سنبھالو
کر آئی ہون چوری سے مین جا کے شادی
جو چاہو تو قاضی سے ثابت کرا لو
خطا یہ مری ہے ، مین مرتی ہون اس پر
مجھے مار ڈالو ، مجھے مار ڈالو

[مشرّف لاچار ہو کر غصّہ دباتا ہے]

مشرّف :

داغ تو نے گھر مین میرے ہے لگایا نابکار
ناخلف لڑکی نہ تجھ سی ہوگی کوئی زینہار

دل آرام :

سچ ہے لیکن ٹوٹ سکتا ہے نہیں اب تو نکاح
میری خاطر سے کرو اتنا خدا را تم نباہ

مشرّف :

گو عدالت میں مری دولت بھی ساری ہو تباہ
میں مگر قائم نہ رہنے دوں کبھی تیرا نکاح

[غصّے میں]

نوکرو ! پکڑو اسے ، کمرے میں رکھو بند

[نوکر آتا ہے]

دل آرام : ہائے !

مشرّف : میں بلاتا ہوں سپاہی، بھاگ یہ موذی نہ جائے

[مشرّف اشارے سے دل شیر کو بتاتا ہے - نوکر
پکڑ کر دل شیر کو لے جاتے ہیں]

آپ بھی چلیے ذرا بن کے گواہ

دل آرام : رحم میرے حال پر کچھ رحم ، آہ !

مشرّف : سن اے اختر !

اختر : جی !

مشرّف : اسے لے جا تو کمرے میں شتاب
دے نہ جانے ، ہے جہاں پر بند وہ خانہ خراب

بات بھی کرنے نہ پائے کچھ کبھی دل شیر سے
اختر : میں بجا لاؤں گی فرماں ، آپ مت گھبرائیے

[مشرف مع نامدار خاں کے دل آرام کو اختر
کے سپرد کرکے جاتا ہے ۔ دل آرام زار زار
روتی ہے]

دل آرام : گانا[۱]

یا رب میں گلہ کس سے کروں ؟ کون مرا ہے ؟
فریاد رس تو ہی بس اے یارِ خدا ہے ۔یا
کشتی مری گردابِ ہلاکت میں پھنسی ہے
اے بحرِ کرم دیکھ کہ تو عقدہ کشا ہے ۔یا
گلزار نہ چھوڑے گی کبھی بلبلِ شیدا
صیّاد اگر ذبح بھی کر ڈالے تو کیا ہے ۔یا
آلودہ غبار اُس رخِ دلبر کو نہ دیکھوں
ہو جاؤں تہہِ خاک یہی میری دعا ہے ۔یا

[زار زار روتی ہے ، اختر تسلی دیتی ہے]

اختر : کرو صبر ، مت جان رو رو کے دو
چلو اپنے کمرے میں ، رسوا نہ ہو

[مشرف ، کوتوال کو باہر ٹھہرا کے آتا ہے اور
دل آرام کو دیکھ کے خفا ہوتا ہے]

مشرف : کھڑی ہے ابھی تک یہیں بد شعار
دل آرام : تمھاری ہی شفقت کی امیدوار

۱۔ ضلع ، غزل

مشرّف : نکل ، دور ہو ، جا یہاں سے شتاب

[اختر، دل آرام کو لے جاتی ہے - مشرّف کوتوال کو اندر بلاتا ہے]

چلے آؤ کتوال صاحب ، جناب

[کوتوال مع سپاہیوں کے آتا ہے]

بند اس کمرے میں ہے وہ بدشعار

کوتوال : (سپاہیوں سے)
جلد پکڑو ورنہ وہ ہوگا فرار

[سپاہی کمرے میں جاتے ہیں]

مشرّف : ہو گیا دل شیر خونی بس شکار
قید سے بھاگا تھا جو دو تین بار

کوتوال : مجھ کو تھا سرکار سے یہ خاص کار
ڈھونڈتا تھا اس کو میں لیل و نہار
تھک گیا میں ڈھونڈ کے شہر و دیار

[سپاہی جلدی میں حیران ہو کر آتے ہیں]

سپاہی : واں تو کوئی بھی نہیں ہے ، نامدار !
چھت مگر ٹوٹی ہے گھر کی ذی وقار

مشرّف : آہ بھاگا ، توڑ کے چھت ، نابکار

[سب کمرے کی طرف جاتے ہیں]

باب تیسرا

پردہ دوسرا

راستہ

[دل آرام مع دل شیر کے بھاگ کے آتی ہے اور
تھک کر ٹھہر جاتی ہے]

دل آرام :

جس گھر کو ماں کی گود سے سمجھی تھی میں عزیز
جس گھر کے آگے مجھ کو ارم تھا نہ کوئی چیز
تیرے لیے اے یار کیا وہ تباہ ہے
اب تیرے ہاتھ چاہ کی میری نباہ ہے

دل شیر :

جب تک کہ دم میں دم ہے ، تمھارا غلام ہوں
تیری رضا کی راہ میں حاضر مدام ہوں

دل آرام :

اخبار میں تمھاری خبر جب کچھ آتی تھی
ہیبت تمھارے نام سے مجھ کو ڈراتی تھی
ڈر جاتی تھی ، زباں نہ کبھی پھر ہلاتی تھی
سونے کبھی اکیلی نہ اس دن میں جاتی تھی

اور آج ساتھ اس کے ہی گھر چھوڑ جاتی ہوں
دشمن کو دوست ، دوست کو دشمن بناتی ہوں

[دل آرام روتی ہے ، دل شیر سمجھاتا ہے]

دل شیر : گانا[1]

پچھتاؤ نہیں ، آئیں نکل آپ جو گھر سے
ناحق ہے برا حال کیوں پیاری کا ڈر سے
گزری رین آدھی جھٹ پٹ آؤ
حاضر ہوں بندہ میں تیرا ، خدمت کرنے کو سر سے
پچھتاؤ نہیں ——

[یکایک خوش بخت اور ریحان آتے ہیں ۔ خوش بخت ، دل آرام اور دل شیر کو پہچانتا ہے]

خوش بخت : دل آرام !

دل آرام : (ڈر کے) خوش بخت !

دل شیر : (ڈپٹ کے) کیا بات ہے ؟

خوش بخت : دل آرام ، دل شیر کے پاس ہے

[ریحان ، دل شیر کا نام سن کر چونکتی ہے]

دل آرام : خدا کے لیے مت ستاؤ اسے
گنہ گار میں ہوں ، سزا دو مجھے

۱۔ ضلع ، ٹھمری ۔

دل شیر : خوش بخت اس جگہ نہ چلے گی تری کبھی
چاہے جو زندگی تو چلا جا ابھی ابھی
میں چپ رہوں یہاں ، یہ مشرف کا گھر نہیں
یا آج تیری جان نہیں ، یا میرا سر نہیں

[دل شیر لڑنے پر تیار ہوتا ہے]

خوش بخت : خونی لٹیرے ، شہر ہے ، جنگل نہیں ہے یہ
لوٹے شریفوں کو تو یہاں بل نہیں ہے یہ

[دور سے گشت کے سپاہی کی آواز آتی ہے -
خوش بخت چونکتا ہے]

سپاہی : جاگو جاگو سونے والو جاگو

[خوش بخت آواز کی طرف انگلی اٹھا کے دل شیر
کو دکھاتا ہے]

خوش بخت : سن لے یہ پہرے والوں کی آواز نابکار
تیرے لیے ابھی انہیں لیتا ہوں میں پکار

دل شیر : جو ہو ، کبھی نہ چھوڑ کے اس کو میں جاؤں گا

خوش بخت : کیسے نہ چھوڑے گا تو ، ابھی چھوڑ آؤں گا

[سپاہیوں کے پکارنے کو رخ کرتا ہے ۔ دل آرام پاؤں پکڑ
کر روکتی ہے]

دل آرام : ہے ہے کسی کو نہ بلاؤ ، فضیحتی نہ کراؤ ۔ میں
کہیں کی نہ رہی ، مجھے جانے دو ۔ اگر کسی ایک
کو بھی مجھے یہاں دکھاؤ گے تو خدا کی قسم یہاں

میری لاش پاؤ گے - میں مر جاؤں گی ، کسی کو کیا
منہ دکھاؤں گی -

دل شیر : ریحان ، سن تو دھیان سے ، شوہر ہے یہ ترا
اور میں ہوں تیرا باپ ، یہ دشمن ہے کیوں مرا
سمجھا اسے تو ، اب سے عداوت یہ چھوڑ دے
جب ہو گئی سگائی تو ہے شور کس لیے

[خوش بخت اور دل آرام نہایت متحیّر ہوتے ہیں]

ریحان : تم باپ میرے ؟

دل شیر : میں ہوں پدر تیرا بے گماں
سب حال مجھ سے سن کے دلا دو مجھے اماں

خوش بخت : آیا فریب کرنے یہاں بھی تو نابکار
اب باپ بن کے ، آپ پھنسانے چلے شکار

ریحان : دل شیر آپ ہی تو ہو ، صاحب مرے پدر

[خوش بخت سے]

نانا سے اپنے پائی تھی میں نے بھی یہ خبر
شوہر ! انھیں تو چھوڑ دے ، ان پر ستم نہ کر

[ریحان کے کہنے سے خوش بخت ، دل شیر کی طرف سے نظر
پھراتا ہے]

دل شیر : نہیں ، جھوٹ نہیں یہ میرا بیان ، غور سے سنو یہ
داستان - ریحان ! تیری ماں تھی ایک امیر کبیر کی بیٹی ،

گھرانے دار کی لڑکی ۔ مین یکایک جو اُس سے دوچار ہوا ، تیرِ عشق میرے کلیجے کے پار ہوا ۔ سو جان سے اسے چاہا ، امیر زادہ بن کر فریب سے اُسے بیاہا ۔ جب زمانہ گزرا تھوڑا ، بدنصیب نے میرا بھرم پھوڑا ، میں نے اس کو چھوڑا ۔ اُس بےچاری نے میری بیوفائی کی خبر پائی تو دم توڑ ، غیرت و حیا سے مر گئی ، تجھے چھ مہینے کی چھوڑ گزر گئی ۔ تیرے نانا کو تجھے اپنے گھر مین رکھنا ناگوار ہوا ۔ ایک آدمی کا ، جو تجھے اپنے گھر لے جا کر اُجرت پر پالے ، طلب‌گار ہوا ۔ میں نے جو یہ خبر پائی ، مجھے اولاد کی محبت آئی ۔ ایک حاجی کا بھیس کیا ۔ تیرے نانا سے مل ، سالیانے اُجرت پر تجھے پالنے کو اُن سے لیا ۔ وہاں سے لا کر اپنے دوست بہرام کے گھر تجھے رکھا اور برابر تیرا خرچ بہرام کو بھیجتا رہا ۔ افسوس کہ :

خوش بخت تجھ کو بیاہ کے مختار ہو گیا
دشمن ہوا عزیز ، میں لاچار ہو گیا
لاچار مین ہوا ہوں دل آرام کے سبب
جیتے ہی جی موا ہوں دل آرام کے سبب
بلیؔ سے بھی برا ہوں ، دل آرام کے سبب
افسوس مین دبا ہوں ، دل آرام کے سبب
ہوتی جو یہ نہ ساتھ ، نہ ہوتے شکار ہم
ایک اک جگر کو چیر کے کر دیتے چار ہم

خوش بخت : جس کے سبب سے ایک زمانہ ہلاک ہو
وہ باپ ہو تو کیا ، یہی بہتر ہے خاک ہو

ریحان : ہو برا مگر تو اس کا بھی کرے خدا بھلا
ہم کو کیا ملا ، کسی کو ہم کہیں برا بھلا
ہے ہزار بد اگرچہ باپ ہے مگر مرا
اس کو تم ستاؤ گے تو سب کہیں گے کیا بھلا

خوش بخت : اگر چھوڑ جائے دل آرام کو
تو میں چھوڑ دوں اس سیہ کام کو

دل شیر : حوالے کیا میں نے اس کو تمھیں
معاف اے دل آرام کرنا ہمیں

دل آرام : مرا حال کیا ہوگا اُف ہائے رے

[دل شیر چوری سے دل آرام کے کان میں کہتا ہے]

دل شیر : نہ گھبرا ،تو پھر میں ملوں گا تجھے

[دل شیر جاتا ہے ، ریحان باپ کے لیے غم کھاتی ہے]

ریحان : برا یا بھلا تھا مگر باپ تھا
کہاں اب ملے گا ، کدھر جائے گا
نہ دو بات بھی اُس سے کرنا ملا

[روتی ہے]

خوش بخت : فرشتہ بھی گر کوئی بدکار ہے
عزازیل ہے وہ مزاوار ہے

چلو تم دل آرام اب اپنے گھر

دل آرام : کریں گے مجھے آپ رسوا مگر

خوش بخت : کروں گا میں سب بات ہے جو بجا

دل آرام : دکھاؤں گی میں کون منہ پھر بھلا

[خوش بخت مارتا ہے]

خوش بخت : کیا تم نے کیوں جی مرے ساتھ کیا
کرو یاد وہ بے وفائی ذرا
ہوئیں اک لٹیرے کی تم آشنا
ہم ایسے رئیسوں سے کر کے دغا

دل آرام : گانا[1]

میں غریب بدنصیب ہوں ، ہائے کیا کروں
میرا لے سر ، چچا کی مکر کر نہیں تو خواری
—— میں غریب

میں عشق کے نشے میں بے ہوش بے خبر ہوں
معلوم بھی نہیں ہے ، میں کون ہوں کدھر ہوں —— میرا

[سر کو پاؤں پر رکھتی ہے ۔ خوش بخت رحم کھا کر
اٹھاتا ہے]

خوش بخت :

رحم کے قابل ہے تیرا حال ، تو ہے بے قصور
پنجے میں شیطان کے آ کر پھنسی جنّت کی حور

۱- بھیرویں ، ترانہ

خیر آ اب ساتھ میرے ، میں چھپاؤں گا یہ حال
ہوتا ہے حالت یہ تیری دیکھ کے مجھ کو ملال

دل آرام : لڑکی ہوں بےباپ ماں کی ، تم کرو گے رحم اگر
دے گا وہ تم کو خدا اس کی جزا اے نامور

[سب جاتے ہیں]

پردہ تیسرا

جنگل

[بیدل اور امانت باتیں کرتے ، دوسرے بھیس میں آتے ہیں]

بیدل : واہ حضرت واہ ، تم تو شیطان کے بھی چچا نکلے ۔ مسافر خانے میں مجھے لوٹا ، خالی ہاتھ پا کر وہاں کے نوکر نے مجھے مارا کوٹا ، آخر وہاں سے میں بڑی مشکل سے چھوٹا ۔

امانت : تو کیا وہ تو تھا ؟ وہ تو کوئی اور اُلّو تھا ۔ وہ تھا نواب بدرالدولہ ، تو ہے دل شیر کا سپوت ساتھی بیدل ۔ اپنی اصل کو مجھے وہاں کیوں نہ جتایا ؟ کیوں وہاں نواب بننے آیا ؟

بیدل : لوٹ اور ناسدانی کا ناس کرنے کو

امانت : (ہنس کر) ارے یار سن میری حکمت کا لٹکا ، میں ناسدانی لے کر سٹکا ، ایک کے سر اُسے پٹکا ۔ اُسے نذر دیا ، انعام دیا ، مجھے بہت سا زر ملا ۔

بیدل : شاباش! تیرے ہنر پر مجھے کامل یقین ہے ، مگر سچ بتا کبھی دل شیر کی طرح کسی پر عاشق تو نہیں ہوا ؟

امانت : گانا[1]

جس کو دانائی سے نہیں کچھ بیچ میں لانا آتا ہے
وہ بس میں غیروں کے پڑ کے بس بے بس ہو جاتا ہے
بندے کو تو بسی کرن امچاٹن سب کچھ آتا ہے
یہ بندہ حوروں کو ، پریوں کو پھندے میں لاتا ہے
جنّوں کو تسخیر کیا بندے نے ، بیٹھا کھاتا ہے
پانچ اشرفی روز سرھانے آ کے جن رکھ جاتا ہے

بیدل : (حیرت سے)

واہ برادر ! پانچ اشرف روز اگر تُو پاتا ہے
کیوں پھر دولت کی خاطر تو ناحق رنج اٹھاتا ہے

امانت : کھاتے کھاتے پیٹ پھٹے اور لاتے لاتے سر ٹوٹے
پھر بھی نعمت کھانا ، دولت لانا ، تو کیوں کر چھوٹے

بیدل : ساتھ مجھے بھی رکّھو جو تنہائی سے آزاد بنو
یا مجھ کو استاد بناؤ یا میرے اُستاد بنو
لیکن ایسا ہو نہ کہیں ، عاشق ہو کر ناشاد بنو
لیلٰی کے مجنوں بن جاؤ ، شیریں کے فرہاد بنو

امانت : میں تو کچھ دل شیر نہیں ، جو اپنی ہستی خوار کروں
اپنی حکمت پر آؤں تو پریوں کو بھی پار کروں

بیدل : جب تو میں نے دل شیر کو اب چھوڑا ، وہ پکا پھوڑا

۱- جھنجھوٹی ، لاونی

توڑا - آج سے تیرے ساتھ رہوں گا ، دکھ سکھ سہوں گا - جان لڑاؤں گا ، کام آؤں گا - دل شیر بگڑ گیا ، عشق میں سڑ گیا - کام دھام کا نام نہیں ، دل آرام سوا کسی سے کام نہیں - مجھے تو گرما گرم روز کا ناشتہ ، اور پانچ وقت کی نماز کی طرح پانچ دفعہ کھانا نہ ملا تو میں تو مرا - (یاد کر کے) ہاں مشرّف کے گھر ، آہا کیا مزا تھا - کم بخت دل شیر نے کھانا نہ جانا ، عورت پر ہوا دیوانہ -

ہائے وہ میٹھا بڑا زردہ 'پلاؤ
ہائے بریانی متنجن نان پاؤ
ہائے وہ بھوتی ہوئی کھچڑی کبھی
ہائے رے وہ روغنی روٹی کبھی
ہائے سالن ، ہائے فرنی ، ہائے دال
ہائے فالودہ ، مٹھائی ، شیرمال
عشق میں دل شیر نے سب کھو دیا
یاد جب آیا مجھے ، میں رو دیا

امالت : خیر جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا
یہ بتا کچھ کام آتا ہے بھلا ؟

بیدل : کام !

گانا[1]

سب کام بنانا آتا ہے ، ہر رنگ جمانا آتا ہے — سب کام

۱- کالنگڑا ، لاونی

صندوق رات کو توڑوں ، بندوق بات کی چھوڑوں ، آنکھ
ایک لات میں پھوڑوں ،
کوئی مرتا گرتا آئے ، اس کو بندہ کچا کھا جائے
دبلے پتلے کو دے مارے
کتّے بلی کو دھتکارے ،
کچھ مار بھی کھانا آتا ہے — سب کام
کچھ جیب کاٹ کے لے لوں ، سو ہاتھ داؤ کا کھیلوں ،
سو ڈھنگ کے پاپڑ بیلوں
اندھے بہرے کو للکاروں ، مرغی کاٹوں کتّوا ماروں
ہوتا دیکھوں ، غوطہ دیدوں ، لڑکا ہو تو لڑکے کھیدوں ،
ہر فن کا بہانہ آتا ہے — سب کام

امانت : واہ رے میرے شیر کیا کہنا
ہے تو پورا دلیر کیا کہنا

بیدل : مت رہ تو اب اکیلا ، سب چھوڑ دے جھمیلا
لے جوگیوں کا سیلا ، چل بن کے میرا چیلا

امانت : تیرا ہوں میں تو چیلا ، پیسہ ہوں میں تو دھیلا
تو کیا فریب کھیلا ، اے جنگلی بنیلا

بیدل : کرتا ہے کیوں جھمیلا ، انجام بات کے لا
لا ہاتھ اپنا دے لا ، کیسا ہے تو انیلا

امانت : خیر چلو ، جھگڑا چکاؤ ، پہلی کوشش آزماؤ۔ جو اس کوشش

میں اپنا کمال دکھائے ، وہ استاد بن جائے ۔

بیدل : خیر یہ منظور ہے ۔ اگر تُو میرے فن سے مجبور ہو تو میں گُرو تُو چیلا ضرور ہو ؛ کیونکہ میں گھرانے کا اعلیٰ ، نصیبے والا ، سمجھ میں نرالا ، بوجھ میں بالا ہوں ۔

امانت :

اعلیٰ ہوا تو کیا ہوا ، بالا ہوا تو کیا ہوا
ہمّت نہیں طاقت نہیں ، اعلیٰ ہوا تو کیا ہوا

بیدل :

دانا تو ہوں بینا تو ہوں ، اشراف نیک اوصاف ہوں
ہمّت اگر میں ہارنے والا ہوا تو کیا ہوا

امانت : اشراف کا جناب ، یہاں کام ہی نہیں
لُچ پن کیے بغیر تو آرام ہی نہیں

بیدل : جو کہیے خیر ، مری بات کی کچھ آس بھی ہے

امانت : کچھ نہیں ، آس بھی ہے ، فرمائیے کچھ پاس بھی ہے ؟

بیدل : کیا آپ سے چھپائیں ، چھپانے سے فائدہ

امانت : لاؤ ، دکھاؤ ، بات بڑھانے سے فائدہ

[بیدل رومال میں بندھا ہوا ایک بکس نکال کر زیور امانت کو دکھاتا ہے]

بیدل : لو ایک دانائی میری یہ بھی دیکھیے ۔ یہ مال میں نے تھوڑا تھوڑا موقع پا کر چرایا ، مشرّف کے گھر

سے نواب بن کے اڑایا ۔ دل شیر کو عشق میں ڈوبا
ہوا پایا تو اس سے چھپایا ۔ اس نے عورت کو پھنسایا ،
میں نے مال اڑایا ۔

امانت : اوہو ! مال تو خوب مارا ۔ چلو سنبھال کے رکھو ، کام
آئے گا یہ جمع مارا ۔

[سامنے سے سپاہیوں کو آتا ہوا دیکھ کر بیدل چھپتا ہے ۔ بکس کو
سپاہی بغور دیکھتا ہے]

سپاہی : (خود سے)
ایک چور ، ایک لچا ہے ، مال مگر چوری کا ہے ،
جبھی ڈرتا ہے اور چھپتا ہے ۔ چور کا جی آدھا ۔ اب
دونوں کو دھمکاؤں اور آدھا حصہ بٹاؤں ۔

امانت : (خود سے)
سپاہی سے اب بات بنا کے یہاں سے ہوں میں راہی ۔ اس
الّو کے پیچھے مجھ پر آفت نہ آئے ، کہیں آٹے کے
ساتھ گھن نہ پس جائے ۔

[بیدل سے]

خیر صاحب ، خدا حافظ ! آج تو ہماری دو گھڑی کی
پہچان ہے ، اس واسطے دو چار دن درکار تمھارا امتحان
ہے ۔ جب پکا اطمینان ہو تو تمھارے روزگار یا نوکری
چاکری کا سامان ہو ۔

[امانت جانا چاہتا ہے ، بیدل کھڑا ہوتا ہے ۔
سپاہی امانت کو روکتا ہے]

سپاہی : خبردار ٹھیر !

بیدل : (خود سے) الٰہی خیر !

سپاہی : کون ہو تم ؟

امانت : وہی جو تم ۔

بیدل : میرے ہوش ہوئے گم

سپاہی : کیا سپاہی آدمی ؟

امانت : مسافر راہی آدمی

سپاہی : کبھی نہیں ، تم ہو چور ، منہ زور ، دکھاؤ کیا ہے پاس ۔

[سپاہی تلاشی لینا چاہتا ہے ۔ امانت روکتا ہے]

امانت : کیا تو کہا گیا ہے کہاں ؟ نہیں جانتا ، میں دیپ چند جوہری کا بنرا ہوں ۔

سپاہی : (بیدل کی طرف اشارہ کر کے)
اور یہ ؟

بیدل : میں اس کا چچا ہوں ــــ ارے بھائی بھائی ہوں

امانت : (بیدل سے) کس کا چچا ؟ اور کس کا بھائی ؟
(سپاہی سے) میری بلا جانے یہ کون ہے ۔ میں گھر جاتا تھا ، یہ ادھر سے آتا تھا ۔ اس نے کہا ، میری امانت رکھو ۔ میں نے کہا کوئی ضمانت لاؤ ۔ کون جانے کیسا مال ہے ، حرام ہے یا حلال ہے ۔

بیدل : (خود سے) یہ تو آگ لگا کے تماشا دیکھتا ہے۔

سپاہی : (بیدل سے) کون ہے تو ؟ کہاں سے آتا ہے ؟

[بیدل کانپتا ہے ، امانت بات بناتا ہے]

امانت : ارے بول نا ، کیوں مرا جاتا ہے ؟ کیا کسی کی چوری کی ہے ، یا گٹھری ماری ہے ؟

سپاہی : دکھا یہ پوٹلی ، نہیں تو کاٹ ڈالوں گا بوٹی بوٹی ۔

بیدل : صاحب یہ تو سالن ہے اور روٹی ، شادی میں آپ کھایا ، لڑکوں کا حصہ باندھ لایا ۔

سپاہی : چل کھول ، دکھا ، بات نہ بنا ۔

[سپاہی بکس چھین کر دیکھتا ہے]

بیدل : اللہ (امانت سے) اب کیا ہوگا یار ؟

امانت : واہ رے استاد ! تمھاری اُستادی پر خدا کی مار۔

[سپاہی بکس کھولتے ہی حیران ہوتا ہے]

سپاہی : اوہو یہ زیور چوری کے ہیں ، اور چوری ثابت ہے صورت سے ، بیان سے ، حالت سے ، زبان سے ۔

[زیور اچھی طرح دیکھتا ہے]

امانت : (بیدل سے الگ ہوکر) بولو استاد جی ! استاد ہی بننا آتا ہے یا کچھ بنانا بھی آتا ہے ؟

بیدل : (ڈر کر)

بھائی تو کچھ بات بنا ، بچنے کی اب گھات بنا
میرا تُو اُستاد بنا ، میں ہارا ، ناشاد بنا

امانت : جب مشکل سر پر آئی اور آفت نے پچھاڑا ، تب باندھنے لگا شاگرد کا نعرہ ۔ خیر اب مان مجھے استاد ، تو دکھاؤں چالاکی ، جو ہو تجھے یاد ۔

بیدل : مانا مانا تجھے یار استاد ، ایک بار کیا بلکہ سو بار استاد ۔

امانت : (سپاہی سے) صوبیدار صاحب ! آپ حاکم ہو ، سرکار جو حکم دو ابھی تیار ہو ۔ حقّہ پیو ، مٹھائی کھاؤ ، دم لگاؤ ، شراب اڑاؤ اور جو فرماؤ ۔

سپاہی : اے چور ! منہ زور ، سوکھا دم نہ دے ، اگر دیتا ہے تو اس میں سے کوئی رقم دے ، ورنہ قید جھیلے گا ، چکی پیسے گا ۔

امانت : سینکڑوں روپے کی بات، بڑی کرامات ۔ مل کے کھانے میں فائدہ ہے ، تھانے چوکی کا یہی قاعدہ ہے ۔

اگر مل جل کے کھانے پر ہوئے ہو تم چچا راضی
تو بہتر ہے ، ابھی لے جاؤ ، ہم راضی ، خدا راضی

سپاہی : کیا دے گا ؟ بتا !

امانت : بکس مجھے دو ذرا ۔

[سپاہی بکس دیتا ہے]

بیدل : (امانت سے الگ) دے کھوٹا ، بچا کھرا ۔

[امانت بکس سے ایک کنٹھا نکال کر سپاہی کو دیتا ہے]

امانت : لو یہ جڑاؤ کنٹھا ۔

[سپاہی کنٹھا لے کر دم دیتا ہے]

سپاہی : یہی ایک ، بس ! ابھی لوں میں دونوں کی مشکیں کس ؟

بیدل : اللہ !

امانت : صاحب ! نہ ایک اور نہ دس ۔ ذرا پہلے اس کا دانا گنیے۔ موتی خوب غور سے دیکھیے ، آنکھ سے آنک کے دام لگائیے ۔

[سپاہی غور سے دیکھتا ہے ۔ امانت بیدل کو ہوشیار رہنے کا اشارہ کرکے جیب سے ناسدانی نکالتا ہے]

(بیدل سے) ناس ڈال کر رستہ لے (سپاہی سے) آہا ! کیا موتی کی آب ہے ؟

[امانت ، سپاہی کی آنکھوں میں ناس ڈالتا ہے ، وہ کنٹھا پھینک کر آنکھیں ملتا ہے]

سپاہی : اللہ ! گئی آنکھ ، جلی آنکھ ۔

[بیدل لات مارتا ہے ، سپاہی مارے ڈر کے بھاگتا ہے]

چور ، ارے کوئی آؤ ، مجھے بچاؤ

[سپاہی ٹٹول کر جاتا ہے ۔ بیدل خوب ہنس کر ناچتا ہے]

امانت : کیوں ، اس کا نام ؟

بیدل : آستادی ، پکی استادی ۔

امانت : یہ مال تو خوب ہے ، اب چلو ، ہم تم کریں کسی امیر کی بیٹی سے شادی تو اور ہاتھ آئے دولت اور ہو گھر آبادی ۔

بیدل : شادی ! یہ کیا نکالی تو نے آستادی ؟ کا بجا کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا کام ہے نادان کا ، شادی کے ارمان میں نقصان ہے جان کا ۔

امانت : بیاہ کرے آدمی ، لائے نئی عورت
بیاہ کرے آدمی ، ہاتھ لگے دولت
بیاہ کرے آدمی ، رنج میں ہو راحت
تجھ کو بھلے آدمی ، بیاہ سے ہے نفرت

بیدل : بیاہ کرکے فکر سے ٹانگ جائے جکڑی
بیاہ کیا آج تو کل ناک گئی پکڑی
بھول جائے راگ رنگ ، بھول جائے اکڑی
تین بات یاد رہے : نون ، تیل ، لکڑی

امانت : میں تو شادی اپنی ٹھیرا کے منگنی کر آیا ہوں ۔

بیدل : میں تو نام نہ لوں شادی کا ، کر کرکے پچھتایا ہوں ۔

امانت : گیا سپاہی کدھر ، ذرا میں دیکھوں آگے کو جاکے

بیدل : جاؤ ، میں گھر کو چلتا ہوں ، وہیں مجھے ملنا آ کے

[امانت جاتا ہے ، بیدل شادی سے نفرت جتاتا ہے]

گانا[1]

پناہ خدا کی پناہ ، پناہ خدا کی پناہ !
نہ لائے جو عورت ، اٹھائے نہ آفت عمر بھر — خدا کی پناہ
نکاح کیا جب نکاح ، نکاح کیا جب نکاح
تب عورت نے پکڑا ، دلا روٹی کپڑا ، گیا ڈر — خدا کی پناہ
علیل ہوئی بی‌بی آہ ، علیل ہوئی بی‌بی آہ
مری سال بھر میں ، رہا کچھ نہ گھر میں ، مٹا گھر — خدا کی پناہ
تباہ ہوا میں تباہ ، تباہ ہوا میں تباہ
نہ کوڑی کفن کو ، نہ دمڑی دفن کو ، گیا مر — خدا کی پناہ
امیری ملی ایک پھر ، امیری ملی ایک پھر
دیا زر دکھائی ، کیا پھر لگائی ، لیا زر — خدا کی پناہ
عذاب الٰہی عذاب ، عذاب الٰہی عذاب
وہ آئی مرے گھر ، تو پہلے سے بدتر ، سراسر — خدا کی پناہ
طلاق دیا بس طلاق ، طلاق دیا بس طلاق
اسے میں نے چھوڑا ، منہ آفت سے موڑا ، بچا سر — خدا کی پناہ

[بیدل جاتا ہے]

۱۔ طرز انگریزی : Air ; again, again and again -

پردہ چوتھا

خواب گاہ

[دل آرام ، قریب المرگ ، شب خوابی کے لباس میں ،
بچھونے پر پڑی دکھائی دیتی ہے ۔ داہنی طرف
حکیم اور بائیں طرف نورجہان بیٹھی ہوئی
نظر آتی ہے ۔ حکیم نبض دیکھ کر حیران
ہوتا ہے ۔ نورجہاں ایک طرف
کھڑی ہے]

حکیم : اور کوئی ہو جو بیماری تو ہو اُس کا علاج
عشق کی اس کو ہے بیماری کہ جو ہے لاعلاج
جس کی یہ عاشق ہے ، اُس کو ہی بلانا چاہیے
جان اس کی وصل سے اُس کے بچانا چاہیے

نورجہاں : میں کیا کہوں حکیم جی ، ظاہر ہے تم پہ حال
وہ تو ہے بدمعاش ، فقط مارنے کو مال

دل آرام : ہرگز نہیں ، وہ صاف ہے ، سچا ہے میرے ساتھ
دنیا میں گر بُرا ہو ، مگر ہم سے نیک ذات

حکیم : (نورجہاں سے)
جانا ہے پاس دوسرے بیمار کے مجھے
[حکیم جانا چاہتا ہے ، دل آرام روکتی ہے]

دل آرام : بلوائیے حکیم جی ! اک بار تو آسے
[نورجہاں اشارے سے حکیم جی سے تسلی دینے کو کہتی ہے]

حکیم : ہاں ہاں بلانے جاتا ہوں

دل آرام : جاتے ہو تم بھلا ؟
اللہ آپ کا کرے اے مہرباں! بھلا
[حکیم جاتا ہے ۔ دوسری طرف سے مشرّف ، دل شیر کو لے کر آتا ہے ۔ دل شیر سب کو تسلم کرتا ہے ۔ سب منہ پھیر کر خاموش ہوتے ہیں ۔ مشرّف دل آرام کو جگاتا ہے]

مشرّف : دل شیر کو میں لایا ، ذری آنکھ کھولو تو

دل شیر : کیوں حال ہے خراب ترا ، منہ سے بولو تو
[دل شیر کی آواز سن کر ، دل آرام ہوشیار ہو کر چچا کا احسان مانتی ہے]

دل آرام : احسان آخری ہے مری جان پر چچا
نکلے گی جان چین سے اب میری

دل شیر : مہ لقا !
اللہ نے ملایا ہے اک بار پھر ہمیں
جی دینے پر ہے کس لیے اصرار پھر تمھیں

دل آرام : (رک رک کر)

میری جگ میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی
ملکِ عدم سوا کوئی منزل نہیں رہی
آرام میری روح کو دو ، ہوں میں جاں بہ‌لب
پیارے خراب کاموں سے توبہ کرو تم اب

[کوتوال مع سپاہیوں کے آتا ہے]

کوتوال : صاحب ! بغیر حکم کے آیا ہوں میں یہاں
کرنا معاف ، سخت ضرورت تھی بے گماں
سرکار کا ہے اس پہ یہ وارنٹ دیکھیے

[وارنٹ دکھاتا ہے]

(سپاہیوں سے)

دل شیر ہے ، سپاہیو ! تم باندھ لو اسے

[دل آرام ، کوتوال کو دیکھ کر چونک اٹھتی ہے اور روکتی ہے]

دل آرام : ٹھہرو ! ہمارے جیتے جی باندھو نہیں اسے

[زور سے اٹھنے سے جگر پر صدمہ پہنچتا ہے - بے چین ہوتی ہے]

اُف آہ ! ہائے ہائے ! مَری مَیں ، مَری مَری

[دل آرام ہچکیاں لے کر دم توڑتی ہے - سب حیران ہوتے ہیں - دل شیر سر پیٹتا ہے]

نورجہاں : (روتے ہوئے)

ہم کو بھی کچھ کہو گی دل آرام ، کیا ہوا

مشرف : (روتے ہوئے)

بیٹی ! چلی تو چھوڑ کے ناکام ، کیا ہوا

دل شیر : (رو کر)

ہے ہے ہماری بولتی چڑیا کہاں گئی

مشرف : (رو کر)

ہے ہے ہماری بلبلِ شیدا کہاں گئی
خالی تو کرکے جسم کا پنجرا کہاں گئی ؟

[روتے روتے مشرف بےہوش ہوتا ہے ۔ سب اُسے سنبھال لیتے ہیں اور پنکھا کرکے ہشیار کرتے ہیں ۔ دل شیر ، موقع پا کر ، زہر کی شیشی جیب سے نکالتا اور پی لیتا ہے ، اور دل آرام کی لاش پر ہچکیاں لے کر دم دیتا ہے ۔ کوتوال زہر کی شیشی دیکھ کر حیرانی سے سب کو دیکھتا ہے ۔ تمام حیران نظر آتے ہیں]

ڈراپ سین

تمت

ناٹک

راجا گوپی چند

تبصرہ

مختلف کتابوں میں طالب کے ڈراموں کی جو فہرستیں ملتی ہیں
اُن میں ان کے لکھے ہوئے ڈراموں کی تعداد اور ناموں کے سلسلے
میں بڑا اختلاف ہے ۔ البتہ چند نام ایسے ہیں جو چھوٹی بڑی ہر
فہرست میں ملتے ہیں ۔ ان میں سے ایک نام ڈراما ''گوپی چند'' کا ہے ۔
''گوپی چند'' کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات نامی صاحب کی کتاب
''اُردو تھیٹر'' میں ملتی ہیں ۔ ''اُردو تھیٹر'' کے حصہ دوم میں
طالب بنارسی کے ذکر (صفحات ۱۰۵ تا ۱۱۸) میں صفحہ ۱۱۴ پر
''گوپی چند'' کے متعلق یہ عبارت درج ہے :

''طالب نے یہ ڈراما خان صاحب نسروان جی مہروان جی
آرام کے ڈرامے سے اخذ کر کے وکٹوریہ ناٹک منڈلی کے لیے
۱۸۹۳ء میں قلم بند کیا ۔''

اگلے صفحے (۱۱۵) پر ڈرامے کا مختصر پلاٹ اور اُس پر بہت
مختصر سا دو سطری تبصرہ ہے ۔ ''اُردو تھیٹر'' کے حصہ اول کے
ایک باب کا عنوان ہے ''اقسامِ ڈراما'' جو صفحہ ۲۶۶ سے شروع ہوتا
ہے ۔ باب کے ایک ذیلی عنوان کے تحت ہندوؤں کے تاریخی ڈراموں
کے نام لکھے گئے ہیں ۔ اُس کی ابتدائی عبارت یہ ہے :

''ہندوؤں کے تاریخی ڈراموں کی ابتدا ظریف کے 'راجہ
گوپی چند' سے ہوتی ہے ۔ طالب بنارسی نے 'گوپی چند' اور

سید میر عباس علی نے 'مہاراجہ گوپی چند' قلم بند کیے -'' ان دونوں بیانوں میں فرق ہے - پہلے بیان میں طالب کے ''گوپی چند'' کو آرام کے ڈرامے سے ماخوذ بتایا گیا ہے اور دوسرے میں ''ظریف کے ''راجہ گوپی چند'' سے - ''اردو تھیٹر'' کے حصہ دوم میں آرام اور ظریف کے ڈراموں کی جو فہرستیں ہیں اُن میں دونوں جگہ ''گوپی چند'' کا نام ہے - صفحہ ۵ اور ٦ پر آرام کے ڈراموں کی فہرست میں ''گوپی چند'' کا نمبر ۱۰ ہے - اگلے چند صفحوں میں جن ڈراموں کا تعارف کرایا گیا ہے ، اُن میں ''گوپی چند'' شامل نہیں - حسینی میاں ظریف کے ڈراموں کی فہرست (صفحات ۱۱۹ - ۱۲۰) میں چوبیس ڈراموں کا نام ہے - نمبر ۲۱ پر ''تماشائے گوپی چند'' کا نام ہے - صفحہ ۱۲٦ پر اس کے مختصر تعارف میں یہ عبارت درج ہے :

''یہ ڈراما تین ایکٹ اور بائیس سین پر مشتمل ہے - اس کے سرورق پر تحریر ہے ''تالیف کیا ہوا حسینی میاں ظریف کا'' -

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات تو معلوم ہوگئی کہ ''گوپی چند'' آرام نے بھی لکھا اور ظریف نے بھی ، لیکن یہ پتا نہیں چلا کہ اسے پہلے آرام نے لکھا یا ظریف نے - لیکن ظریف کے متعلق عام طور سے یہ مشہور ہے کہ وہ ڈراما نویس سے زیادہ نقل نویس تھے ، اور جو ڈرامے اُن کے نام سے منسوب ہیں اُن کے متعلق یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان ڈراموں میں سے کوئی اُن کا اپنا لکھا ہوا بھی ہے کہ نہیں - اس صورتِ حال کی بنا پر نامی صاحب کی پہلی بات (جس میں انھوں نے طالب کے ''گوپی چند'' کو آرام کے ''گوپی چند'' سے ماخوذ بتایا ہے) درست معلوم ہوتی ہے ، لیکن چونکہ آرام کا ''گوپی چند'' دستیاب نہیں اس لیے یہ بتانا ممکن نہیں کہ

طالب کے ''گوپی چند'' اور آرام کے ''گوپی چند'' میں کیا فرق ہے ؟ اس لیے طالب کے ''گوپی چند'' کے مختلف پہلوؤں پر جو اظہارِ خیال کیا جائے گا وہ یہی سمجھ کر کہ یہ ڈراما جس شکل میں ہمارے سامنے ہے ، وہ طالب ہی کی تخلیق ہے اور ''گوپی چند'' کے قصّے کو ڈرامائی صورت طالب کے تخیّل نے دی ہے۔

اس مفروضے کے باوجود تبصرے کا کام آسان نہیں ہوتا ۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ڈرامے کے مختلف نسخوں کا باہمی اختلاف ہے۔ پُرانے ڈراموں کے مطالعے کے سلسلے میں عموماً اسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ لکھنے والوں کے ساتھ جتنے ڈراموں کی تصنیف یا تخلیق منسوب ہے ، اُن میں سے اکثر کے متون عام طور سے مہیا نہیں ہیں ۔ جن ڈراموں کے متن موجود ہیں اُن کا بھی ایک نسخہ ہے اور اس کی اصلاح میں اکثر و بیشتر قیاس سے کام لینا پڑتا ہے ۔ لیکن خوش قسمتی سے اگر کسی ڈرامے کے ایک سے زیدہ نسخے مل جائیں تو وہ مختلف حیثیتوں سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں ۔ اس صورت میں یہ فیصلہ دشوار ہو جاتا ہے کہ کس نسخے کے مندرجات کو صحیح سمجھا جائے ۔ یہی صورت ''گوپی چند'' کے معاملے میں بھی ہے ۔ اس ڈرامے کے دو نسخے ہمارے پاس ہیں ؛ ایک تو وہ نقل شدہ نسخہ ہے جو سید امتیاز علی تاج مرحوم کے مسودات میں ملا ، دوسرا نسخہ مجھے ترقیٔ اردو بورڈ کراچی کی لائبریری سے ملا ہے ۔ نقل شدہ نسخے کو بنیاد بنا کر میں نے جب اسے آخری شکل دینے کا کام شروع کیا تو اختلافِ نسخ کی وہی صورت سامنے آئی جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ۔

نقل شدہ نسخے کے اول و آخر میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے

یہ پتا چل سکے کہ جس نسخے کی یہ نقل ہے وہ کب اور کہاں کا چھپا ہوا تھا ؟ البتہ ترقیٔ اردو بورڈ کے نسخے کا سرورق موجود ہے جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ میسرز نرائن دت سہگل اینڈ سنز نے اسے مطبع واشنگٹن پریس میکلوڈ روڈ لاہور میں چھپوا کر شائع کیا ۔ طباعت کا سنہ اس میں درج نہیں ہے ۔ ڈرامے میں ۲۰ × ۱۶/۳۰ سائز کے ۸۸ صفحے ہیں ۔ اندرونی سرورق کی پشت پر ہندوستان کی تھیٹریکل کمپنیوں کے کھیلے ہوئے ڈراموں کی فہرست ہے ۔ صفحہ ۸۸ کے بعد دو صفحوں میں اسرار و سراغ رسانی کے ''حیرت انگیز'' ناولوں کی فہرست ہے اور بیرونی سرورق کے چوتھے صفحے پر ''نئے نئے اصلی تھیٹریکل'' ڈراموں کی خاصی طویل فہرست درج ہے ۔ یہ نسخہ کئی حیثیتوں سے نقل شدہ نسخے کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے اور اختلاف کی صورت میں میں نے اکثر و بیشتر چھپے ہوئے نسخے کے مندرجات کو ترجیح دی ہے ۔ دونوں نسخوں میں جابجا جو فرق اور اختلاف ہیں وہ تین صورتوں میں رونما ہوئے ہیں : پہلا فرق آن ہدایات میں ہے جو مناظر اور گانوں کے سلسلے میں دی گئی ہیں ۔ دوسرا فرق مکالموں میں بولے جانے والے الفاظ میں اور تیسرا گیتوں کے بولوں میں ۔ اب اِس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ کر لیجیے ۔

پہلے باب کے پہلے منظر کی ابتدائی ہدایات نقل شدہ نسخے میں اس طرح دی گئی ہیں :

(راج محل)

(جیوالندھرناتھ، مکشندر ، گولش اور کانف اور سادھوؤں

کا بھجن گانا)

مطبوعہ نسخے میں یہ بات اس طرح لکھی گئی ہے :

(سندر نگر میں محل کے پاس کا راستہ)

[جیوالندھرناتھ ، مگچھندر ناتھ ، کانف اور گورکھ ناتھ

کا دو سادھوؤں کے ساتھ بھجن کرتے نظر آنا]

منظر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بھجن گانے والے راج محل میں نہیں بلکہ راستے میں ہیں اور کرداروں کے نام بھی چھپے ہوئے متن میں صحیح لکھے ہوئے ہیں ، مثلاً مکشندر اصل میں مکشندر ناتھ یا مگچھندر ناتھ ہے اور گولش اصل میں گورکھ ناتھ ہے ۔ عبارت میں بھی ''بھجن گانا'' کے مقابلے میں ''بھجن کرتے نظر آنا'' صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ چنانچہ میں نے چھپے ہوئے مندرجات کو ترجیح دی ہے ، البتہ ''بھجن کرتے نظر آنا'' کو ''بھجن گاتے نظر آنا'' ، جیوالندھر کو جالندھر اور مگچھندر کو مچھندر کر دیا ہے ۔

پہلے باب کے دوسرے منظر میں نقل شدہ نسخے کے اندراجات یہ ہیں :

باب پہلا　　　دربار گوپی چند　　　سین دوسرا

چھپے ہوئے نسخے میں یہی بات اس طرح لکھی گئی ہے :

باب پہلا　　　دکھاؤ پہلا　　　دیوانِ عام

[پنڈت ، لوٹن ، چوبدار ، درباریوں وغیرہ کا بیٹھے ہوئے

دکھائی دینا ۔ چوبدار کا گوپی چند کی آمد سنانا]

چھپے ہوئے نسخے میں 'سین' کو 'دکھاؤ' کہا گیا ہے اور 'دوسرے' کو 'پہلا' لکھا گیا ہے اور 'منظر' کو 'دیوانِ عام' کا نام دیا گیا ہے ۔ دوسرے منظر کو پہلا کہنا یقیناً کسی سہو کا نتیجہ

ہے ۔ 'دکھاؤ' کا استعمال بھی محض جدّت پسندی ہے جو عام رواج کے خلاف ہے اور دربار کے لیے 'دیوانِ عام' کا استعمال بھی اُس وقت کے عام رواج کے خلاف ہے ۔ طالب نے اپنے ڈراموں میں عموماً منظر کے لیے 'سین' کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ اور راجا ، مہاراجا کے دربار کو 'دیوانِ عام' کہنا بھی درست نہیں ، اس لیے میں نے منظر کی ابتدائی ہدایات اُسی شکل میں قائم رکھی ہیں جیسی نقل شدہ نسخے میں ہیں ، البتہ اُس تفصیلی ہدایت کو جو درباریوں کی نشست اور راجا کی آمد کے متعلق مطبوعہ نسخے میں درج ہے ، اختیار کر کے متن میں اُس کا اضافہ کر دیا ہے ۔

اسی طرح کی ایک مثال اور :

پہلے باب کے دوسرے منظر کے درمیان میں ایک گانا ہے : ''آئی راحت کچھ روز رہی ۔'' اس گانے کے فوراً بعد چوبدار ، راجا کو ایک جوگن کے دروازے پر کھڑے ہونے کی اطلاع دیتا ہے ۔ منظر کے اس حصے میں کرداروں کے آنے جانے کے متعلق چھپے ہوئے نسخے میں کئی ایسی ہدایات ہیں جو نقل شدہ نسخے میں نہیں ہیں ۔ مجھے یہ ہدایات ضروری معلوم ہوئیں اس لیے میں نے متن میں ان کا اضافہ کر دیا ۔ مناظر سے تعلق رکھنے والی ہدایات میں اس طرح کے فرق ڈرامے کے ہر حصّے میں ہیں ۔ میں نے اپنی صوابدید کے مطابق چھپے ہوئے نسخے سے فائدہ اٹھا کر جابجا ایسی ہدایات کا اضافہ کیا ہے جن سے کرداروں کی آمد و رفت اور حرکات و سکنات کے متعیّن کرنے میں سہولت ہوتی ہے ۔

دوسری طرح کی ہدایات گیتوں سے تعلق رکھتی ہیں ۔ اس معاملے میں نقل شدہ متن قطعاً ناقص بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بالکل

کورا ہے اور منظر میں جہاں بھی کوئی گانا آیا ہے ، اُس پر 'گانا' لکھ دیا گیا ہے ۔ چھپے ہوئے نسخے میں ہر جگہ گانے کی طرز بھی لکھی ہوئی ہے ۔ اس معاملے میں میں نے چھپے ہوئے نسخے کو معتبر سمجھ کر حاشیے میں گانے کی طرز کی طرف اشارہ کر دیا ہے ۔ یہ بات میرے نزدیک دو وجوہ سے درست ہے : اول یہ کہ اس دور کے ڈراموں میں عموماً گانوں کے ساتھ اس طرح کی ہدایات لکھنے کا رواج عام تھا اور دوسرے اس لیے کہ طالب کے حالات سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ اُنھیں موسیقی سے خاصا شغف تھا اور وہ ڈراموں میں آنے والے گانوں کی طرز کی تیاری میں خاصا وقت صرف کرتے تھے ۔ چھپے ہوئے نسخے میں گانوں کے متعلق جو ہدایات ہیں وہ کچھ اس طرح کی ہیں :

> گانا کلیان ، گانا جھنجھوٹی ، تال دادرا ۔ گانا ، تال پہاڑی پد ۔ گانا ، تال پیلو لاؤنی ۔ گانا ضلع برہنس ۔ دوہا ۔ گانا ، طرز لاؤنی ۔ گانا ، تال جھنجھوٹی ، نکتا مدھم ۔ کافی ٹھمری ۔ طرز انگریزی ۔ گوری ٹھمری ۔ گانا ، بھوپالی ، غزل ۔ جنگلا بھمبری ۔ دیس پد ۔

یہ ہدایات ڈرامے کے ابتدائی نصف حصے میں آئی ہیں ۔ بقیہ نصف حصے میں بھی اسی طرح کی ہدایات ہر گانے کے ساتھ درج ہیں ۔ میں نے متن میں ان ہدایات کا اضافہ ضروری سمجھا ہے ، اور "اُردو کا کلاسیکی ڈراما" کے معمول کے مطابق یہ اشارے حاشیے میں درج کر دیے ہیں ۔

اسی طرح کے فرق گانوں کے بولوں اور کرداروں کے مکالموں میں بھی ہیں ۔ مجھے دونوں نسخوں میں اس طرح کے جو فرق ملے

ہیں ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے معاملے میں یہ بات پیشِ نظر رکھی ہے کہ متن میں جس جگہ اختلاف کی یہ صورت پیدا ہوئی وہاں کا سیاق و سباق اختلاف کی دونوں صورتوں میں سے کسے قبول کرتا ہے ، اور کون سی صورت ڈراما نگار کے عام اسلوب سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے ۔ ذیل میں اس طرح کی چند مثالیں پیش کر رہا ہوں ۔ پہلے چند مثالیں گانوں کے بولوں کے فرق اور اختلاف کی دیکھ لیجیے ۔ پہلے باب کے پہلے منظر کے بالکل شروع میں ایک بھجن ہے جسے سب کردار مل کر گاتے ہیں ۔ نقل شدہ نسخے میں وہ اس طرح لکھا ہوا ہے :

دنیا ساری سمجھو جھوٹی ، جھوٹا سب سنسارا
کایا جھوٹی ، مایا جھوٹی ، جھوٹا جگ بیوپارا
مال خزانہ ، دھن دولت ، سب جوبن اور جوانی
آوے اِت سے ، جاوے اُت کو جیسے ڈھل کے پارہ (ڈھلکے پارا)
جل تھل میں ، بنجر جنگل میں ، کل بے کل میں ، دنیا ساری . . .

چھپے ہوئے نسخے کے بول یہ ہیں :

دنیا ساری سمجھو جھوٹی ، جھوٹا سب سنسار رے
کایا جھوٹی ، مایا جھوٹی ، جھوٹا سب جگ بیوپار رے
مال خزانہ ، دھن دولت سب جوبن اور جوانی رے
آوے اِت کو جاوے اُت کو جیسے جل کی دھار رے
جل میں تھل میں ، گھر میں جنگل میں ، دل بادل میں ، کل بے کل میں
دنیا ساری

میں نے 'سنسار رے' اور 'بیوپار رے' کو 'سنسارا' اور 'بیوپارا' پر ترجیح دی اور 'ڈھلکے پارا' کی بجائے 'جیسے جل کی دھار رے' کو

اختیار کیا ۔ پانچویں سطر بھی چھپے ہوئے نسخے کی قابلِ ترجیح معلوم ہوئی ، البتہ چھپے ہوئے نسخے کی دوسری سطر میں 'سب' زائد اور چوتھی سطر میں 'اِت کو' غلط معلوم ہوا اس لیے دونوں جگہ اُس صورت کو ترجیح دی گئی جو نقل شدہ نسخے میں ہے ۔

پہلے باب کے دوسرے منظر کے درمیانی حصے میں ایک گانا ہے ''آئی راحت کوئی روز ہی . . .'' نقل شدہ نسخے میں وہ اس طرح لکھا ہوا ہے :

آئی راحت کوئی روز ہی ، پھر رنج آیا ، کچھ آن رہا
شب کو چاند اور تارے آئے ، چڑھ کے بادل کارے آئے ،
دن کو سورج آ کے مہمان رہا
دائم قائم کب عالم میں کوئی بشر پریشان رہا
اعلٰی ادنٰی ، افسر کمترین ، دنیا سے گزرے ، آخر رہنے والا
لیکن وہ رحمان رہا ۔ سچا دوست خدا سب کا ہے ،
اس پر ہو قربان رہا ،
دنیا کے وہ غم سے چھوٹا ، پربت کے عالم سے چھوٹا ،
ہر حالت میں خوش وہ انسان رہا

— چھپے ہوئے نسخے میں پہلی سطر میں ''آئی راحت کچھ روز رہی'' ہے ۔ میں نے اسی کو اختیار کیا ۔

— چوتھی سطر چھپے ہوئے نسخے میں یوں ہے ''قائم دائم کب عالم میں کوئی بشر ذیشان رہا'' یہاں 'دائم قائم' کی جگہ 'قائم دائم' اور 'پریشان' کی بجائے 'ذیشان' ، میرے نزدیک یہ دونوں صورتیں قابلِ ترجیح تھیں ، اس لیے انھیں اختیار کیا گیا ۔

— پانچویں سطر میں چھپے ہوئے نسخے میں ''افسر کمترین'' نہیں ،

بلکہ ''افسر کمتر'' ہے اور ظاہر ہے کہ یہی صحیح ہے -
—چھٹی سطر میں ''سچا دوست خدا سب کا ہے -'' مطبوعہ نسخے میں ''سچا دوست خدا ہے سب کا'' ہے اور ''اس پر ہو قربان رہا'' میں ''ہو'' کی بجائے ''جو'' ہے - بدیہی طور پر یہی دونوں صورتیں قابلِ ترجیح ہیں ، اس لیے انھیں اختیار کیا گیا -
ایک مثال اور دیکھیے - یہاں گانا نہیں ہے بلکہ جالندھر جو نصیحت میناوت کو کر رہا ہے (باب پہلا ، منظر چوتھا) اسے مسدس کی شکل دی گئی ہے - نقل شدہ نسخے میں مسدس کا متن یہ ہے :

دنیا کی ہے راہ تلوار کی ہے دھار
اس راہ سے انساں کا گزر سخت ہے دشوار
چبھتے ہیں حسد ، حرص و عداوت کے یہاں خار
ہے گرم سدا مکر و دغا بازی کا بازار
بد کو یہ بڑھاتی ہے ، گھٹاتی ہے بھلوں کو
کانٹوں کو بڑھاتی ہے ، گھٹاتی ہے پھلوں کو

جوانوں کی یہاں جیت ہے ، بچّوں کی یہاں ہار
انصاف کی گردن پہ رواں ظلم کی تلوار
جنگل ہے جگر چاک مگر تیز ہے ہر تار
جو موتی چاہے وہ پانی میں پڑا ہے زینہار
مکّار یہ دنیا نہیں سچّوں کی طلب گار

دنیا سے اگر پھر کے تو قائل ہوا خدا پر
تو دل کو سدا لذّتِ دنیا سے جدا کر

مت پھنس تو مکر و ریا سے بھی حیا کر
دل صاف کر اور اس میں دیدارِ خدا کر
مت بھول تو نیکی کو، مت بھول قضا کو
سب کچھ تو بھلا دے پر نہ بھلا یادِ خدا کو

اب ذرا مسدّس کے تینوں بندوں پر ایک ایک کر کے نظر ڈالیے :

پہلے بند کا پہلا مصرع ناموزوں ہے - چھپے ہوئے نسخے میں یہ مصرع یوں ہے :

دنیا کی جو ہے راہ وہ تلوار کی ہے دھار

متن کو اس کے مطابق کر دیا گیا - بند کے چھٹے مصرعے میں چھپے ہوئے متن کے الفاظ یہ ہیں : ''کانٹوں کو بچھانی ہے لٹاتی ہے گلوں کو'' اسی کو اختیار کیا گیا -

نقل شدہ نسخے میں دوسرا بند پانچ مصرعوں کا ہے اور ان مصرعوں میں بھی عجب عجب قسم کی غلطیاں ہیں - یہ بند چھپے ہوئے نسخے میں اس طرح ہے :

جھوٹوں کی یہاں جیت ہے، سچّوں کی یہاں ہار
انصاف کی گردن پہ رواں ظلم کی تلوار
گل کا ہے جگر چاک مگر تیز ہے تلوار
مکّار یہ دنیا نہیں سچّوں کی طلب گار
ناقدری کا سچّوں کی ثبوت ایک بڑا ہے
جو موتی کہ سچّا ہے وہ پانی میں پڑا ہے

متن کو اسی کے مطابق کر لیا گیا -

یہی صورت تیسرے بند کی بھی ہے - دونوں نسخوں کا فرق

ذیل کے جدول سے ظاہر ہے :

نقل شدہ متن

پہلا مصرع	:	دنیا سے اگر پھر کے تو قائل ہوا خدا پر
تیسرا مصرع	:	مت پھنس تو مکر و ریا سے بھی حیا کر
چوتھا مصرع	:	دل صاف کر اور اس میں دیدار خدا کر
پانچواں مصرع	:	مت بھول تو نیکی کو ، مت بھول قضا کو
چھٹا مصرع	:	سب کچھ تو بھلا دے پر نہ بھلا یادِ خدا کو

مطبوعہ متن

دنیا سے اگر پھر کے تو قائل ہو خدا پر
تو دل کو سدا لذّتِ دنیا سے جدا کر
مت بھیس بنا ، کپڑے رنگا ، مکر و ریا کر
دل صاف کر اور اس میں ہی دیدارِ خدا کر
مت بھول تو نیکی کو ، نہ تو بھول قضا کو
سب کچھ تو بھلا ، پر نہ بھلا یادِ خدا کو

تمام مصرعوں میں مطبوعہ متن کے الفاظ اور ان کی ترتیب درست ہے - متن کی تصحیح اسی کے مطابق کی گئی -

مکالموں میں الفاظ کے اختلاف کی صورتیں گنتی میں اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں اور بعض موقعے ایسے ہیں جہاں یہ فیصلہ آسان نہیں ہوتا کہ اختلاف کی دو صورتوں میں سے کسے صحیح سمجھا اور اختیار کیا جائے - چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

پہلے باب کے تیسرے منظر کے شروع میں داسیوں کی گفتگو ہے - داسیاں جیوالندھر کو تلاش کر رہی ہیں اور وہ اب تک نہیں ملا - یہ بات انھیں مہارانی میناوت کو بتانی ہے - منظر کا درمیانی

حصہ ہے - دو سہیلیاں جو گفتگو کر رہی ہیں ، وہ نقل شدہ نسخے میں اس طرح لکھی ہوئی ہے :

پہلی : اور پھر کیا ؟ تجھے تو ہنسی سوجھی ہے - وہ مُوا جوگی متا کیا جانے گیان ہے - بڑھیا تو دیوانی ہوئی ہے جو اُس کی سیوا اٹھائی ہوئی ہے - کیا وہی ایک سادھو جگت میں یارا ہے -

دوسری : چپ بندی پتھ نیمچال جوگی کہے حق میں ایسا سخن منہ سے نہ نکال - چل ذرا تھوڑی دور اور چل - تو کوئی موم نہیں جو پگھل جائے گی - صرف تو نہیں جو گل جائے گی - (سامنے دیکھ کر) مہارانی تمام دن چھان مارا ، چلتے چلتے آخر تھک کر جی گھبرا گیا مگر کسی سادھو کے استھان کا کہیں نشان نہ پایا -

میناوت : راستے میں مَیں نے ہرکارہ سے سنا کہ اسی بن میں اُس کا استھان ہے - دیکھو ڈھونڈو - دَرَس بِن بے چین میرا تن من ہے - میرے دل و جان بن ہے -

اس چھوٹے سے مکالمے کو غور سے دیکھیے تو کئی باتیں کھٹکیں گی - پہلی سہیلی نے جو کچھ کہا ہے ، اُس میں یہ جملہ ''وہ مُوا جوگی متا کیا جانے گیان ہے'' مہمل معلوم ہوتا ہے - اس کے فوراً بعد جو بات شروع ہو گئی ہے اُس کا پہلے جملے سے بظاہر کوئی تعلق نہیں - سمجھ میں نہیں آتا کہ ''بڑھیا تو دیوانی ہوئی ہے . . . ٹھائی ہوئی ہے'' کا یہاں کیا محل ہے - آخری جملے میں ''یارا'' ہے۔ کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا -

گفتگو کا یہ حصّہ چھپے ہوئے نسخے میں اس طرح ہے :

پہلی : اور پھر کیا؟ تجھے تو ہنسی سوجھی ہے - وہ موا جوگی کیا جانے کہاں ہے ؟ بڑھیا تو دیوانی ہوئی ہے جو اُس کی سیوا ٹھانی ہوئی ہے - وہی ایک سادھو جگت میں نیارا ہے !

متن کی اِس صورت نے پہلی اُلجھن دور کر دی اور جو جملہ قطعاً مہمل تھا بامعنی بن گیا - اس جملے کے صحیح ہونے سے اگلے جملے کا مطلب بھی سمجھ میں آ گیا - ''یارا'' والی اُلجھن بھی ''نیارا'' نے دور کر دی -

اب ذرا دوسری داسی کے منہ سے نکلی ہوئی باتوں پر نظر ڈالیے - پہلے جملے میں ''کہے'' کو تو یہ سمجھ لیجیے کہ ''کے'' ہے لیکن یہ ''ہتھ نیمچال'' آخر کیا ہے ؟ پہلے جملے کے بعد آنے والی بات جو ''سامنے دیکھ کر'' سے پہلے ختم ہوئی ہے ، صاف ہے - اس میں کسی طرح کی اُلجھن نہیں ، لیکن اس کے فوراً بعد جو بات شروع ہو جاتی ہے ، اُس کا پچھلے جملوں سے کوئی ربط نہیں - یہ دونوں اُلجھنیں مطبوعہ نسخے کی عبارت سے رفع ہو جاتی ہیں - عبارت یہ ہے :

دوسری : چپ بندی ! منہ سنبھال ، سادھو کے حق میں ایسا سخن منہ سے نہ نکال - چل ذرا تھوڑی دور چل - موم تو نہیں کہ گل جائے گی ، چربی تو نہیں کہ پگھل جائے گی (سامنے دیکھ کر) ارے اب کیا کریں - بڑھیا تو آ پہنچی -

پہلی : کہیں گے ، ڈھونڈ کر مارے ، بہت سر مارے ، کہیں نہ ملا ، مطلب کا گل نہ کھلا (میناوت کا مع داسیوں کے آنا) -

میناوت : کیوں اب تک پتہ نہ ملا ؟

دوسری : مہارانی ! تمام بن چھان مارا ۔ پھر بھی آخر چلتے چلتے تھک گئیں ، مگر سادھو استھان بے نشان کہیں نہ پایا ۔

اس عبارت میں بعض چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہیں : مثلاً ''ڈھونڈ کر مارے'' کی جگہ ''ڈھونڈ کر ہارے'' ہونا چاہیے ۔ ''تمام بن چھان مارا'' کے بعد ''پھر بھی'' زیادہ ہے اور 'استھان' کے بعد 'بے' کی جگہ 'کا' ہونا چاہیے ۔ یہ غلطیاں درست کر کے مکالمے کے اس حصے کا مقابلہ نقل شدہ متن کے اسی حصے سے کیجیے تو پتا چلے گا کہ اس متن میں دوسری داسی کے دو مکالموں کو ملا دیا اور ان دونوں مکالموں کے درمیان میں آنے والی وہ گفتگو چھوڑ دی جو پہلی داسی اور میناوت نے کی تھی ۔ اس کا جو نتیجہ ہوا وہ ظاہر ہے ۔

مکالموں کے لحاظ سے نقل شدہ متن اور مطبوعہ متن میں جابجا بہت سے فرق اور اختلاف ہیں ۔ مکالموں میں جہاں جہاں یہ اختلافات ہیں اُن میں اکثر صورتوں میں متن کی وہ صورت زیادہ قابلِ قبول ہے جو مطبوعہ نسخے میں ملتی ہے ۔ بعض موقعے البتہ ایسے ہیں جہاں نقل شدہ متن کے الفاظ قابلِ ترجیح ہیں ۔

اختلافِ نسخ کی صورت میں میں نے اکثر و بیشتر مطبوعہ نسخے کے متن کو قبول اور اختیار کیا ہے ۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس متن کی نثر کی عبارت صاف اور سلجھی ہوئی ہے اور طالب کے علمی اور ادبی ذوق کے متعلق ہماری جو معلومات ہیں اُن کی بنا پر ہم اُن سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ اُن کی لکھی ہوئی عبارت صاف اور سلجھی ہوئی ہوگی ۔

مکالموں کے نقطۂ نظر سے ''گوپی چند'' کا مطالعہ کیا جائے تو اُس کی کئی ایسی خصوصیتیں سامنے آئیں گی جن سے طالب کی

قدرتِ بیان کا پتا چلتا ہے ۔ مکالموں کی ان خصوصیات کی تفصیل
بیان کرنے سے پہلے میں ''گوپی چند'' کی زبان کے متعلق ڈاکٹر
عبدالعلیم نامی کا ایک جملہ لکھنا چاہتا ہوں ۔ ''گوپی چند'' کا مختصر
تعارف کراتے ہوئے اُنھوں نے اُس کی زبان کے متعلق یہ رائے ظاہر
کی ہے :

''اس ڈرامے کی زبان صاف ستھری ہے ۔ سادھو بھی ایسے
الفاظ بولتے ہیں جو بہ آسانی سمجھے جا سکتے ہیں ۔''
(اُردو تھیٹر ، حصہ دوم ، صفحہ ۱۱۵)

مکالموں کی بات میں سادھوؤں کی گفتگو سے شروع کرتا ہوں ۔
فنی موزونیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بات سادھو کریں گے اُس میں
ہندی کے الفاظ زیادہ ہوں گے ۔ عام طور سے اس طرح کی گفتگو میں
ہندی کے ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جو عام بول چال کی زبان
میں نہیں آتے ۔ جن ڈراموں کی بنیاد ہندوؤں کی تاریخ یا تہذیب پر
ہے ، اُن میں شخصیت کے وقار اور عظمت کا اظہار ڈراما نگار اس
طرح کرتے ہیں کہ کردار اپنی گفتگو میں ہندی کے بھاری بھرکم
اور ثقیل الفاظ استعمال کریں ۔ ''گوپی چند'' ایسا ڈراما ہے جس میں
شروع سے آخر تک جوگی ہی جوگی ہیں ۔ قصّے کی پوری فضا ہندوانہ
ہے اور اس فضا میں ایسے ہی الفاظ کا استعمال موزوں معلوم ہوتا ہے
جو خالص ہندوانہ ماحول سے تعلق رکھتے ہوں ۔ طالب نے اس فنی
موزونیت کو پیشِ نظر رکھا ہے ۔ لیکن مکالموں کو دیکھ کر محسوس
ہوتا ہے کہ ڈراما نگار نے ہندی کے الفاظ کے استعمال میں احتیاط اور
اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے ؛ ایک تو انھیں اتنا مشکل نہیں بننے
دیا کہ وہ عام تماشائی کے لیے ناقابلِ فہم بن جائیں اور دوسرے اُن

کی روانی میں فرق نہیں آنے دیا ۔ سادھوؤں کی زبان سے ہندی کے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ معنی اور مفہوم کے اعتبار سے بھی مشکل نہیں ہوتے اور صوتی اعتبار سے بھی ہلکے پھلکے ہوتے ہیں ۔ ایک مثال ملاحظہ کیجیے : پہلے باب کے پہلے منظر میں یہ الفاظ جوگن کی زبان سے نکلے ہیں :

''اپنا دیس بھیس چھوڑ ، عیش و آرام سے منہ موڑ ، فقط بات کی بات پر یہاں تک آئی ۔ کہتے ہیں یہ وہی سندرنگری تھی ۔ یہاں کا راجہ چمپاوتی کا بھائی گوپی چند چتُر اور دادگر ہے ۔ اس گوپی چند کی چندر بدن ، مہتاب سے دوچند ، چندر کلا کہتی ہے کہ جیسے چندرما جوت کی سوبھا رات سے ، ویسی عورت کی آبھا مرد کی ذات سے ۔ جیسے سانپ چندن میں بستے ہیں ویسے عورت کے من کو مردانہ محبت کے ناگ ڈستے ہیں ۔ چاند کا چاندنی سے جدا رہنا ، چاندی کا آگ میں جا رہنا ، عورت کا مرد کی چاہ سے بچا رہنا بہت مشکل ہے ۔ مگر یہ قول چمپاوتی کا غلط اور محض غلط ہے ۔ جو عورت کچی ہے وہ البتہ ذرا سے بہانے سے مرد کے دام میں پھنس جاتی ہے ، مگر پکی اور ہوشیار عورت کبھی اپنا دل ہاتھ سے نہیں گنواتی ہے ۔ میں مردوں کو ہرا دینے اور اپنا دل ان کی الفت سے بچا لینے کی شرط چمپاوتی سے بد کر ، سارا عیش چھوڑ یہاں تک آئی ، ظاہرا جوگن کا پیشہ رچائی ۔ خود چمپاوتی کے بھائی گوپی چند کے دربار میں جا کر یہ بحث اٹھاؤں ، مردوں کو ہراؤں ، چمپاوتی سے شرط جیت کر گوپی چند

سے اپنی فتح کی تصدیق کراؤں ۔ زمانے کو ثابت کر کے دکھاؤں کہ دنیا میں ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو مردوں کے تیرِ اُلفت کا نشانہ نہیں ہوتی ہیں اور نہ جھوٹی محبت پر اپنا دل ہاتھ سے کھوتی ہیں ۔"

جوگن کی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں کا اتنا طویل اقتباس میں نے اس لیے پیش کیا کہ اس میں طالب کے اُسلوبِ نثر کی کئی خصوصیات بہ یک وقت موجود ہیں ۔ باتیں چونکہ جوگن کے منہ سے نکلی ہیں اس لیے ضروری تھا کہ ان باتوں میں ایسی زبان استعمال کی جاتی جس پر ہندوانہ معاشرت کا رنگ غالب ہوتا ۔ چنانچہ طالب نے اس بات کا التزام کیا کہ جوگن کی زبان سے ایسے لفظ نکلوا دیے جو ٹھیٹ ہندی کے ہیں ؛ مثلاً دیس بھیس ، سندر نگری ، چتُر ، چندر بدن ، چندرما کی جوت ، سوبھا ، اُپما ، چندن ، من وغیرہ ۔ لیکن یہ سب لفظ ٹھیٹ ہندی کے لفظ ہونے کے باوجود ہلکے پھلکے ہیں اور ان کا صوتی تاثر بڑا نرم اور دھیما ہے اور ڈرامے کے عام تماشائی یا ناظر کو ان کا مطلب سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی ۔ ان خصوصیتوں کا لحاظ رکھنے کے ساتھ ساتھ طالب نے یہ التزام بھی کیا ہے کہ وہ ہندی کے لفظوں کے برابر برابر فارسی اور عربی کے مانوس لفظ بھی استعمال کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ گنگا جمنی زبان بڑا مزہ دیتی ہے ۔ خاص کر اُس وقت اور بھی لطف آتا ہے جب اوصاف کے ذکر اور تشبیہوں کے استعمال میں بھی یہ التزام قائم رہتا ہے جیسے 'چتر' اور 'دادگر' اور 'چندر بدن' اور 'مہتاب سے دوچند' میں ۔ عبارت میں ہندی کے لفظوں کے استعمال کے باوجود فارسی اور عربی کے لفظوں کی کثرت ہوتی ہے ، لیکن اس کثرت کے باوجود الفاظ عموماً وہی

ہوتے ہیں جو شرفا کی عام بول چال میں استعمال ہوتے ہیں اور جن سے زیادہ لوگ مانوس ہوتے ہیں ۔ عبارت کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ وہ ہر جگہ صحیح اور بامحاورہ ہے ۔ اور اس کے باوجود کہ جملوں میں قافیہ پیمائی بھی جی کھول کر کی گئی ہے ، ان کی سلاست اور روانی میں فرق نہیں آیا ۔ عام قاعدہ ہے کہ عبارت میں قافیے کے استعمال کا التزام کیا جائے تو کبھی کبھی ایسے الفاظ لانے پر مجبور ہونا پڑتا ہے جن میں تکلّف اور تصنّع کا رنگ صاف جھلکتا ہے ۔ طالب کی قافیہ پیمائی اس عام عیب سے خالی ہے ۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اُن کے پاس لفظوں کی کمی بھی نہیں اور قدرت نے جو حسنِ ذوق دیا ہے وہ بھی صحیح لفظ کے انتخاب میں اُن کا رہنما ہے ۔ 'جدا رہنا' اور 'جا رہنا' میں 'جا' کا لفظ ، 'پھنس جاتی' کے مقابلے میں 'گنواتی' کا لفظ ، 'ہراؤں' کے مقابلے 'بحث اٹھاؤں' اور 'تصدیق کراؤں' اسی طرح کے حسنِ انتخاب کی چند مثالیں ہیں ۔

طالب اُردو کے خوش گو شاعر ہیں ۔ اُنھوں نے نثر کے مضامین بھی لکھے ہیں اور اُن کی نثر کا اسلوب ایسا ہے کہ ہم اسے نثر کا سلیس ، رواں اور ادبی اُسلوب کہہ سکتے ہیں ؛ ادبی اس لحاظ سے کہ وہ مکالموں کی نثر میں بھی عربی فارسی کے ایسے لفظ استعمال کرتے ہیں جو علمی اور ادبی مضامین کے لیے تو موزوں ہوتے ہیں لیکن عام بول چال میں استعمال نہیں ہوتے ۔ ''گوپی چند'' کے سب مکالموں میں ، اس سے قطع نظر کہ بولنے والا کون ہے ، ایسے لفظ کثرت سے استعمال ہوئے ہیں ۔ مثال کے طور پر تھوڑے سے لفظ ملاحظہ کیجیے : بے شعور ، فتور ، دل بستگی ، حُرمت ، خاصہ ، فتح مند ، پیچ و تاب ، توفیق ، فضیحتی ، اصلا ، مرغوب ، تابع فرمان ،

پشیمانی ، نقش فانی ، معلقا۔

ادبی زبان لکھنے کا اہتمام ، ہندی اور عربی فارسی کے لفظوں کی خوش آہنگ آمیزش ، محاوروں اور کہاوتوں کا صحیح اور قادرانہ استعمال ، لفظوں کے انتخاب اور استعمال کا سلیقہ اور بہ حیثیتِ مجموعی زبان کو تکلّف اور تصنّع سے محفوظ رکھنا ''گوپی چند'' کے مصنّف کی مکالمہ نگاری کی چند خصوصیات ہیں ۔ ان خصوصیات کے علاوہ ایک اور خاص بات ، جس کا ڈراما نگار نے خیال رکھا ہے ، یہ ہے کہ مکالمہ اُس کردار کے مزاج سے مطابقت رکھتا ہو جس کی زبان سے ادا ہو رہا ہے ؛ مثلاً جالندھر کی گفتگو ہمیشہ عاقلانہ اور ناصحانہ ہوتی ہے اور اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ میں ایک طرح کا رکھ رکھاؤ ملتا ہے ۔ ذہانت اور بردباری میناوت کی گفتگو کی خصوصیات ہیں ۔ لوٹن کی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں میں شرارت اور سہیلیوں کی گفتگو میں شوخی ہے ۔ بولنے والے کی گفتگو کے الفاظ اور لہجے میں بھی ہم آہنگی ہے ، اور پورے ڈرامے میں عام طور سے لفظ اور لہجے کی اس مطابقت اور ہم آہنگی میں ہمواری اور یکسانی ہے ۔

''گوپی چند'' کے مکالمے عموماً تو نثر میں ہیں ، لیکن ان میں کہیں کہیں نظم کا استعمال بھی ہوا ہے ۔ کہیں تو اس طرح کہ نثر کے ساتھ ایک دو شعر آ گئے ہیں اور وہ نثر میں کہی ہوئی بات کی تائید کرتے ہیں ، لیکن کہیں کہیں ایسا بھی ہے کہ کردار نے اپنی پوری بات شعروں ہی میں کہی ہے اور یہ بات ۳ ۔ ۴ شعروں میں جا کر ختم ہوئی ہے ۔ مثال کے طور پر پہلے باب کے دوسرے منظر کے شروع میں گوپی چند کے بولے ہوئے چار شعر ، اسی باب کے درمیانی حصے میں پنڈت کے جواب میں جوگن کی زبان سے نکلے ہوئے

چار شعر ، پہلے باب کے چوتھے منظر میں میناوت کی بات کے جواب
میں جالندھر کے بولے ہوئے مسدّس کے تین بند اس طرح کی چند
مثالیں ہیں ۔ کچھ موقعوں پر ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک کردار اپنی
بات شعر میں کہتا ہے اور دوسرا کردار بات کا جواب شعر میں دیتا
ہے ، لیکن ایسے موقعے زیادہ نہیں ہیں ۔

مکالموں میں یوں تو ہر جگہ بے تکلّفی اور روانی ہے ، اور روانی
ہونا بجائے خود مکالموں کی ایک ایسی خوبی ہے جس سے ڈرامے کے
تماشائی اور قاری محظوظ ہوتے ہیں ، لیکن یہ بے تکلفی اور روانی اُن
مکالموں میں بے ساختگی کا رنگ اختیار کر لیتی ہے جن میں کردار
ہنسی مذاق کی باتیں کرتے ہیں ۔ مزاحیہ کرداروں کے مکالمے ڈرامے کے
مختلف مناظر میں بار بار آتے ہیں اور وہ دیر تک جاری رہتے ہیں ۔ ان
کرداروں کی گفتگو میں ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہوتی ہیں اور ایسے
اشخاص و افراد پر طنز بھی ہوتی ہے جنھیں ڈرامے میں کسی
معاشرتی گروہ کے نمائندے کی حیثیت سے لایا گیا ہے ۔ ''گوپی چند''
میں مزاحیہ کردار کا اہم منصب جس کردار نے ادا کیا ہے اس کا
نام لوٹن ہے ۔ لوٹن کو ڈرامے کے تانے بانے میں جو اہمیت
ڈراما نگار نے دی ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ڈرامے کے
بائیس مناظر میں سے گیارہ میں وہ موجود ہے ۔ گیارہ میں سے دو منظر
ایسے ہیں جن میں لوٹن تنہا اسٹیج پر نمودار ہوا ہے ۔ دو منظر ایسے
ہیں جن میں وہ ایک ایسے کردار کے ساتھ آتا ہے جسے مستقل طنز
کا نشانہ بنایا گیا ہے ۔ یہ کردار پنڈت کا ہے ۔ چار مناظر میں لوٹن
جوگن کے ساتھ آتا ہے ، جس کی موجودگی سے مناظر میں ایک لطیف
رومانی فضا پیدا ہوتی ہے ۔ تین مناظر ایسے ہیں جن میں لوٹن ، پنڈت

اور جوگن ایک ساتھ آتے ہیں ۔

طالب نے مسخرے کے کردار کی تخلیق محض خانہ پُری کے لیے یا محض منظر کی رونق اور چہل پہل میں اضافہ کرنے کے لیے نہیں کی ۔ یہ صحیح ہے کہ وہ جب بھی اسٹیج پر آتا ہے فضا میں خوش گواری پیدا ہو جاتی ہے ، لیکن اس کا فنی مقصد و منصب صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتا ۔ وہ مسخرہ ہے لیکن اُس کے مسخرہ پن میں حکمت کا ایک خاص رنگ ہے اور یہ رنگ آہستہ آہستہ اتنا اُبھرتا اور چمکتا ہے کہ ہمارے لیے یہی مسخرہ دلچسپی اور توجہ کا واحد مرکز بن جاتا ہے اور ہم اُسے ڈرامے کا ہیرو سمجھنے لگتے ہیں ۔ اُس کی وقتی ناکامیوں پر ہمارا جی کڑھتا ہے اور اُس کی کامیابی ہمیں مسرور و مطمئن کرتی ہے اور ہم ڈراما ختم ہونے کا انتظار صرف اس لیے کرتے ہیں کہ بالآخر اُس کی کوششوں کو کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں ۔ ''گوپی چند'' کا مسخرہ لوٹن ، مسخرہ بھی ہے اور پوری طرح اس منصب کا حق ادا کرتا ہے ، لیکن وہ مُصلح بھی ہے کہ اُس نے شر کی بیخ کنی اور اہلِ شر کی پردہ دری کو اپنا وظیفۂ حیات بنایا ہے ۔ نیز وہ حکیم بھی ہے کہ اُس کی کوئی بات عقل سے خالی نہیں ہوتی ۔

طالب نے لوٹن کے کردار کی تعمیر اور تخلیق پر پوری توجہ صرف کی ہے اس لیے کہ وہ اُسے ڈرامے کی دلچسپی کا ذریعہ بھی بنانا چاہتے ہیں ، اور اخلاق اور اصلاح کی قدروں کا داعی اور علم بردار بھی ۔ طالب جانتے ہیں کہ بے خوف حق گوئی اصلاحی عمل کی اساس ہے اور اس طرح کی حق گوئی کے لیے مسخرے سے زیادہ موزوں اور کوئی نہیں ہو سکتا ۔ اُس کی صاف گوئی اور بے باکی اُس سے وہ باتیں کہلوا دیتی

ہے جنھیں کہتے ہوئے دوسرے جھجک محسوس کرتے ہیں۔ طالب نے ڈرامے کے بالکل ابتدائی حصے میں ان پنڈت جی کی زبان سے، جن کا سینہ لوٹن کی طنز کے تیروں سے چھلنی ہے، یہ بات کہلوائی ہے:

پنڈت: یہ سمجھتا ہے کہ میں دربار کا مسخرہ ہوں اس لیے جو چاہوں بول سکتا ہوں۔

طالب نے لوٹن کو ہر بات کہنے کی آزادی دی ہے اور لوٹن نے اس آزادی سے پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ ہر موقع پر بولتا ہے اور جب بولتا ہے تو ہمیشہ جچی تلی بات کہتا ہے اور ایسے لفظوں میں کہتا ہے جو اس خاص بات کے کہنے کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہیں۔ اس کی باتوں میں محاورے بھی بے تکلفی سے استعمال ہوتے ہیں، جن کے استعمال کرنے کا طالب کو شوق بھی ہے اور مہارت بھی۔ شعر بھی بےساختہ پڑھے جاتے ہیں کہ طالب نے اپنے بیان کو موثر بنانے کے لیے ہمیشہ شعروں سے مدد لی ہے۔ ان شعروں میں وہ اکا دکا شعر بھی شامل ہیں جو نثر کے مکالمے میں زور پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور وہ شعر بھی جن میں کرداروں نے بیت بازی کے انداز میں ترکی بہ ترکی ایک دوسرے کو جواب دیا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ اور بھی مختلف صورتیں ہیں جن میں شعر ڈرامے کی دلچسپی قائم رکھنے میں حصہ لیتے ہیں۔ ان صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ طالب نے کرداروں کی بات مسدس کی شکل میں کہلوائی ہے اور دوسری صورت وہ گیت اور گانے ہیں جو ڈرامے کی پوری فضا میں بکھرے اور پھیلے ہوئے ہیں۔ ان گانوں میں بڑا تنوع ہے۔ کہیں وہ ٹھیٹ ہندی میں گائے ہوئے بھجن ہیں، کہیں ہلکے پھلکے رومانی گیت جو چلتی ہوئی مترنم دھنوں میں گائے گئے ہیں۔ کہیں ان کے

بولوں میں ہندی اردو کے میل کا گنگا جمنی رنگ ہے اور کہیں بڑی سیدھی سادی صاف اور آسان روزمرہ ۔ طالب نے اپنے گانوں میں ہر طرح کی زبان بے تکلفی سے استعمال کی ہے ۔ اس جگہ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں ۔ یہ گانا جالندھر نے دوسرے باب کے چوتھے منظر کے آخری حصے میں گایا ہے :

سچّا گُرو ہے وہ کرتار داتا
کرتار داتا ، وہ مختار داتا
گنہ گار اس کے جو دربار آئے
کرم سے بچاتا ہے ہر بار داتا
جو توبہ کرے اس کو فوراً وہ بخشے
ہے ایسا ہی ستّار ، غفّار داتا
کوئی در پہ آئے ، جو ناچار بندہ
نہیں رکھتا محروم کرتار داتا

گانوں میں کہیں کہیں جو مسدس اور قطعے آئے ہیں ، اُن کی ایک عام خصوصیت تو یہی ہے کہ وہ لفظی اور معنوی تعقید سے پاک ہیں لیکن اس کے علاوہ ایک اَور خصوصیت ، جس کا شعروں میں کہیں کہیں اظہار ہوتا ہے ، اُن کا رنگِ تغزّل ہے ۔ اس رنگِ تغزّل میں داغ کی شاگردی کا جو پرتو ہے اس نے ان شعروں میں بڑی دلکشی پیدا کر دی ہے ۔ صرف ایک مثال ملاحظہ کیجیے :

ہم نہیں ہاتھ سے دل اپنا گنوانے والے
ہم ہیں دلبر کو بھی چٹکی میں اڑانے والے
دل لبھانا کسے کہتے ہیں یہ ہم بھی دیکھیں
آئیں دکھلائیں ہنر اپنا دکھانے والے

"گوپی چند" میں جس طرح مکالمے اور گانے شروع سے آخر تک ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ڈرامے کی دلچسپی اور اس کے تاثر کو قائم رکھنے اور بڑھانے میں برابر کا حصہ لیتے ہیں ، اسی طرح ان دونوں چیزوں سے زندگی کا ایک فلسفہ بھی ابھرتا ہے ، جس میں بعض چیزوں کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ انھیں مکالموں اور گیتوں میں بار بار دہرایا گیا ہے ۔ سب سے زیادہ باتیں دنیا کی عام روش اور انسان کے بعض معاشرتی رویّوں کے متعلق کہی گئی ہیں ؛ مثلاً دنیا اور اس کے رشتے سے انسان کے متعلق جو باتیں بار بار کہی گئی ہیں انھیں یکجا کیا جائے تو ان کا خلاصہ یہ ہوگا کہ دنیا میں ہر طرف مایا کا جال پھیلا ہوا ہے اور دنیا کا ہر انسان جال کے پھندوں میں پھنسا ہوا ہے ۔ اس مایا نے ہر ایک کو مطلب کا بندہ بنا دیا ہے ۔ اس معاملے میں باپ بھائی کے رشتوں کی اہمیت بھی ختم ہوگئی ہے ۔ حالانکہ آدمی سوچے تو اس دنیا کی ہر چیز آنی جانی ہے اور اس لیے دنیا کی چیزوں سے دل لگانا بڑی نادانی ہے ۔ جو بات یاد رکھنے کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ انسان خالی ہاتھ آیا ہے اور خالی ہاتھ جائے گا ۔ دنیا ایک راستہ ہے ، ایسا راستہ جس میں تلوار کی دھار کی تیزی ہے اور اس لیے اس پر سے گزرنا سخت دشوار ہے ۔ اس راہ میں طرح طرح کے کانٹے ہیں اور حسد ، حرص اور عداوت ان کانٹوں کے نام ہیں ۔ یہ دنیا ایک بازار ہے جس میں مکر و دغا بازی کی جنس کی ارزانی ہے ۔ یہاں نیکی گھٹائی اور بدی بڑھائی جاتی ہے ۔ یہاں گلوں کو لٹاتے اور کانٹوں کو فرشِ راہ بناتے ہیں ۔ اس میں جھوٹوں کی جیت اور سچوں کی ہار ہے اور انصاف کی گردن پر ظلم کی تلوار رواں ہے ۔ دنیا کا یہی کاروبار ہے کہ میری پگڑی تیرے سر اور تیری پگڑی میرے

سر۔ اور ان سب باتوں میں انسان کے لیے یہ سبق ہے کہ وہ نیکی اور موت کو نہ بھولے اور باقی ساری چیزوں کو بھلا کر یادِ خدا کو اپنا رفیق بنائے ۔

جیسا کہ میں نے ابھی کہا یہ سب باتیں نثر اور نظم دونوں میں بار بار دہرائی گئی ہیں ۔ لیکن ایک بات جو لکھتے ہوئے طالب کا قلم نہیں تھکتا ، ''پنڈت جی'' کے ''اوصافِ حمیدہ'' ہیں ۔ اس خاص مقصد کے لیے انھوں نے لوٹن کو اپنا ترجمان بنایا ہے اور اس کی زبان سے پنڈت (جو حقیقت میں مذہب کے اجارہ داروں کی علامت ہیں) کی وہ گت بنوائی ہے کہ الامان و الحفیظ ۔ پنڈت جی کے ان ''اوصاف'' کی فہرست خاصی طویل ہے جو لوٹن کی کہی ہوئی باتوں سے مرتّب ہوتی ہے ۔ بیکنٹھ (جنّت) کا ٹھیکہ لینے والے پنڈتوں کا عمل یہ ہے کہ وہ زمانے کو جھوٹی باتوں سے ڈراتے اور بھکاتے اور لوگوں کا مال اڑاتے ہیں ۔ عوام کو کنویں میں گرانا اور انھیں ٹھگنا ٹھگانا ، یہ ہے پنڈتوں کا بانا ۔ ان کا ایک اور روپ یہ ہے کہ چند جھوٹ سچ ملا کے ، باتیں بنا کے مال مفت کھسوٹتے اور جوڑ توڑ کرکے اپنا گھر بھرتے ہیں ۔ ہردم مال مارنے کے خیال میں رہتے اور 'رام رام' چھوڑ کر 'مار مار' جپتے ہیں ۔

ڈرامے کی حیثیت سے ''گوپی چند'' کی سب سے بڑی خوبی ، میرے نزدیک یہ ہے کہ پند و موعظت کی اس کثرت اور تکرار کے باوجود ، جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ، اس میں قصے کی دلچسپی برابر قائم رہتی ہے اور دلچسپی کے قائم رکھنے میں ڈراما نگار نے مکالموں سے بھی اتنا ہی کام لیا ہے جتنا گانوں سے ۔ لیکن مکالموں کو اس لحاظ سے گانوں پر برتری حاصل ہے کہ ان میں گانوں کے

مقابلے میں بے تکلفی اور بے ساختگی زیادہ ہے - اسی بے تکلفی اور بے ساختگی سے ڈرامے کے کرداروں اور ڈرامے کے تماشائیوں کے درمیان بے تکلفی کا ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور بے تکلفی کا یہی رشتہ یگانگت اور ہم خیالی کے اس رشتے کی بنیاد بنتا ہے جو اسٹیج کے ڈرامے کی کامیابی کی روح ہے -

سمن آباد ، لاہور
۲۳ فروری ۱۹۷۴ع

وقار عظیم

ناٹک

راجا گوپی چند

از

منشی ونایک پرشاد طالب بنارسی

میسرز نرائن دت سہگل اینڈ سنز

نے

مطبع واشنگٹن پریس میکلوڈ روڈ لاہور

مین چھپوا کر شائع کی

باب پہلا

سین پہلا

سندر نگر میں محل کے پاس راستہ

[جالندھر ناتھ ، مچھندر ناتھ ، گورکھ ناتھ اور کانف اور
دو سادھوؤں کا بھجن گاتے نظر آنا]

سب : گانا

دنیا ساری سمجھو جھوٹی ، جھوٹا سب سنسار رے
کایا جھوٹی مایا جھوٹی ، جھوٹا جگ بیوپار رے
مال خزانہ ، دھن دولت ، سب جوبن اور جوانی رے
آوے اِت سے ، جاوے اُت کو جیسے جل کی دھار رے
جل میں تھل میں ، گھر میں جنگل میں ، دل بادل
میں ، کل بے کل میں دنیا ساری . . .

دوہرا

آرام میں جو رام کو بھولے تکلیف میں وہ ڈوبے گا
ہردم طالب ہو تو ہر کا ، ہے بے رحم سنسار رے
حالی گوہر والی جگدھر ، سب کا یاور ، سب کا داور
بالا برتر ، اعلیٰ افسر ، صاحب پرور ، ہے جو سرور
ناگر نٹ ور سُندر گردھر آس ہر چت دھر ، خود سر

مت کر ششدر ، من کو چھن بھر ، جا ہر کو بھج
کر یہ گھر تج کر دنیا ساری . . .

چھچھندر : گانا[1]

یاں تک آ گئے ہر کی دیا سے ، کرتے نام سدا آ پہنچے
کون نگر ہے ، کون شہر ہے ؟ کس جا پر ہم آ پہنچے

جالندھر ناتھ :

سندر نگری نام ہے اس کا ، جہاں ہم اے داتا پہنچے
کوئی شہر نہیں اس کی صفائی خوبی کو اصلا پہنچے

کانف :

رانی یہاں کی میناوت ہے اس کو بھی کوئی کیا پہنچے
پہنچے تو شاید گوپی چند اُس کا ہی بیٹا پہنچے

جالندھر ناتھ :

اے میرے چیلے کانف جہاں ہم دونوں گرو چیلا پہنچے
وہی فقیروں کا گھر ہے جہاں رات کو جا پہنچے

کانف :

آگے ارادہ ہو جو تمہارا دھیان جہاں ہر کا پہنچے
جہاں کہو تم ، جہاں رہو تم ، اسی جگہ بندہ جا پہنچے

۱- طرز: کالنگڑا ، لاونی -

سب :
بہتر ہے راہِ دیرِ جہاں سے جلد خدا تک جا پہنچے
موت اڑی ہے ، سر پہ کھڑی ہے ، خبر نہیں کب آ پہنچے

مچھندر :
مناسب ہے کہ ہر ایک کا راستہ یہاں سے نیارا ہو

جالندھر :
ہر ایک الگ ہو ، ہر ایک سے کنارہ ہو

کالف :
سوامی ہم کدھر جائیں ، ہمیں بھی کچھ اشارہ ہو

جالندھر :
ہماری مرضی ہے یہی کہ سندر نگر مقام ہمارا ہو

مچھندر :
ہم کو منظور ہے ، اِستری لنگ میں اپنا گزارا ہو

جالندھر :
بہت خوب ہے ، ہم کو بھی مرغوب ہے
کالف تم بھی آدھر جاؤ ، جہاں پر کچھ سہارا ہو

مچھندر :
اور گورکش[1] تو بھی ہر کی یاد میں ہمیں چھوڑ

۱- 'گورکش' اور 'گورکھ' ایک ہی نام ہے - معنی دونوں کے ایک ہی ہیں یعنی گائے کی حفاظت کرنے والا - متن میں 'گورکھ' کو ترجیح دی گئی ہے - (وقار)

یاترا کو تو بھی پسارا ہو -

گورکھ : بہت خوب سائیں جی ، جو کچھ حکم تمھارا ہو

جالندھر : برادر مکشندر ناتھ[1] آؤ - ہم لوگ یہاں سے رخصت ہونے سے پہلے ایک مرتبہ اس صاحب کی پرارتھنا کریں -

مچھندر : جیسی آپ کی مرضی -

سب : گانا[2]

پار برھم پرمیشور پرشوتم پرمانند، نندنند، جسودھانند،
سری گوبند دینا ناتھ - دکھ بھجن ، جگ جیون ، جگن ناتھ
کُر مکھ نند نند ، سوہن ، مدن موہن ، مُرلی دھر
سدا سوہن ، میگھ شیام مورت من موہن ، مکھ نند نند
پار برھم . . .

مچھندر : سائیں آدیش -

جالندھر ناتھ : سائیں آدیش -

۱- 'مکشندر' کو کہیں کہیں 'مچھندر' بھی لکھا گیا ہے جو اسی کی بدلی ہوئی صورت ہے - متن میں ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے - ہندی حروف تہجی میں چھ اور کش کو عام بول چال میں اکثر ایک دوسرے سے بدل دیتے ہیں -

۲- دھن کلیان -

کانف : بھائی آدیش ہو کانف گورکھش جالندھر
ناتھ سے ہے آدیش ، سائیں آدیش

جالندھر : آدیش ، بیٹا آدیش ۔

[الکھ کرکے چلا جانا ۔ اس کے بعد پوربیا ،
مغل اور بنیے کا آنا]

پوربیا : کہو بھیا من چھور داس ! مہارانی جی ابہن پدھاری
ناہیں ؟ جب لگ بھیا میں رانی جی کا درس نہ پاؤں
تب لگ بھیا موے سکرودن کل پڑت نائیں ۔ اب تو
ہم وا کے پرساد لیے بنا ٹارے ٹریوں نہ اور مارے
نہ مریوں ۔

بنیا : تو وشیش سچا بولیا ، میں نے سکرے گجرات ماں
ایسی ناری نہیں دیکھی ۔ مجھ جیسے سادھو سنت کا
کن کاپے ۔ رشی جیسا پتر ، سیتا جیسی سندری ،
جشودھا جیسی سہاؤنی شدہ گنی اور پدمنی جیسی
منش گھاتک ہے ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جب
لگ میں رانی جی کے گُن سے انجان تھا تب لگ
ایسا سمجھتا تھا کہ میری ناری جیسی ناری دنیا
کے پردے میں نہ ہوگی ، پرنتو اب نشچت ہوئی کہ
میناوت کے اگل تو وہ پانی بھرے ۔

مغل : ہے پانی بھرو چہ معنے بگو ۔ من ہمہ ولایت رفتم ۔
ہر جا دیدم و شنیدم مگر واللہ باللہ دیار خوشگوار
پربہار لطافت بار ہمچو ایں گلزار بخواب ہم نہ دیدم

باشد کہ کابل و اہل ایران و سیستان ہم شنیدہ باشی ۔
بسیار دیار ناہموار و تاجدار نابکار دیدہ باشی ، ولے
روئے ہیچ گلزار و خارزار ہمچوں ایں گل قرار نہ
چیدہ باشی ۔

پوربیا : آگا صاحب ! اے باسی تاجا ہم کو تو کچھ سمجھ
پڑت ناہیں ، کا کہت ہو ۔ اے سیٹھ جی بھی کیا
گٹ پٹ کر گئے ، کچھ دھیان میں پڑا ؟

مغل : جنگلی ! تو فارسی نمی دانی ؟

پوربیا : نہیں صاحب پھارسی ہم کا جانی ۔

بنیا : امارے کو بھی کچھ خبر نہیں تم کیم ہیم کیا بولیا ۔

مغل : او بے ایمان ہم بولو ۔ تمھارا راجہ اور راجہ کی رنڈی
کیا بولے گا ۔

پوربیا : رانی !

مغل : او رانی ، او رانی ! تمھارا رانی بہت اچھا ہے ۔ ہمارا
ملک برا ، بچکم کدھر دیکھو لوتو مارو چمڑی آتارو
ناک کاتو ، کان کاتو سرتورو ۔ ہم کو ادھر مرنا
پسند است ، ہمارا ملک بسیار گزند است ۔ شاہ شما نہایت
خوب است ۔ بہت عدل و انصاف ۔ ہمارا شاہ ایسا نہیں ۔

پوربیا : آگا صاحب ! کوئی گانا سناؤ ۔

مغل : گانا[1]

زابلم کابلم سے پھریم جہاں ، دیکھیم ، عرب و
مصر دیکھیم ، روم دیکھیم ، شام دیکھیم ، ایسا
راج کوئی نہ دیدم — زابلم کابلم
در وطنم چوری کنم ، لکری ماریم ، ہڈی توریم ،
مکئے ماریم ، پسلی توریم ، لوٹیم پیٹیم ، حلوا خورم
گرما گرم ۔ ایسا راج کہیں نہ دیدم — زابلم کابلم

[میناوت کو آتا دیکھ کر]

او چپ چپ ! مہارانی مہارانی آتا ۔ وہ تعریف کا گانا
اور قصیدہ سناؤ ۔

سب : گانا

سکر نکر گن گایو تہارو ، میناوت ذی شان
جدھر نظر پھیر دیکھتا ، پاوت سکھ سمپت انسان
گوڑ بنگالے میں تہارو ماتا جیو مان
گوپی چند ہے پتر تہارو پرجاوے کی جان

مغل : ہم اللہ سے ہر دم حق میں تیرے دعا کر تیم
تم رکھو چین امن سے خدا بھلا کر تیم

۱۔ جھنجھوٹی ، تال دادرا ۔

دیہقانی : اے ہری ماتا ! اب تک چار کھونٹ میں پھیلے تمرو راج
پُتر تہارو گُن بَل میں ہو تاجوں کا سرتاج

میناوت : اے میری وفادار رعیت میں تمھاری اس وفاداری اور
نمک حلالی پر بہت خوش ہوں ۔ تم لوگوں کے سکھ
سے میرا سکھ ہے اور تمھیں دکھی دیکھ کر میرا
دل بھی دکھی ہوتا ہے ۔ نیک بخت لوگو جیسا کہ
تم لوگ اپنی رانی اور اس کے بیٹے اپنے راجہ کو
چاہتے ہو ، ویسے ہی ایشور تمھیں اپنے سائے میں رکھے ۔

سب : گوپی چند اور میناوت ماتا کی جے ۔

[سب کا جانا اور گرو جالندھر ناتھ کا بھجن گاتے ہوئے آنا]

جالندھر : گانا[1]

مایا کی یہ جال ٹھگائی جگ میں چاروں طرف پھیلائی
جو ہے سو مطلب کا بندہ ، کیا باپ اور کیا بھائی
مٹی میں اک دن ہے ملنا آخر ، دو دن کی ہے نام بڑائی
جگت فانی سمجھ گیانی ، یہ ہے مایا آنی جانی
دیر مت کر بہت ، ہر پر دھیان لگا دے
نس دن دیا ایشور کی ، دیا ہوگی اے بھائی

[میناوت کا جالندھر کو دیکھنا]

میناوت : دیکھ داسی یہ کوئی بڑا سادھو نظر آتا ہے ۔

۱۔ تال پہاڑی ۔

جالندھر : الکھ نرنجن ۔

داسی : رانی جی سچ کہو یہ کوئی بڑا سنت ہے ۔

جالندھر : اَلکھ اَلکھ !

میناوت : سچ ہے یہ میرے دل کے درپن پر لگی ہوئی پاپ کی سیاہی مٹائے گا ۔

جالندھر : اَلکھ نرنجن (جاتا ہے)

میناوت : دوڑو داسی ، اس کو روکو تاکہ میں اس کا درشن کر لوں ۔

[سب کا گانا ۔ جوگن کا داخل ہونا]

جوگن : گانا

بنی جوگن میں ترک کر سب کام ، چھوڑ کر گام ٹھام ،
یہاں تک آئی سن کے سُندری کا نام
حسن میں ، جوبن میں ، یکتائے رنگ ، خوبی عیاں
ظاہر ہے ، بھیس جوگی یہی کر انتظام
پیار الفت ہے ، سخت ہے کلفت مجھے ، نہیں پریت
کسی کی پسند آئی مجھے
اپنا دیس بھیس چھوڑ ، عیش و آرام سے منہ موڑ
فقط بات کی بات پر یہاں تک آئی ۔ کہتے ہیں یہ وہی
سندر نگری تھی ۔ یہاں کا راجہ چمپاوتی کا بھائی

گوپی چند چتر اور دادگر ہے ۔ اس گوپی چند کی چندر بدن ، مہتاب سے دو چند ، چندر کلا بہن چمپاوتی کہتی ہے کہ جیسے چندرما جوت کی سوبھا رات سے ، ویسے عورت کی آبرو مرد کی ذات سے ، جیسے سانپ چندن میں بستے ہیں ویسے عورت کے من کو مردانہ محبت کے ناگ ڈستے ہیں ۔ چاند کا چاندنی سے جدا رہنا ، چاندی کا آگ میں جا رہنا ، عورت کا مرد کی چاہ سے بچا رہنا ، بہت مشکل ہے ۔ مگر یہ قول چمپاوتی کا غلط اور محض غلط ہے ۔ جو عورت کچّی ہے وہ البتہ ذرا سے بہانے سے مرد کے دام میں پھنس جاتی ہے مگر پکی اور ہوشیار عورت کبھی اپنا دل ہاتھ سے نہیں گنواتی ہے ۔ میں مردوں کو ہرا دینے اور اپنا دل اُن کی الفت سے بچا لینے کی شرط چمپاوتی سے بد کر سارا عیش چھوڑ یہاں تک آئی ۔ ظاہر جوگن کا پیشہ رچائی ۔ خود چمپاوتی کے بھائی گوپی چند کے دربار میں جا کر یہ بحث اٹھاؤں ، مردوں کو ہراؤں ۔ چمپاوتی سے شرط جیت کر گوپی چند سے اپنی فتح کی تصدیق کراؤں ۔ زمانے کو ثابت کر کے دکھاؤں کہ دنیا میں ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو مُردوں کے تیرِ الفت کا نشانہ نہیں ہوتی ہیں اور نہ جھوٹی محبت پر اپنا دل ہاتھ سے کھوتی ہیں ۔

قطعہ

ہم نہیں ہاتھ سے دل اپنا گنوانے والے
ہم ہیں دلبر کو بھی چٹکی میں اڑانے والے
دل لبھانا کسے کہتے ہیں یہ ہم بھی دیکھیں
آ کے دکھلائیں ہنر اپنا دکھانے والے

[جاتی ہے]

سین دوسرا

دربار

[پنڈت ، لوٹن ، چوبدار ، درباریوں وغیرہ کا بیٹھے ہوئے دکھائی دینا ۔ چوبدار کا گوپی چند کی آمد سنانا]

چوبدار : سہاراج آدھیراج کی سواری پر دھیان رہے ۔

[گوپی چند کا دربار میں آنا ، سب کا مل کر گانا]

سہیلیاں : **گانا**

نادر نورانی لاثانی ذات تیری پہچانی او گیانی دانی ، سلطانی
تیری ہم پر جاودانی ۔ داور تو ہے سب تیری پرجا ۔
اعلٰی ادنٰی شاہ تیرے دم سے شادمان ، نادر سرکار
شاہانہ کار راج تاج شہانہ انصاف کا بیٹھے تھانہ ۔

گوپی چند : خیال چاہیے شہ کو بڑا رعیّت کا
کہ بادشاہ ہے نوکر سدا رعیّت کا
مری وہ عین بھلائی رہے زمانے میں
اگر ہو ہاتھ سے میرے بھلا رعیّت کا
خدا سے ہے یہ دعا رات دن کہ اے باری
مجھے غلام ہی رکھیے خدا رعیّت کا

کام کروں سب کا انصاف سے ، دلداری سے
رہے شعار ہمیشہ وفا سے میرا رعیّت کا
کروں عوام کی انصاف سے یہ دلداری
رہے شعار ہمیشہ وفا رعیّت کا

پنڈت : اے باغ کے خوشنما پھول ! جس طرح تو نے اپنی زندگی امن و امان میں گزاری اسی طرح آس بھگوان کی کرپا سے سدا بہار شادمانی سے پھلا رہے ۔

گوپی چند : پنڈت جی ! آپ کی دعا قبول ہونی مشکل ہے ۔ انسان فانی ہے ۔ موت کا غم کیا کم ہے ، سچی خوشی کب نصیبِ آدم ہے ۔

کیا جانے گھڑی کون سی منحوس تھی نا کام
جس وقت ملا جان کو یہ جسم بدانجام
جب تک رہے دنیا میں ، رہا غم سے سدا کام
جاتے ہیں عدم کو تو وہاں بھی نہیں آرام
واں حشر کی دہشت سے فراغت نہیں ملتی
تن چھوڑ کے بھی روح کو راحت نہیں ملتی

پنڈت : مہاراج ! یہ آپ کے دل میں کیا آیا ۔ تن پا کے دنیا میں سکھی نہ ہو ۔ یہ جان کس کس تن میں جا کے ، چوہے بلی ، گدھا گھوڑا ، کیڑا مکوڑا بن بنا کے ، ہزاروں کشٹ اٹھا کے تب آدمی کا جامہ پاتی ہے ۔ آدم زاد کو مقدور بھر کھانا کھلانا ، گانا بجانا ، عیش اڑانا ، رنگ رلیاں مچانا ، خوشی منانا ضرور ہے ۔ موت

کا بہانہ کر کے دن رات غم کا کھانا ، آنسو بہانا تنگدلی
دکھانا ہے - جو آپ جیسے گیانی اور دانی کو نہیں
چاہتا ہے - ہے راجن ! ایسے انوچت خیال میں نہ
جائیے - بہار کا موسم ہے - کسی روپ والی رام جنی
کو بلائیے اور جلسہ جائیے -

لوٹن : واہ پنڈت جی واہ ! جب کسان ہی کھیت کھائے تو
رکھوالی کون کرے ؟ تین ہاتھ کا ٹیکا ، کنویں کی
رسّی سے لمبا مالا جھلانا اور اس پر کھوٹی صلاح
بتانا ! گرو پنڈت کو رام جنی کا دھیان ، اونچی دکان
اور پھیکا پکوان - ظاہر میں تو آن بان ، وہ شان گمان
کہ گویا چھ شاستر اور اٹھارہ پُران چھان چھان کے
چاٹ گئے - اپنی زبان اور بیان کے آگے جہان کو
نادان ، انجان ، بے ایمان جان لیا ہے اور اپنے کو دوسرا
بھگوان مان لیا ہے - بیکنٹھ کیلاش کا تو ٹھیکہ ہی
لیے بیٹھے ہیں - اپنے کو پُجانا اور سورگ کو پہنچانا
تو کچھ بات نہیں - مگر فعل دیکھو تو واہ واہ ! زمانے
کو جھوٹی باتوں سے ڈرانا ، بھکانا ، مال اڑانا ، عوام
کو کنویں میں گرانا ، ٹھگنا ٹھگانا ، یہ ہے پنڈتوں
کا بانا -

پنڈت : لوٹن ! جس بات میں تجھے دخل نہیں اس میں دم نہ مار ،
اندھا کیا جانے کسی بات کی سار -

لوٹن : تو سمجھ والے پنڈت جی ! ذرا آپ ہی مجھے بتاؤ کہ آپ

نے کتنا خزانہ سمجھ کا جمع کیا ہے ؟

پنڈت : گدھوں کو عقل مندوں کے بیچ میں آنا بھلا نہیں ۔

لوٹن : جب گدھے اپنی ہی ذات کے ایک فرد کو ناحق چلاتے دیکھتے ہیں تب ان کو بیچ میں بولنا ہی پڑتا ہے ۔

گوپی چند : ٹھہر لوٹن ! پنڈت جی نے جو صلاح میرے غم دور کرنے کے لیے دی ، اس پر تو نے یہ بحث کی ۔ اب تُو ہی بتا میرے غم کو دور کرنے کا دوسرا علاج ، تیرے خیال میں کیا ہے ؟

لوٹن : مہاراج ! وہ بہت سہل ہے اور سچا ہے ۔

پنڈت : میں تیری تمام تدبیریں جانتا ہوں ۔ شاید راجہ جی کو شکار کھیلنے کی صلاح دے گا ۔

لوٹن : میرے پنڈت جی ! اگر آپ چپ رہتے تو بہتر ہوتا ، کیونکہ یہ ہے آپ کی دانائی کا دوسرا نمونہ ، مجھے آپ کے لیے اور ہی خیال آتا ہے ۔

پنڈت : اگر شکار نہیں تو سیر کی صلاح دے گا ۔ پر تیری رائے غلط ہے ۔ سیر کرنے سے راجہ جی کا غم غلط نہ ہوگا ۔

لوٹن : یہ دیکھ لیجیے ! پنڈت جی کی عقل کا تیسرا نمونہ ۔

پنڈت : مہاراج ! اس لوٹن کی بدتمیزی پر کیا خیال کیجیے ۔

لوٹن : خیال کی آگ بھڑک چلی ۔

پنڈت : بچھو کا منتر نہ جانے ، سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالے ، وہ مثل اس کی ہے ۔

لوٹن : فیلسوفی کا نشانہ گولی دوسری ۔

پنڈت : اَن داتا منصف ہیں ۔ اس بے ادبی کو ذرا غور سے ملاحظہ کرو ۔

لوٹن : خوشامد کی باروت گولہ گڑپ جہاں ۔

پنڈت : یہ سمجھتا ہے کہ میں دربار کا مسخرہ ہوں اس لیے جو چاہوں بول سکتا ہوں ۔

لوٹن : پھانس فریب کا ناٹک ، باب پہلا ، پردہ پہلا ۔

پنڈت : فریب ! اے بے شعور میں فریب کرتا ہوں ؟

لوٹن : باب دوسرا ، مقام گالی گلوچہ ۔ دکھاؤ فریب کا چھوٹا بھائی فتور ۔

پنڈت : او بے احمق ! اگر تجھ کو اپنی دانائی خرچ کرنا ہو تو آ میرے سامنے ودیا میں بحث کر ۔

لوٹن : ہارا جواری ہمیشہ زیادہ کھیلتا ہے ۔

پنڈت : اگر راجہ جی کا ڈر مجھ کو نہ ہوتا تو میں باتوں کی توپ سے تجھ کو اڑا دیتا ۔

لوٹن : شاباش ! باپ نہ مارے پیدڑی بیٹا تیرانداز ۔

گوپی چند : لوٹن ! دل لگی سے باز آ اور میرے دل بہلانے کا علاج ٹھیرا۔

لوٹن : مہاراج ! آپ کی دل بستگی کا علاج ایک ہے اور وہ سب سے نیک ہے۔

گانا[1]

آئی راحت کچھ روز رہی ، پھر رنج آیا کچھ آن رہا
شب کو چاند اور تارے آئے ، چڑھ کے بادل کارے آئے
دن کو سورج آ کے مہمان رہا
قائم دائم کب عالم میں کوئی بشر ذی شان رہا
اعلٰی ادنٰی ، افسر کمتر دنیا سے گزرے ، آخر رہنے والا
وہ رحمان رہا
سچّا دوست خدا ہے سب کا ، اس پر جو قربان رہا ،
دنیا کے وہ غم سے چھوٹا ، حیرت کے عالم سے چھوٹا ،
ہر حالت میں خوش وہ انسان رہا

[چوبدار کا داخل ہونا]

چوبدار : مہاراج ! ایک جوگن دربار کے دروازے پر کھڑی ہے اور اندر آنے کی اجازت چاہتی ہے۔

گوپی چند : جوگن کو مجھ سے کیا کام پڑا ؟ شاید کچھ خیرات مانگنے آئی ہوگی ، آنے دو۔

۱۔ تال پیلو ، لاونی

چوبدار : بہت اچھا !

[چوبدار کا آداب بجا کر جانا]

پنڈت : خداوند ! اس وقت ایک عورت آئی ہے ، اس واسطے لوٹن کو فرمائیے ذرا زبان سنبھال کر بولے ۔

لوٹن : بھائی پنڈت ! آپ کو اپنے سر کی قسم ہے ، سچ کہنا کہ کوئی دن ایسا بھی گیا ہے جس روز آپ نیش مارنے سے باز رہے ہو ؟

گوپی چند : لوٹن ! تو پنڈتوں سے اتنا کیوں چڑتا ہے ؟

لوٹن : مہاراج ! آج کل کے پنڈت ہیں کھنڈت ، گُن ودیا میں جو کام کریں ، بڑھ کر کریں ۔ سو ہزار میں چند جھوٹ سچ ملا کے ، دیکھا سنا بات بنا کے ، لوٹ پھانس ، مال کاٹ کے سدا مزا کریں .. مالِ مفت کو کھسوٹ کے ، ہر طرح سے جوڑ توڑ کے گھر بھرا کریں ۔ مال مارنے ہی کے خیال میں رہیں ، سدا 'رام رام' چھوڑ چھاڑ 'مار مار' جپا کریں ۔

پنڈت : آج تو اپنی چالاکی خوب دکھا لے ۔ میں بھی کسی دن اپنی چالاکی دکھاؤں گا اور تجھے مزا چکھاؤں گا ۔

لوٹن : مہاراج ! مہربانی کر کے اپنی چالاکی کا توپ خانہ اپنے گھر رکھو ۔ اگر یہاں لاؤ گے ، سارے دربار کو دکھلاؤ گے ، نشانے پر اڑاؤ گے ۔

[جوگن کا مع چوبدار کے داخل ہونا]

پنڈت : (درباری سے) رام رام ! یہ بلا کہاں سے آئی ؟ (گوپی چند سے) مہاراج ! یہ جوگن شاید پیسے کی اُمید سے یہاں آئی ہے ۔

لوٹن : واہ وا ! یہ تو وہی مثل ہوئی کہ بلی کا دل چھیچھڑے میں ۔ پنڈت جی کو رات دن پیسے کا خیال ہوتا ہے ، اس لیے یہ سمجھتا ہے کہ جتنے دربار میں داد کے لیے آتے ہیں ، وہ سب پیسے ہی کے لیے آتے ہیں ۔

گوپی چند : جوگن ! کوئی گانا سناؤ ۔

جوگن : گانا[1]

سونا مجھ کو چاہیے ، نہ رُوپا ہے درکار
میرا منشا ہے کچھ اور اے میری سرکار
گھر میرے ہر کا دیا دھن دولت ہے پاس
پر پوری ہوئی نہیں میرے من کی آس

پنڈت : اگر زر کے لیے نہیں آئی ہو تو شاید کچھ فریاد لائی ہو ۔

لوٹن : پنڈت مہاراج ! جوگن کے دل میں کچھ ہو ، آپ کیوں سر پھوڑ رہے ہو ۔ وہی مثل ہوئی ''قاضی جی دبلے کیوں ہوئے؟ شہر کے اندیشے سے ۔''

گوپی چند : جوگن ! تُو کس دکھ سے یہاں آئی ہے
کیا تیری فریاد ، کیا تیری دوہائی ہے

۱۔ ضلع ، برہنس ، دوہا

لونی : دکھ ! عورت کے چہرے پر دکھ کے کچھ نشان نظر نہیں آتے ، بلکہ آنکھیں اور بھی چنچل اور چپلائی سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں ۔ آنکھیں ہیں متوالی ، کیا آنکھوں میں ہے لالی ، لالے کی کٹوری ہے یا مے کی پیالی ۔ سرخی میں سیاہی نے رنگت وہ نکالی ہے ، گلشن میں گھٹا گویا چھائی ہوئی کالی ہے ، تاک اس کے نشانے کی کب چوکنے والی ہے ۔ دو آنکھیں ہیں یا بندوق دو نالی ہے ۔

پنڈت : جوگن کس خیال میں ہے ؟ کیوں جواب نہیں دیتی ؟

جوگن : اے مہاراج ! نہ دکھیا نہ بروگن ہوں میں
ایک مطلب کے لیے بن گئی جوگن ہوں میں
لوگ کہتے ہیں کہ مردوں پہ ہے عورت مائل
مرد کے ہاتھ سے عورت کا ہے بچنا مشکل
میں یہ کہتی ہوں کہ عورت جو نہ دل ہاتھ سے دے
پھر کوئی مرد زبردستی اسے چھین تو لے ؟
جو کوئی مرد محبّت میں پھنسائے مجھ کو
لونڈی بے دام کی بے شک وہ بنائے مجھ کو

گوپی چند : جوگن ! تو یہ گمان نہ رکھ کہ مرد کے نام کو تجھ سی ایک عورت سے بٹا لگے گا ۔ اگر تو یوں خیال کرتی ہے کہ تیرا دل محبت کے تیروں سے زخمی نہ ہو سکے گا تو تیرا یہ خیال محال ہے ۔ دل کو دل سے ہمیشہ راہ ہوتی ہے اور معشوق کے دل میں بھی چاہ ہوتی ہے ۔

جوگن : مہاراج! آپ یہ کہتے ہیں ۔ اگر آپ اسے ثابت کر کے دکھائیں تب جانوں ۔ میں تو یہی خیال کرتی ہوں کہ اگر عورت دانش مند ہے تو مردوں کی محبت کے جال سے اپنے آپ کو بچا لے گی ۔

[لوٹن کا جوگن کی باتوں پر مسکرانا]

گوپی چند : جوگن! میں نے تیری شرط قبول کی — چوبدار!

چوبدار : مہاراج ادھیراج!

گوپی چند : پان کے بِیڑے لا ۔

چوبدار : جو آگیّا مہاراج! (جاتا ہے)

گوپی چند : اے میرے درباریو! اپنی، میری، بلکہ تمام مردوں کی آبرو اگر تم کو بچانی منظور ہو تو ہمت سے نکلو ۔ بِیڑا اٹھاؤ اور اس جوگن کو عشق کی زنجیر میں جکڑنے کی تجویز کرو ۔ اگر تم ہمت ہار کر بیٹھ رہو گے تو ایک ناچیز عورت تم پر فتح مند ہوگی ۔ رکھو آگے قدم اور مرد کی حرمت کے خزانے کے بچانے کا بِیڑا اٹھاؤ ۔

لوٹن : بے ادبی معاف غریب پرور! مجھے تو یقین نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی میدان میں نکلے ۔ یہ تمام دیکھنے کے پتلے ہیں :

پھولے ہوئے اگرچہ یہ ہاتھی کے طور ہیں
کھانے کے دانت اور دکھانے کے اور ہیں

پنڈت : تو کیا مہاراج نے سب اہلکار بیکار رکھے ہیں ؟ کیا یہ اندھیر نگری ، چوپٹ راجا ہے ؟
اے نمک حرام ! جو جس کا کھاتا ہے وہ اسی کا گُن گاتا ہے ، پر تُو مالک کے سامنے اسے عیب لگاتا ہے -

لوٹن : اوہو ! یہ تو پھر کفن پھاڑ کے بولا - پنڈت جی گستاخی معاف ! آپ تو میرے کہنے کو سمجھے نہیں - آپ ناحق مجھے کوسنے لگے - اے عقل کے اندھے ! کیا تو نے سنا نہیں کہ جس کا کام اسی کو ساجے اور کرے تو ٹھینگا باجے -

گوپی چند : کیوں او درباریو ! کیا کوئی بھی اِتنی ہمت نہیں کر سکتا ؟ کیا میرے تختِ کے پائے اس قدر کمزور ہیں کہ ان سے اتنا بوجھ بھی نہیں اٹھایا جا سکتا ؟

پنڈت : غریب نواز ! اس بھاری بوجھ کا بِیڑا کوئی بھی نہ اٹھا سکے گا -

لوٹن : ہاں دہی اور پیڑا ملے تو دھوتی ڈھیلی کر کے پانچ پانچ سیر اڑا جائے ، مگر بہادری کا ایک بِیڑا اٹھانا پڑے تو سب کو موت آ جائے -

گوپی چند : چپ لوٹن چپ ! کیا تم سب کے سب عورت بن گئے ہو ؟

لوٹن : نہیں مہاراج ! بندہ اٹھانے کو تیار ہے -

[چوبدار کا تھال لانا]

گوپی چند : لوٹن ! یہ بیڑا تو اٹھائے گا ؟

لوٹن : ہاں مہاراج !

گوپی چند : پرمیشور تم کو کامیاب کرے ۔
(جوگن سے) اس جوان نے تجھے پھنسانے کا بیڑا اٹھایا ہے ، خبردار رہنا ۔

جوگن : اب دیکھنا ہے کہ کس کے ہاتھ فیروزی کا جوہر آتا ہے ؟ اگر اس نے مجھے دامِ محبت میں گرفتار کر لیا تو میں اس کی لونڈی ہو کر رہوں گی اور اس سے شادی کر کے جوگ کو چھوڑ دوں گی ۔ نہیں تو اپنی ساری عمر جوگن پن میں ہی گزار دوں گی ۔

لوٹن : کب کوئی مردِ ہمّت عورت سے ہارتا ہے
تم عورتوں کی ہستی مردوں کے آگے کیا ہے

جوگن : باندھو ہزار ہمّت عورت کو خوف کیا ہے
عورت چھ گنا ہمّت میں مرد سے سوا ہے

لوٹن : مرد آسمان جیسا ، عورت زمین جیسی
سایہ زمین پر تو نِت آسمان کا ہے

جوگن : سچ ہے مگر زمیں نے پالا ہے مثلِ مادر
پر آسمان نے تو آزار ہی دیا ہے

لوٹن : لالچ ، فریب ، دھوکا ، جھوٹ اور بے وفائی
بے رحمی اور جہالت ، عورت کا خاصّہ ہے

جوگن : یہ جھوٹ ہے سراسر، خود مرد مطلبی ہیں
عورت نہ جان اُس کو جس نے کہ دل دیا ہے

گوپی چند : لوٹن! تُو کب سے اپنا کام شروع کرے گا؟

لوٹن : آج ہی سے مہاراج!

جوگن : بارہ اور بارہ چوبیس برس گزر جائیں، تب بھی دل کی
مراد نہ پائیں۔

لوٹن : اجی دیکھو تو سہی، لوٹن میاں کیسے لوٹتے ہیں اور
جوگن کی جان کو کیسے لپٹتے ہیں۔

پنڈت : اَن داتا! مجھے سینکڑوں اندیشے آتے ہیں۔ مجھے یقین ہے
کہ آئندہ فتح ہوگی۔

گوپی چند : کس کی؟

لوٹن : لوٹن کی۔

[جانا سب کا]

سین تیسرا

جنگل

[داسیوں کا جالندھر کی تلاش میں آنا]

پہلی داسی : کہاں ہے؟ یہاں تو کوئی بھی نظر نہیں آتا ۔ چلتے چلتے پاؤں بھی تھک گئے ۔ اب ہم سے چلا بھی نہیں جاتا ۔

دوسری : واہ ری تیری نزاکت! چلا بھی نہیں جاتا ، پردے کی بی بی اور چٹائی کا لہنگا ۔

جوگی : محبت کی تلاش میں چار قدم چلے تو پاؤں میں پڑ گئے چھالے ۔ مگر واری جاؤں ، جو کوئی رنگیلا ، چھبیلا ، سجیلا ، نوکیلا جوان محبت سے جوش کھا کر گلے لگا لے؟

پہلی : واہ ری تیرا مٹکنا مسکنا ، کیا کچھ جھوٹ ہے؟ کیا میں مول کی داسی ہوں ، بھوکی پیاسی پھروں ، کیوں نہ تھکوں ، عورت ہوں یا کوئی بیل ۔ چل چل ، میں تجھ سے نہیں بولتی ۔

دوسری : بول تو بی بی میری نہیں ، تو درکا بھی تیری نہیں ۔

پہلی : اور پھر کیا؟ تجھے تو ہنسی سوجھی ہے، وہ موا جوگی کیا جانے کہاں ہے؟ بڑھیا تو دیوانی ہوئی ہے، جو اس کی سیوا ٹھانی ہوئی ہے۔ کیا وہی ایک سادھو جگت میں نیارا ہے؟

دوسری : چپ بندی منہ سنبھال! جوگی کے حق میں ایسا سخن منہ سے نہ نکال۔ چل ذرا تھوڑی دور اور چل۔ تُو کوئی موم نہیں جو پگھل جائے گی، چربی تو نہیں جو گل جائے گی۔ (سامنے دیکھ کر) ارے اب کیا کریں؟ بڑھیا تو آ پہنچی۔

پہلی : کہیں گے ڈھونڈھ کر ہارے، بہت سر مارے، کہیں نہ ملا، مطلب کا گل نہ کِھلا۔

[میناوت کا مع داسیوں کے آنا]

میناوت : کیوں اب تک پتا نہ ملا؟

دوسری : مہارانی! تمام بن چھان مارا۔ آخر چلتے چلتے تھک گئیں، مگر سادھو کے استھان کا کہیں نشان نہ پایا، دم لب پر آیا۔

میناوت : راستے میں میں نے ہرکاروں سے سنا کہ اسی بن میں اس کا استھان ہے۔ دیکھو ڈھونڈو۔ درس بن بے چین میرا تن من ہے۔

پہلی : سرکار! ذرا ٹھہریے (داسی سے) بہن! سامنے جو دہقانی جھونپڑی ہے، جا اور پوچھ کر پتا لا۔

دوسری : بے ادبی معاف ہو ، میں اس کے پاس تو ہرگز نہ جاؤں گی ۔ کیا پتا موا بد نظر کرے تو میں اپنی عصمت کیسے بچاؤں گی ۔ آج کل مرد چلتے چلتے آنکھ لڑاتے ہیں اور اپنی ہوس کی آگ بُری لیت سے بجھاتے ہیں ۔

[جالندھر ناتھ کا اندر سے آواز لگانا]

جالندھر ناتھ : الکھ ! !

میناوت : سنو یہ کس کی آواز ہے ؟ ہاں یہ تو اسی سادھو کی ہے ۔ چلو استھان نزدیک ہے ۔

[سب کا جانا]

پہلا باب

میں چوتھا

کٹ جنگل

جالندھر ناتھ : گانا[1]

آن کے اس جگ میں غافل مالک سے بشر ہر آن رہا
جان یہ تن میں رہی ہے جب تک ، بندہ انجان رہا
نان کے سویا بے فکرا ، بے دھیان رہا ، مستان رہا
مال کا اس کو اس دنیا میں ہر صورت ارمان رہا
کان دیا باتوں پہ نہ ہر کی ، جب تک کچھ امکان رہا
جو تھا اپنا لختِ جگر وہ ، پوچھ نہ اس کی بات گیا
شام سویرے کوئی گیا ، دن کوئی گیا ، کوئی رات گیا
بھائی بند ، اپنا بیگانہ ، کوئی نہ دینے ساتھ گیا
خالی ہاتھ وہ آیا اول ، آخر خالی ہاتھ گیا
کُل مَن اِلیہِ پہ طالب ، کیا کیا ہے طوفان رہا

[میناوت کا مع داسیوں کے آنا]

میناوت : مہاراج ! چیری کی طرف ذرا نگاہ کرو ۔

۱- مارز لاؤنی

جالندھر : مائی تو کون ہے ؟

میناوت : اے داتا ! میں اس شہر کے راجہ گوپی چند کی ماں ہوں ۔ نام میرا میناوت ہے ۔

جالندھر : مائی تو یہاں سے جا ۔ رانی کو ہمارے جیسے مفلس جوگی سے کیا کام ہے اور تو کیا چاہتی ہے ؟

میناوت : آرام کیا ، عیش کیا ، لطف اٹھایا
جو چاہیے انسان کو دنیا میں وہ پایا
دنیا کی محبت میں ، نہ دل ہر سے لگایا
جس نے مجھے یہ مرتبۂ شاہی دکھایا
جس نے مجھے خلقت میں بڑا سب سے بنایا
ہر وقت میں ، ہر حال میں جو کام ہے آیا

جالندھر : مائی ، تو اس راہ پر چل سکے گی ؟

میناوت : جامہ مجھے انسان کا جس رب نے پنہایا
اس کی ہی محبت میں اگر دل نہ لگاؤں
تو کون سامنہ جاکے میں اس رب کو دکھاؤں

جالندھر : مائی ! بیراگ جوگ کا پنتھ بہت کٹھن ہے ۔ دنیا داری میں رہ کر جو اپنے من کو مار کے سب کاروبار چھوڑ دے تب وہ اس بانے کے لائق ہوتا ہے ۔ فقیری بانا لے کر جو کوئی کھوٹا کام کرے تو بے شک وہ اس بھیس کو بدنام کرے ۔

میناوت : سچ ہے گورو جی ، مگر یہ داسی سچ مچ دنیا کی لذتوں سے ہاتھ اٹھا چکی ہے - آپ جیسے چاہیے ، آزما لیجیے - مجھے گُرو منتر دیجیے ، ناامید نہ کیجیے -

[میناوت کا چرن پر گرنا]

جالندھر : اٹھ مائی اٹھ ، تو نے آج مجھے لاچار کیا ہے - سن !

[میناوت کا چرن چھوڑ کر جالندھر کا اُپدیش سننا]

دنیا کی جو ہے راہ وہ تلوار کی ہے دھار
اس راہ سے انساں کا گزر سخت ہے دشوار
چبھتے ہیں حسد ، حرص و عداوت کے یہاں خار
ہے گرم سدا مکر و دغا بازی کا بازار
بد کو یہ بڑھاتی ہے ، گھٹاتی ہے بھلوں کو
کانٹوں کو بچھاتی ہے ، لٹاتی ہے گلوں کو
جھوٹوں کی یہاں جیت ہے ، سچّوں کی یہاں ہار
انصاف کی گردن پہ رواں ظلم کی تلوار
گل کا ہے جگر چاک مگر تیز ہے ہر خار
مکّار یہ دنیا نہیں سچّوں کی طلب گار
ناقدری کا سچّوں کی ثبوت ایک بڑا ہے
جو موتی کہ سچّا ہے وہ پانی میں پڑا ہے
دنیا سے اگر پھر کے تو قائل ہو خدا پر
تو دل کو سدا لذّتِ دنیا سے جدا کر

۱- چھپے ہوئے نسخے کے مطابق - (وقار)

مت بھیس بنا ، کپڑے رنگا ، مکر و ریا کر
دل صاف کر اور اس میں ہی دیدار خدا کر
مت بھول تو نیکی کو ، نہ تو بھول قضا کو
سب کچھ ٗتو ٗبھلا ، پر نہ ٗبھلا یادِ خدا کو

میناوت : مہاراج! میں ہرگز اس آپدیش کو نہ بھولوں گی ۔ تمھارے ہر ایک سخن کو مانند موتی کے اپنے من کے کانٹے میں تولوں گی ۔

جالندھر : مائی تو ہمّت رکھ ، دل پاک کر ، دنیا کا خیال دل سے نکال ، رام کا ٗسمرن کر ، بدی سے ہاتھ اٹھا ، نیکی کو پیارا رکھ ، سچ کو ساتھی سمجھ اور بھلائی کو ہمراہ لے ۔

میناوت : گورو جی ! میں آپ کی چیری ہوں ۔

جالندھر : رانی آ ۔ اپنی داسیوں کے ساتھ میں دگمبر کا منتر سناتا ہوں ، نرنجن کی راہ دکھاتا ہوں ۔

[سب کا جانا ، دوسری طرف سے لوٹن کا اکڑتے ہوئے سوداگر کے بھیس میں آنا]

گانا[1]

چنچل چتون کی برچھی من پر کھائے ہوئے
بن کے دیوانے پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

۱۔ تال جھنجھوٹی

کالے کاکل وہ ناگن سے بل کھائے ہوئے
اور کالے متوالے وہ نیناں شرمائے ہوئے
گورے گورے گالوں پر گیسو لہرائے ہوئے
چاند پہ ہیں گویا کہ بادل چھائے ہوئے
یا رب وہ کس ظالم کے ہیں بہکائے ہوئے
رکھتے ہیں جو دامن کو ہم سے جھٹکائے ہوئے

[لوٹن کا اپنے آپ کو دیکھ کر حیرت ظاہر کرنا]

لوٹن : آہا ! یہ ٹھاٹ ، یہ آن بان ! آج تو بندہ بے وہم و گمان بیس برس کا جوان بن گیا ۔ پٹھا ، نوجوان ! کون کہے گا کہ یہ ہیں میاں لوٹن خاں ؟ ارے دوسرا تو دوسرا ہی ہے ، آج تو اپنے آپ کو میں خود ہی نہیں پہچان سکتا ۔ پرانے یار ، رات دن کے بیٹھنے والے دوست ملے ، کسی نے نہ پہچانا ۔ جب ایسے لوگ مجھے نہ پہچان سکے تو جوگن مجھے کیا پہچانے گی ، جس نے راجا کے دربار میں فقط ایک ہی بار مجھے دیکھا ہے ۔ یہ تو ثابت ہے کہ سیدھی انگلی سے کبھی گھی نہیں نکلتا ۔ یوں اگر جاؤں اور جوگن کے پیر پر سر بھی کاٹ کر رکھ دوں تو بھی وہ ضد سے باز آنے والی نہیں ۔ ہاں ہر طرح کے فن فریب ، چھل بل سے اسے پھنسانا اور اپنی ہوشیاری کا سکہ اس کے دل پر بٹھانا چاہیے ۔ بچہ لوٹن ! تیرا جی تو جوگن کو

دیکھتے ہی لوٹ پوٹ ہو گیا ۔ پھر کیا ، جیسے تو چاہے وہ تجھے نہ چاہے ، یہ بھی کوئی بات ہے ۔ ارے جوگن تو کیا اگر جنّت کی حور بھی چاہوں تو مر کر وہی لے لوں ۔ یہ تو سچ ہے کہ جوگن کا ہاتھ آنا کچھ دال بھات کا نوالہ نہیں ہے ۔ ایسی پکی کھلاڑی عورت جہان میں نہ ہوگی ۔ مگر کیا ہوا ؟ آخر ہے تو عورت ۔ کہاں تک ؟ کب تک چھپے گی لومڑی ٹٹی کی آڑ میں ۔ بھیس میں نے ایسا کیا ہے اور سوانگ ایسا لیا ہے کہ خدا چاہے تو آج ہی بندہ آسے بیاہ کر لائے ۔ ہاں لوٹن ! اب دانائی کے گھوڑے پر بیٹھ ، تدبیر کی لگام پکڑ ، مراد کے میدان میں دوڑ اور مقصد کے مقام تک پہنچ ۔ سنا ہے کہ جوگن علمِ طب سے بھی ماہر ہے ۔ اگر میرے آنے کا سبب پوچھے گی تو کہہ دوں گا کہ آپ کی تعریف سن کر علاج کے لیے آیا ہوں ۔ اب لوٹن آستین چڑھا کر ، دل کڑا کرکے اور نصیب کا مقابلہ کرکے ، پیر آگے بڑھا کے ، جوگن کے گھر میں گھس ۔ پھر آگے اللہ پر بھروسا رکھ ۔

گانا[1]

جو آج لاج گھر پر ہر گھر ٹھک آتے ہیں
سج ساج ، تاج ، کل بل چھل بل بل جو جاتے ہیں

۱۔ طرزِ انگریزی ۔

کر ڈھنگ سنگ ٹھک کر، جگ میں رگ رگ بھڑکاتے ہیں
ہر آنکھ بیچ انجن بن ان دھن رنج پاتے ہیں

دوہرا

ہم طرح طرح کے نت بدل کے ڈھنگ
کر سدا دغا ریا جفا، وفا سے تنگ
جابجائیں میٹھے میٹھے سُر میں مور چنگ
کیا اُمنگ، کیا ترنگ، رنگ ہی رنگ

[گاتے گاتے اندر جانا]

سین پانچواں

محل جوگن

گانا[1]

جوگن : کسی سے نہیں پیت لگانی بھلی ،
سب دلبر ہیں چھلی — کسی سے . . .
جب تک جوانی ، تب تک ہے جانی ،
پھر جانی سے آنا کانی ، جب کہ جوانی ڈھلی ،
کسی سے پیت نہ چلی — کسی سے . . .
جو بھونرا پھول میں گونجے
وہ آخر میں بات نہ پوچھے
جب بے رس ہو کلی — کسی سے . . .

[باہر سے لوٹن کا آواز دینا]

لوٹن : ارے کوئی گھر میں بھی ہے یا نہیں ؟ کیا نوکر چاکر سب مر گئے ؟

جوگن : کون ؟

۱- کافی ٹھمری ۔

لوٹن : آدمی !

جوگن : میں نے کہا کب ہے جانور ۔ آدمی ہو پر کون ہو اور کہاں سے آئے ہو ؟

لوٹن : جی میں ایک سوداگر ہوں اور عشق آباد سے آیا ہوں ۔

جوگن : عشق آباد ! (خود سے[1]) کہیں میاں لوٹن تو نہیں آئے ۔ جاؤں دیکھوں تو سہی ۔ (باہر جانا اور لوٹن کو ہمراہ لے کر آنا) صاحب آپ کون ہیں ؟

لوٹن : میں ؟ جی ہاں ! میں اس شہر کے ایک امیر سوداگر کا بیٹا ہوں ۔ مجھے ایک بڑا بھاری مرض لگا ہے ۔ بہت سے طبیبوں کے علاج کیے مگر کسی سے بھی فائدہ نہ ہوا ۔ میں نے جب یہ سنا کہ اس شہر میں ایک بڑی پرہیزگار جوگن آئی ہے اور اسے علم طب میں بہت رسائی ہے تو میں نے اپنے جی میں خیال کیا کہ اپنے مرض کی دوا آپ سے لوں ۔ شاید آپ کے علاج سے آرام پاؤں ۔

جوگن : (خود سے) اوہو سمجھی سمجھی یہ میاں لوٹن ہیں (لوٹن سے) ۔ صاحب ! میں تو ایسی بھاری بیماری کی دوا ذرا کم جانتی ہوں ۔ مگر میری پڑوسن مغلانی ہے ، وہ ہر مرض کا علاج جانتی ہے ، وہ تم کو ضرور دوا بتائے گی ۔

لوٹن : بڑی مہربانی ! پر اگر آپ ہی کے ہاتھ سے میرا علاج ہوتا

۱۔ اضافۂ مرتب ۔

تو بہت خوب ہوتا ۔ مغلانی کو کیا کروں ؟ بی بی صاحب
ہم کو تو تم ہی سے کام ہے ۔ میں کل پھر آؤں گا ۔

جوگن : اجی کل کی بات چھوڑ دو ، تم کو مفت میں تکلیف ہوگی ۔
میں ابھی بڑھیا کو بلانے لاتی ہوں ۔

لوٹن : نہیں نہیں آج کچھ ضرورت نہیں ، کل پھر آؤں گا ۔

جوگن : آج کا کام کل پر ٹالنا اچھا نہیں ۔ تم ذرا یہاں بیٹھو ، میں
ابھی اس بڑھیا کو بلانے لاتی ہوں ۔ (خود سے) خود میں
مغلانی بن کر آتی ہوں اور میاں لوٹن کو اس کا تماشا
دکھاتی ہوں ۔ (لوٹن سے) اچھا آپ یہاں بیٹھیے میں ابھی
اس کو ساتھ لے کر آتی ہوں ۔

[جوگن کا جانا]

لوٹن : (خود سے[1]) ہمت تمھاری گئی ۔ بیٹا لوٹن ! تو تو کمبختی
کے گڑھے میں پڑا ۔ ہائے ہائے اب کیا کروں ؟ بھاگنا
بھی مشکل ہے ، کیونکہ دروازہ بھی اس طرف کا بند ہے ۔
بڑھیا کوئی جانی پہچانی ہو اور مجھے پہچان لے تو سر پر
کیسی مصیبت آئے ۔ ہائے لوٹن ! بازی بگڑی ، پھنسانے
کے عوض خود پھنسا ۔ خیر اب جو ہو سو ہو ، ہمت نہیں
ہارنی چاہیے ۔ جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں سے کیا
ڈرنا ۔ (سامنے دیکھ کر ، خود سے) ارے بڑھیا آئی تو ،

۱۔ اضافۂ مرتب ۔

ہو بہو شیطان کی بھوجائی ۔ (بڑھیا سے) آئیے ! اماں جان آئیے ! (خود سے) اس کو تو دیکھتے ہی بخار آتا ہے ۔ یہ علاج کیا کرے گی ۔

جوگن : (بڑھیا کے بھیس میں) بابا تم ہی وہ بیمار ہو جس کے علاج کے لیے مجھے جوگن نے بھیجا ہے ؟

لوٹن : جی ہاں ! آپ کا اسم مبارک ؟

جوگن : میرا نام جگتو ۔ (نبض دیکھ کر) کیوں کیا مرض ہے ؟

لوٹن : نبض آپ دیکھتی ہو اور مرض مجھ سے پوچھتی ہو ۔

جوگن : بابا ! مرض تو دیکھتے ہی پہچان لیا ہے مگر دریافتِ حقیقت ضرور است ۔

لوٹن : دل کا گھبرانا ، چکّر کا آنا ، پیچ و تاب کھانا ۔ آنکھوں میں جلن ، دل میں اگن ، پھر تھراتھر ، سر کا چکرانا ۔ بہت بے چینی ہے ۔

جوگن : ہے ہے یہ مرض بہت خراب ہے ۔ سر میں خلل ہونے سے یہ بیماری برپا شدہ است ۔ آدمی خود اپنے کو اس مرض میں فراموش میکند ۔ اپنی ذات و قوم سب فراموش میکند ۔ اس بیماری میں پوشاک بدلنا اچھا معلوم میشود ۔

لوٹن : ہاں ! ہاں ! ٹھیک ، ٹھیک ! (خود سے) کیا مجھے پہچانا ؟

جوگن : تم بکوئی ہم سوداگر است مگر من میگویم تم سوداگر نہیں است - یہ سب درد کا تاثیر است - میاں بوڑھا ہوا - زمانہ دیدہ ام - ہم تمہارا شتاب تدبیر کنم - آج ہم ایک جمال گوٹے کا جلاب میدھم -

لوٹن : (خود سے) اررر خانہ خرابی ! (بڑھیا سے) اماں جی ! میں جلاب نہیں لوں گا - جمال گوٹے سے تو میں سیدھے جہنم واصل ہوں گا - معاف کرو ، مجھے معاف کرو - مجھے کچھ مرض نہیں -

جوگن : کچھ نہیں ؟ اچھا اچھا دیکھو ! دوائی کا نام لینے سے مرض فرار شد - پھر پینے سے کتنا فائدہ خواہد شد - آج جلاب ضرور پلانا ہوگا -

لوٹن : (خود سے) ارے تو کیا بڑھیا مجھے جور و ظلم سے پلائے گی ؟

جوگن : تم خوشی سے نہیں پیے گا تو ہم تم کو زبردستی پلائے گا اور جوگن کے حکم کو بجا لائے گا -

لوٹن : مجھے کیا چھوٹا بچہ سمجھا ہے ؟ میں جاتا ہوں ، کل پھر آؤں گا - (خود سے) تیری دوائی تو خود ہی پی کر مرتی کیوں نہیں ؟

[لوٹن کا جانا چاہنا ، جوگن کا ہاتھ پکڑ کر روکنا]

جوگن : بابا کدھر جائے گا ؟

لوٹن : جہنم میں ۔ (خود سے) یہ بڑھیا ہے یا بلا ؟ جوگن کے سکھانے سے میرے پیچھے پڑی ہے کہ خدا کی پناہ ۔ میں تو روزے بخشوانے آیا ، نماز گلے پڑی ۔

جوگن : جہنم میں جانے کا تمھارا ابھی وقت نہ آمدہ است ۔ یہ دوائی پیو اور پھر چلے جاؤ ۔ (جوگن کا زبردستی دوا پلانا، لوٹن کا گھبرانا) گھبرانا نہیں ، اچھے ہو جاؤ گے ۔ صبر کرو ۔ پیچھے سے جوگن کو یاد کرنا ۔

لوٹن : کون جوگن ؟

جوگن : ہاں ، جوگن !

[لوٹن کا حیران ہو کر چپ چاپ چلے جانا ، جوگن کا ہنستے ہنستے اُس کے پیچھے جانا]

باب پہلا

سین چھٹا

حمام گوپی چند

[سہیلیوں کا گوپی چند کو نہلانا اور گانا گانا]

سہیلیاں : گانا

شوک ہرن ، جگ جیون ، تارن نستارن
تین لوک کے سرجن ہار ، پڑتے ہم چرنن
ناتھ پرمیشور ، کرتار داتا ، دکھ بھجن ،
شیام برن ، رکھو ناتھ ، کریں ہم تیرو نت سمرن

داسی : مَل مَل گلاب جل سے بدن کو دھلا چکے
اپنے سنہرے رنگ کو کندن بنا چکے
سونا بنا کے اور دمک اس میں پا چکے
من کو بھی ہر بھجن سے صفائی میں لا چکے
آراستہ تن اب تو سنگاروں سے کیجیے
دُونا جمال چاند کا تاروں سے کیجیے

گوپی چند : خاک سے جس نے بنائی شکل و صورت دلربا
گندے پانی سے کیا پیدا پری رُو مہ لقا

کیوں نہ ایسے کاریگر کو آفریں کہیے بھلا
جس نے آدم زاد کو یہ حسن کا جوہر دیا
حسن چہرے پہ حسینوں کے نہیں، ہے اس کا نور
صورتِ مخلوق میں ہے اس کی قدرت کا ظہور

داسی : اور کیا ہم لونڈیوں کو حکم ہے سرکار کا؟
گوپی چند : جلد اب زیور پنہاؤ ، وقت ہے دربار کا

سہیلیاں : گانا

آؤ سجاؤ ، سنگار بناؤ ، سجاؤ
کانن میں کنڈل ہار پنہاؤ ، سجاؤ — آؤ سجاؤ

دوہرے

(۱) ہار گلے میں ڈال کے دونی سوبھا پائے
جیوں نرمل آکاش پہ چھائی چاندنی آئے
(۲) سوہے بازو بند کی شوبھا کبھی نہ جائے
جیسے سندر کنول پہ بھونرا گونج لبھائے
(۳) گورے گورے ہاتھ میں کنگن کی ہے آب
جیوں چندن کی ڈار پہ تازہ پھول گلاب
(۴) کانن کنڈل ساجیے گورے مُکھ کے پاس
شکر ہر بسپت آ گئے جیوں سورج کی راس

[میناوت کا آنا ، گوپی چند کو سنگار کرتے ہوئے دیکھنا]

(۵) کنٹھا موتی کا رہے گلے بیچ لپٹائے
چہل چاند کے چو طرف جیسے تارے چھائے

[گوپی چند کا آئینہ دیکھنا ، داسیوں کا پنکھا جھلنا ،
میناوت کا افسوس کرنا]

میناوت : افسوس یہ سندر تن ، یہ سہانا بدن ، یہ صورت پاک ۔
ایک روز خاک ہو جائے گی -

دوہرا

جس تن کو تو مل مل دھوئے ، چندن عطر لگائے
سو ہے اک دن یہ سندر تن ، ماٹی میں مل جائے
[میناوت کا آنسو پونچھتے ہوئے جانا]

داسی : مہاراج ! اَن داتا ! ماتا جی کا جی آج بہت بے چین نظر
آتا ہے -

گوپی چند : کیوں ؟ کیا ہے ؟

داسی : ابھی کوٹھے سے آ کر محل میں پدھاریں ، اُن کی آنکھوں
سے آنسو جاری تھے -

گوپی چند : آنسو ! ماتا جی کی آنکھوں میں آنسو ! چلو دیکھیں تو
کیا ہے ؟

[سب کا جانا]

باب پہلا

سین ساتواں

راستہ

[لوٹن کا برہمن کے بھیس میں پوتھی لیے ہوئے نظر آنا]

لوٹن : (خود سے) سوداگر بن کے تو اچھا انعام ملا - چالاکی اور دانائی کا تمام اسباب لٹایا اور دوائی پی کر بھاگ آیا - خدا جانے کم بخت نے آس روز کیا پلایا کہ سب کھایا پیا نکل گیا - تھو تھو! خدا جانے تیل تھا یا سڑا ہوا پانی - خیر یہ بھی سہی - اپنے مطلب کے واسطے سب کچھ سہنا پڑتا ہے - وہی گرتا ہے جو اوپر چڑھتا ہے - سوداگر تو بن چکا، اب دھوتی ڈھیلی کر کے پنڈت جی بن گیا - یہ بھی پُجوانے کے لیے بھاری نسخہ ہے - اچھا برا کون جانتا ہے؟ جو فن فریب کر کے بتا دو وہی آدمی سچ مانتا ہے - کون سے بُرج کا ستارہ کون سے گڑھے میں گرا، اس کی تو کچھ خبر نہیں، مگر رنگ وہ لائے کہ ہم نجومی ذی ہنر کہلائے - مگر اچھا ہوا کہ مہاراج کے پنڈت سے کچھ جیوتش، کچھ نجوم، لگن، مہورت، اوڑان پڑان سیکھ لیا تھا، جو آج کام کیا - راہو، منگل برہسپت، شنی اور ایسے دوسرے کئی ایک

کان پھوڑ ، جی توڑ ، سخن سنائیں گے اور پنچک دشا کے لیے ایک اور اشلوک بتائیں گے ۔ کچھ سنسکرت جیسا بڑ بڑا کے پنڈت جی کہلائیں گے ۔ (ہنس کر) ہت تیرا بھلا ہو! لوٹن ! راجہ کا مصاحب ہو کر بھاجی کھاؤ[1] دال چکنھو ، پنڈت جی بن گیا ۔ ارے یار! سب اقبال کی خوبی سے کام چلتا ہے ۔ جھوٹے کما کھاتے ہیں اور سچے ہاتھ ملتے ہیں ۔ دنیا کا آج کل یہی کاروبار ہے ۔ میری پگڑی تیرے سر اور تیری پگڑی میرے سر پر رکھنے والا خوب ہے ۔ جہان میں وہی محبوب ہے جو سب کو مرغوب ہے ۔ اسی طرح میں بھی فریب کی بازی چلاؤں ، جوگن کو کسی نہ کسی طرح پھندے میں پھنساؤں ۔ پھر وہ رنگ جماؤں ، ڈھنگ دکھاؤں ۔ (چلتے چلتے رک کر) اس دن بڑھیا مغلانی والی شیشی کی دوائی نے گڑ بڑ مچائی ۔ دل تک دکھتا رہا ۔ سب کچھ نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے ہونے لگا ۔ نصیبوں سے بچ گیا ، نہیں تو جال گوٹے کی سانی دے دیتی تو سیدھا اوپر چلا جاتا ۔ آج چل کر دیکھوں کیا ہوتا ہے ۔

بوڑھا بنوں کبھی تو کبھی میں بنوں جوان
پنڈت بنا ہوں آج تو کل میں بنوں پٹھان

۱۔ 'کھاؤ' اور 'چکنھو' فعل کی حالت امر نہیں ۔ دونوں کھانا اور چکھنا کے اسمِ فاعل ہیں ، چاقو اور جادو کے وزن پر ۔

لوٹن :

گانا[1]

ہر ٹھاٹھ میں چمک نئی نئی چھب لاؤ ، بازی کا داؤ ،
کبھی سیر کبھی پاؤ - بدل بھیس آؤں جاؤں ، کروں روز
چار چار ٹھن ٹھن ، ٹھنانانا ٹھن ، ٹھنانانا ٹھن -
حکمت کی بالی پریشان کرے جہاں ، جڑوں پیچ تان تان ،
کروں مار تان تان سن سنانا نانا سن ، سنا ناناسن -
کوئی دن مار ، کبھی ہار کبھی خار ، اسی طور سے ہر نار سے
کار بار بار چھن چھنانا نانا چھن -
کرنا بیوپار ، چلے مطلب کی دھار ، رہے موجوں کی مار ،
گلوں کی بوچھار - چھن چھنانا نانا چھن ، چھنا نانا چھن -
ہر ٹھاٹھ میں . . .

[گاتے گاتے اندر جانا]

۱- ٹھمری -

سین آٹھواں

محل میناوت

گوپی چند : اگر یوں نہ ہو تو میری رانی نے تجھے کوئی بد سخن سنایا ہوگا ۔

میناوت : نہیں گوپی چند! ایسی بے ادب تیری رانی نہیں جو میرا دل دکھائے۔ میں نے کسی کو کبھی آزردہ نہیں کیا ، پھر کوئی کیسے مجھے بیزار کرے ۔

گوپی : شاید کسی نوکر نے تیرے ساتھ بے ادبی کی ہوگی ۔

میناوت : سب نوکر چاکر بڑی ہوشیاری سے میرا ہر ایک فرمان بجا لاتے ہیں ۔ میں نوکروں کی بھی ستائی نہیں ۔

گوپی : میری رعیت میں سے کسی نے تجھ پر نظر اٹھائی ہے ، یا دربار کے کسی امیر نے تیرے روبرو بے ادبی کی ہے ۔

میناوت : بے گناہ رعیت کو میں بدنامی کا داغ لگنے نہیں دوں گی اور نمک حلال دربانوں کے نام پر بھی خطا کی کوئی چھینٹ ڈالنا مناسب نہیں خیال کرتی ۔

گوپی : پیاری ماتا! پھر کس نے تجھے آزردہ کیا ؟ وہ تقصیر وار میں تیرا بیٹا نابکار ہوں ؟ بتا دے کہ میں معاف چاہوں ۔

میناوت : بیٹا کیوں ضد کرتا ہے ۔ میں نے ایک بار تجھ سے کہا کہ میں غمگین نہیں ہوں ۔ اگر اک بارگی کسی غم نے مجھ پر چنگل مارا ہو تو بھی یہ سزاوار نہیں کہ میں اپنے رنج کے سبب سے تجھے بھی ہلاک کروں ۔

گوپی : نیک مادر! یہ کیسے سخن ؟ کیا میں تیرے دکھ سکھ کا ساتھی نہیں ؟ تجھ پر آفت کی بجلی گرے تو میں دیکھا کروں ؟ نہیں ، بلکہ مجھے اس آفت کو اپنے اوپر روک لینا چاہیے ۔ ماتا ! تو ہرگز اپنی رنجیدگی کا سبب مجھ سے نہ چھپا ۔ تجھے میری جان کی قسم جلد بتا ۔

میناوت : افسوس کہ تیری قسم کی وجہ سے دل کا بھید کہنا ہی پڑا ۔ سن گوپی چند ! مجھے یہ رنج ہے کہ اس چند روزہ زندگی میں تو نے اب تک کوئی کامل مرشد نہیں پکڑا جو تجھے نجات کی راہ دکھائے اور اس مکار دنیا کے دام و فریب سے بچائے ۔ اس لیے بیٹا ! سچا گرو پکڑو تاکہ وہ دین دنیا دونوں میں تیرا رہبر ہو ۔

گوپی : گرو ! اس جھوٹی دنیا میں سچا گرو کون ہے ؟ میں کسی کو گرو نہیں مانتا ۔ میرا سچا گرو وہ کرتار ، سرجن ہار ہے ۔

میناوت : بجا ہے بیٹا ! سب گروؤں کا گرو تو وہی ہے ، پر اس

کرتار کے پانے اور پہچاننے والے کو دنیا میں کوئی کامل مرشد پکڑنا ضرور ہے ، کیونکہ راجہ تک پہنچنے سے پہلے دربانوں سے ملنا ضرور ہے ۔

گوپی : گانا[1] ۔

فضل ہے خدا کا مجھ پہ ، تیری مہربانی ہے
وقتِ شادمانی ہے ، بختِ یارِ جانی ہے
گلشنِ جہاں میں پھر کیوں نہ پیوں جامِ عیش
موسمِ بہار آیا ، عالمِ جوانی ہے
عیش ہے غنیمت جسے غم سے دے زمانہ فرصت
عالمِ فنا میں اپنی تھوڑی زندگانی ہے
ہیں جہاں میں جتنے مرشد کم نہیں کسی سے تُو
مرشدوں کی بات ساری حرف ''لن ترانی'' ہے[2]

میناوت : گوپی چند ! تکبّر سے باز آ ۔ تیری بات نے ثابت کر دیا کہ اس راستے سے تو بالکل بےخبر ہے ۔ اگر تو اس بات سے ماہر ہوتا تو ہرگز یہ غرور کے کلمے تیرے منہ سے نہ نکلتے ۔ بیٹا اس وقت تو نادان اور بےشعور ہے ، اس واسطے کسی گُرو کا اپدیش لینا تجھے ضرور ہے ۔

گوپی : ماتا جی ! آپ کا کہنا اب تک میرے دھیان میں

۱۔ غزل بھوپالی ۔
۲۔ نقل شدہ متن میں مصرع یوں تھا : ''مرشدوں کی باگ ساری صرف ماتا رانی ہے ۔''

نہیں آیا ۔ کیا میں راج پاٹ چھوڑ کر سلطنت سے منہ
موڑ لوں ؟

میناوت : خدا سے دل لگا ، رکھ ہاتھ کو مشغول دنیا میں
کِھلے کانٹوں میں رہ کر جس طرح سے پھول دنیا میں
نہ اپنا فرض اے بیٹا ! تو ہرگز بھول دنیا میں
خدا کی بندگی کا رکھ سدا معمول دنیا میں
یہ دنیا نقشِ فانی ہے یا جیسے کھیل پانی پر
رہو اس طور دنیا میں کہ جیسے تیل پانی پر

گوپی : سوچ کے اس بات کو خدمت میں پھر آؤں گا میں
ہو سکا مجھ سے تو آنکھوں سے بجا لاؤں گا میں

میناوت : جا مرے لختِ جگر ! تم کو خدا راہِ حق پر چلنے کی
توفیق دے ۔

[جانا دونوں کا]

باب پہلا

سین نواں

محل جوگن

[جوگن کا تسبیح کے دانے پروتے ہوئے داخل ہونا]

جوگن : (خود سے[1]) ایک بار تو میں نے لوٹن میاں کو مغلانی بن کے دوائی پلائی ۔ اب دوسری بار آویں گے تو کچھ نئی تدبیر کر ، نئے لباس میں ، نئی طرح سے فضیحت کروں گی ۔ لوٹن ! تو اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتا ہے پر تجھے اتنی خبر نہیں کہ میں تیری استانی بیٹھی ہوں ۔ میں اتنا تو جان گئی کہ تو ہر کام میں طاق ہے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جیت کس کی ہوتی ہے ۔ (سامنے دیکھ کر) لو ، شاید پھر وہی آیا ۔

[لوٹن کا پنڈت کے بھیس میں داخل ہونا]

لوٹن : مائی صاحبہ! نمسکار کرتا ہوں ۔

جوگن : تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو ؟ کیا کام ہے ؟

لوٹن : ہم کو جیوتش ، لگن ، مہورت بچارن کا کام خوب آوت

۱- اضافۂ مرتب ۔

ہے - تم کو کچھ دیکھ دکھاوے کا ہو تو کہو ، ہم
دیکھ دیں -

جوگن : تجھ کو کچھ علم بھی آتا ہے یا آج کل کے نجومیوں کی طرح
صرف ٹھگنے کو بغل میں پوتھی لیے پھرتے ہو ؟

لوٹن : ہم کو جوتش ، نجوم ، رامائن ، جنترمنتر ، دوا دارو ،
اَگڑم بگڑم چکرم ، سب آوت ہے - پرنت لکھے پڑھے سے
کیا ہوت ہے - آج کل پنڈت وِدوان تو بھوکن مرت ہیں -
اَن پڑھ اور ٹھگ گھر بیٹھے کھات ہیں - سُکل پدارتھ یہ
جگ ماہیں - کرم ہین نر پاوت ناہیں -

جوگن : اچھا بتاؤ تو سہی ، آج کئی روز سے ہمارے من میں کیا ہے ؟

لوٹن : یہ کون سی بات ہے ؟ یہ تو کل کا چھوکرا بھی بتا سکت
ہے - ذرا غور سے سنو (پوتھی کھولتا ہے) -

جوگن : یہ کیا ہے ؟

لوٹن : ہمری پوتھی (پوتھی دیکھ کر اشلوک پڑھنا) -
چا پر-انم گتو دانم ، لائبم ، نین ملائم ، چندرما برنم ، انگ کپڑا
مت تیرتھ ، پنچم لگن تاریخ ، بھادم ، بیکنٹھ باشم ارتھ پون
کے چندر مان سورج کے گھر میں آیو ہے اور سوانگ روپ
راہو کی آنکھ وا پر پڑیو ہے - ہاں تو آج تھوڑا گرہن ہے -
(خود سے) تیرے اور میرے بیچ میں - (جوگن سے) پرنتو یو

گرہن کو گرہ سمجھ تے ہو جائے گو۔ (خود سے) کیوں کہ آج میاں لوٹن خوب خوب اپنی چالاکی دکھائیں گے۔ (جوگن سے) جب سوانگ روپی راہو کی نظر ہٹ جائے گی تو چندر ماں سورج دونوں پرکاش کریں گے۔ (خود سے) یعنی چالد جیسے میاں لوٹن سورج مکھی جوگن سے مل جاویں گے۔

جوگن : مہاراج ! تم کیا کہتے ہو۔ میری سمجھ میں اچھی طرح نہیں آیا۔

لوٹن : (خود سے[1]) ہاں ہاں میرا کہنا مں خود نہیں سمجھتا، تو کیا خاک سمجھے گی۔ (جوگن سے) جوگن! جوتش ودیا بہت کٹھن ہے، کیا سب کی سمجھ میں آوت ہے؟ سنو دھن، مکر، کمبھ، مین، میکھ، برچھک، برکھ، متھن، کرک، سنگھ، کنیا، تلا، یہ بارہ راسوں کے نام ہیں۔ برہسپت، شکر، شنی، یہ تینوں ایک ٹھور بیٹھے ہیں اور بدھ بیچ میں کھڑے چوکی کرت ہے، جانے پڑت ہے کہ کوئی منش لنگن خاں یا لوٹن خاں کوئی جوان تم پر عاشق بھیو ہے، تمری پیت میں پھنس گیو ہے۔ (خود سے) واہ رے لوٹن یہ تو خوب جمائی۔

جوگن : ہاں مگر میں تو اس کی منگل مورت کے منہ پر تھوکتی بھی نہیں۔ وہ تو بڑا جنگلی گدھا ہے۔

لوٹن : (خود سے[1]) دیکھ تو سہی وہ منگل مورت تیری کیسی

۱۔ اضافۂ مرتّب۔

صورت بناتا ہے ۔ (جوگن سے) بائی صاحب ! وہ جنگلی ہووے
یا گدھا ہووے پرنت وہ تمرے اوپر مرت ہے ۔ ہمری
پوتھی میں یا لکھو ہے کہ تمرو بواہ وا کے ساتھ ضرور
ہوئے گو ۔

جوگن : (خود سے) آہا یہ تو لوٹن کے بڑے طرفدار نکلے ۔ کہیں اس
بھیس میں میاں لوٹن جی ہی تشریف نہ لائے ہوں ۔ (لوٹن سے)
نہیں نہیں ، شاباش مہاراج ! تمھارا جوتش تو خوب ہے ۔
واہ ! واہ ! واہ !

لوٹن : ارے یو میں کون واہ واہ کی بات ہے ۔ یا نے بڑے بڑے
پراکرم سورج کو جادو تھپڑ مار ، چندرماں کو چکر میں
لاوت ہوں ۔ کہوں خزانہ گڑا ہو تو وہ بِدیا کے بل سے
بتاوت ہوں ۔ (خود سے) دیکھ تو سہی تجھے کیسے چکر
میں لاتا ہوں ۔

جوگن : خزانہ ! اوہو مہاراج ! یہ علم و ہنر تو بہت اچھا ہے ۔
یہ ہم کو سکھا دو تو بڑا احسان کرو ۔ جو چاہو ہم
سے لو ۔

لوٹن : یو بِدیا بتاؤن کو دھن مال کو کام نہیں ہے ۔ جو کوئی اپنا
ہووے ، اپنے گھر ماں آوے ، وہی کو ہم یہ بِدیا سکھاوت
ہیں ۔ جے ماں اپنو ہنر باہر نہ جانے پاوے ۔

جوگن : ٹھیک ! ٹھیک ! (خود سے) باتوں سے تو یہ لوٹن میاں مٹھو
بھڑ بٹھو نظر آتا ہے ۔ دیکھیے ان کا ڈھنگ آج کیا رنگ

لاتا ہے - آج دوسرا جال بچھاؤں - میں ہنسوں اور انھیں
رلاؤں - (لوٹن سے) مہاراج ! تم اپنے لائق مجھے سمجھو تو
مجھے بی‌بی بنا لو اور اپنے گھر لے جاؤ - میرے بڑے ہی
نصیب ہوں کہ آپ جیسے پنڈت کی بی بی بنوں -

لوٹن : ہاں ، پرنتو ایک دوسری بات یو ہے کہ بیاہ بھئے بعد ایسا
نہ سمجھے کہ لُگائی آتم ہوت ہے یا مرد کو لُگائی تے کشت
ہوت ہے - کل ہم راجا کے دربار جائیں گے - تم مزاج نہ
کریو - ہماری سیوا ماں ہاجر رہیو -

جوگن : مہاراج ٹھیک ہے - بہت اچھا ! مگر آپ کا نام ؟

لوٹن : ہمارا نام لٹّو لال جوتشی -

جوگن : (خود سے) ہاں ! میں مروں گی تو اپنی موت بھی
پہچانوں گی - میں نے پہلے ہی جانا تھا کہ میاں لوٹن بجڑبٹّو
بن کر آئے ہیں - مجھے پھانسی میں پھنسانے کے لیے یہ
سوانگ روپی جال بچھائے ہیں - (لوٹن سے) بہت خوب
مہاراج ! تمھاری چترائی ذانائی نے میرا جی پھسلایا ، تمھارا
علم و ہنر مجھے بہت بھایا - میں ضرور تم سے بیاہ کروں گی -
تم پوتھی میں اچھی ساعت دیکھو -

لوٹن : بہت خوب !

جوگن : (جاتے جاتے خود سے) تو دیکھ تو سہی کہ تیری منگل
کی مہورت کیا بناتی ہوں -

[جوگن کا چلے جانا ، لوٹن کا خوش ہونا]

لوٹن : (خود سے) میاں لوٹن واہ ! آج بیڑا پار ہے - سچ کے سر پر سہرے کا سنگار ہے - آخر پھندے میں پھنسی جو پہلے ہنسی - لوٹن تو نے کون سا کام سر پر لیا جو پورا نہیں کیا - قسمت کا روشن ستارہ منگل کی بدلی کے پردے سے نکل کر پھر چمکا ہے - حکمت کی اندھیری رات میں جگنو سا چمکا ہے - اچھا ہوا جو سنیچر راس آیا - سر پہ ذمہ تھا، اس کی فکر سے آزادی پائی - دربار میں فریب سے جاتا ہوں، جلے ہوئے پنڈت کو اور جلاتا ہوں اور خلعتِ فاخرہ پاتا ہوں - مونچھوں پر تاؤ دوں، اکڑ کے جاؤں اور دشمنوں کا منہ کالا کر آؤں - جب جوگن ہارے تب لوٹن میاں لٹ پٹ باتیں کر کے جھٹ پٹ جوگن کو چمٹا لیں - جوگن کے لمبے ہیں بال، لوٹن کے جی کے ہیں جال، ہونٹ اور گلابی گال، لعلوں سے ہیں لال - ان لعلوں نے مالامال کر دیا - ایسی خوشی زندگی میں پہلی ہی مرتبہ پیش آئی ہے - دھن سے دھن پایا، مکر سے مکر پایا - تُلا نے ایسی ترقی کی ہے کہ میری متی کی گتی ماشہ بھر تیز کر دی ہے - نصیب کہتا ہے کہ اے ذی شان جوگن ! جیتا لوٹن خان -

[جوگن کا پوربی لباس میں آنا اور ہاتھ میں چابک لانا]

جوگن : (لوٹن کو چابک مارنا) کیوں بھیا نڈر ٹٹو ! ہم تھام مکان کرنے کو کون کارن بھیو ہے -

لوٹن : (گھبرا کر) مہاراج ! ہم کو تو جوگن جی بلائن ہیں - (خود سے) کم بخت لوٹن تو پھر پھنسا -

جوگن : کیا ہماری جوگن کا تو یار بنا ہے ؟ جانت ناہیں کہ وہ بھیا جھٹک سنگھ کی مہرارو ہے (ہنٹر مارتا ہے) ۔

لوٹن : ارے باپ رے ، کھا کرو ۔ مہاراج کھا کرو ۔ چُوک بھیو ۔ (خود سے) جھٹک سنگھ تو خوب جھٹکتا ہے ۔ (جوگن سے) مہاراج ! ہم تو یہاں پر جنم پتری دیکھن آئے رہے ۔ (خود سے) لوٹن ! یہ تو مغلانی سے بھی بدتر ہے ۔

جوگن : جنم پتری تیری سب بات جانت ہے ۔ تُو کیوں نہیں جان لیا کہ آج مہاراج جھٹک سنگھ کے ہاتھ سے مار کھانا ہے ۔

لوٹن : جانے دو مہاراج ۔ (خود سے) مغلانی نے تو دوائی پلائی تھی پر یہ تو سر کا بھیجا نکال لے گا ۔ (جوگن سے) ہاں مہاراج ! آج گرہ ہے ۔ (خود سے) گِرہ نے مجھے آپ سے ملایا ہے ۔

جوگن : پنڈت جی ! منگل ستارہ آج کون سی گِرہ میں ہے ؟

لوٹن : چکّر کی گیرہ میں ۔ (خود سے) منگل نے تو میرا مسالہ بنایا ہوا ہے ۔ (جوگن سے) شما کرو مہاراج ! میں جات ہوں ۔ رام رام !

[لوٹن کا جانا چاہنا ، جوگن کا روکنا]

جوگن : کہاں جاوت ہو ؟ کہو تو شنی ستارہ آج شکر دشا کاہے چکرات ہے ؟

[ہنٹر سے مارنا]

لوٹن : (خود سے) سُنی گیو چولھے ماں اور شکر کو کیا کہوں ، ہائے ہائے یہ تو پیٹھ کی چمڑی پھاڑ دے گا ۔

جوگن : پنڈت جی تمھاری شادی بھئی ہے ؟

لوٹن : نہیں مہاراج ! (خود سے) شادی نے تو تمام بربادی کر دی ۔

جوگن : مہاراج ! آپ کو سب پراکرم آوت ہے ، پرنت کلا کی بھی ہے کھبر ؟

لوٹن : ناہیں مہاراج ! (خود سے) مجھے کیا کنجری بنانا چاہتی ہے ؟

جوگن : ابھی تو تم نے کہا سب پراکرم ہم کو آوت ہے ۔ (جوگن کے یاد دلانے سے لوٹن کا چونکنا) ۔ خیر چلو میں توہے سکھاوت ہوں ۔ میں جس پاؤں پر چابک ماروں تم اس پاؤں کو اُٹھانا (ہنٹر کی مار سے مارنا ۔ لوٹن کا ناچ کے طور پر کودنا ، اُچھلنا) واہ پنڈت جی واہ ! شاباش ۔ پنڈت جی ! جو بدیا سکھاوے اس کا نام کیا ؟

لوٹن : اُستاد مہاراج ! اُستاد ۔ (خود سے) اُستاد گیا جہنم میں اور شاگرد گیا مسان میں ۔

جوگن : تو ہم نے تجھے ناچنا سکھایا ، تو ہم کون ؟

لوٹن : تم ہمارے اُستاد ۔ مہاراج شما کرو ۔

جوگن : اپنے اُستاد کو پہچانت ہو ؟

لوٹن : ناہیں مہاراج ! کون ؟

جوگن : اچھا ، ادھر دیکھو ۔

لوٹن : ہیں ! یہ کون ؟ جوگن !

[لوٹن کا حیران ہونا ۔ ڈراپ سین کا گرنا]

ڈراپ سین

باب دوسرا

سین پہلا

بازار[1]

[پنڈت کا غصّے سے سوچتے ہوئے آنا]

پنڈت : او فریب کی عالم سوز آگ! بھڑک اور جاگ ، دکھا اپنی لاگ ۔ کھڑک بے دھڑک ۔ جہاں مجھ سا آگ لگانے والا ہو ، وہاں کون بجھانے والا ہو؟ میناوت سلامت رہے جو میرے لیے کیا کیا حکمتیں کر رہی ہے ۔ اس بڑھیا نے عجیب ڈھنگ نکالا ہے ، گوپی چند پر بھی فریب کا جال ڈالا ہے ۔ شاید اپنی طرح اسے بھی سادھو بنائے گی ، دنیا کا مزہ چھڑائے گی ۔ گوپی چند سادھو ہوگا تو بندہ بالکل بے قابو ہوگا ۔ اس کے باغِ دل میں گیان کا پھول کھلے گا ، میرا پاکھنڈ سب خاک میں ملے گا ۔ میناوت جو جالندھر ناتھ کی چیری ہوئی ہے تو اس کے دل سے میری قدر گھٹتی جاتی ہے اور اس کی پوجا بڑھتی جاتی ہے ۔ اب مجھے ایک کوڑی بھی نہیں ملتی ۔ اس لیے اب وہ جال پھیلاؤں کہ میناوت کو راجہ

۱۔ نقل شدہ متن میں یہاں دیوان خانہ لکھا تھا ۔

کی نظروں سے گراؤں ، آپ نیک پاک بنوں اور اسے برا بناؤں ۔
(سامنے دیکھ کر چونکنا) ارے یہ تو گوپی چند آ رہا ہے ۔
بیٹا پنڈت ! اب اپنی بازی کا پانسا پھینک اور وہ چال چل کہ
ایک چال سے دشمن کی بازی مات ہو جائے ۔

[پنڈت کا ششدر ہو کر آہستہ آہستہ باتیں کرنا اور
گوپی چند کا پیچھے آ کر سننا]

نہیں بات ہے یہ چھپانے کے قابل
ہے راجہ کو بلکہ سنانے کے قابل
وہ رانی ہے پھانسی دلانے کے قابل

گوپی : (خود سے) رانی ! کون رانی ؟ (پنڈت سے) پنڈت جی کس فکر
میں ہو ؟ یہ رانی کون ؟ . . .

پنڈت : (گھبرا کر) گھبرائیے نہیں ۔ کچھ یوں ہی کہا ۔

گوپی : سنا میں نے سب ، مت چھپاؤ ، کہو
عبث باتیں اب مت بناؤ ، کہو

پنڈت : زباں روک رکھنا بھلی بات ہے
کہ چھوٹا ہے منہ اور بڑی بات ہے

گوپی : سنا تو بڑی یا کڑی بات ہے
مگر میرے پر آ پڑی بات ہے

پنڈت : اگر جان کی امان پاؤں تو کہوں ۔

گوپی : تو بے خطر کہہ ۔

پنڈت : کیا کہوں ذی حشم !

راجہ : نہیں مت چھپاؤ ، تم کو میری قسم !

پنڈت : قسم آپ دی تو سنیے جناب
کیا آپ کی ماں نے دامن خراب

راجہ : میری ماں نے ؟ !

پنڈت : ہاں !

راجہ : بے حیا ! بے ادب ! زبان کاٹ لوں گا جو نکلا خلاف ۔

پنڈت : کس لیے خلاف کرتا ۔ کیا غرض تھی جو آپ کو صدمہ پہنچاتا ۔

راجہ : تجھے کیسے معلوم ہوئی یہ خبر ؟

پنڈت : مجھے ہی خبر نہیں ، یہ روشن ہے ہر ایک پر ۔

راجہ : یہ خبر جھوٹی ہے ۔

پنڈت : تو جھوٹی ہی سہی ۔ جو ایسی مرضی ہو تو ایسی ہی سہی ۔

راجہ : مری ماں ہے پرہیزگار اور نیک

پنڈت : خطا ہوگئی ہے مگر اُس سے ایک

راجہ : خطا ہوگئی ہے تو کیا ہے ثبوت

پنڈت : یہ کیا ہے بھلا کوئی تھوڑا ثبوت

راجہ : خراب اُس نے دامن کیا کس کے ساتھ

پنڈت : گُرو ہے جو جوگی جیوالندھر ناتھ

راجہ : کہے لاکھ اگر بد کوئی نابکار
سخن یہ نہیں قابلِ اعتبار
مری ماں ہے نیک اور پرہیزگار
عبادت سے ہے جس کو دن رات کار
برے کام میں رکھتی وہ دھیان ہے
غلط محض ہے ، جھوٹ اور بہتان ہے

پنڈت : جو کپڑا سفید اور بےرنگ ہے
بہت جلد آتا اُسے رنگ ہے
اِسی طور سے دل جو ہے پاک صاف
بدل جاتا ہے وہ ، خطا ہو معاف
فلک ہے جو دشمن کہ ایمان کا
ہے نیکوں کو نت خوف شیطان کا

راجہ : ایسا نہیں ہو سکتا ۔

پنڈت : بھلے لوگ مایا کی خوراک ہیں
جتی جوگی بھی اس سے کب پاک ہیں
بشر تو بشر ہے ، فرشتوں کی چال
بدلتا ہے شیطان ، اے نیک فال !

مین کھا کے نمک آپ کا ، نیک نام !
کہوں آپ سے جھوٹ ! ارے رام رام
کئی معتبر آدمی سے سنا
مگر پہلے مجھ کو شبہ سا ہوا
ولے ایک دن چھپ کے دیکھا حضور
تو سچ پایا لوگوں کا کہنا حضور
قسم کھا کے کہتا ہوں بھگوان کی
غلط ہو تو کٹوا دو گردن مری

[گوپی چند کا پنڈت کی باتیں سن کر غم کرنا]

راجہ: ہؤا یہ ہے میرے پہ کیسا عذاب
کیا میری مادر نے دامن خراب
مرا کیوں نہ میں آج اے داد گر
کہ سنتا نہ ُ بے حرمتی کی خبر
کچھ اب ایسے جینے سے حاصل نہیں
میں اب منہ دکھانے کے قابل نہیں

پنڈت : کرو فکر کچھ ، مت کرو شور و شار
کرو قید جوگی کو ، اے ذی وقار !
بلاؤ بہانے سے اس کو یہاں
جب آوے تو باندھو اسے بے گماں

راجہ : نہیں ہوش میرے ٹھکانے ، ُتو جا
اُسے کوئی ڈھب سے بلا کے ُتو لا

پنڈت : (خود سے)

خود آئے ، میں دوں اس کو ایسا فریب
کیا کام میں نے ، کیا کیا فریب

واجد : (غصے سے) جا ، لا جلد بے ایمان کو۔

پنڈت : لاؤں ابھی اس شیطان کو۔

واجد : مت چھوڑنا بے دھیان کو۔

پنڈت : ڈرتا نہیں ہے کیا جان کو۔

[پنڈت کا جانا ، گوپی چند کا افسوس کرنا]

واجد : کیا اے فلک ! تو نے کیسا ستم
گرایا مرے سر پہ کوہِ الم
اے مادر ! کیا تو نے دامن خراب
نہ ہو اس طرح کوئی دشمن خراب
ترے پیٹ سے کیوں میں پیدا ہوا
کہ یوں نامور ہو کے رسوا ہوا
دکھاؤں گا کیا منہ زمانے میں ہائے
رہا کیا ہے اب منہ دکھانے میں ہائے
الٰہی ! مجھے تو تہہِ خاک کر
کہ مجھ بدبخت سے جہاں پاک کر

[جانا گوپی چند کا]

سین دوسرا

جنگل

[لوٹن کا داخل ہونا]

لوٹن : آ ہا ہا ہا ہا! کیا خراب تھی گھڑی ، اوہو اوہو! ہائے
کیا قسمت لڑی ، پڑی چابک کی وہ مار کڑی ، جڑی
ظالم نے کیا پاؤں پر چھڑی - مار پڑی کیسی ، دھول
جھڑی کیسی - کیا بدرنگ ، ہائے رنگ میں بھنگ ،
اررر ہائے ہوا میں تنگ ، اررر ہائے پالنگ اررر ہائے
نچایا آخر نچایا - ناپاک عورت نے نہ فقط مجھے حیران
کیا پر ناچ بھی نچایا - پہلے مغلانی بن کے دوائی پلائی ،
پھر پوربیے کے روپ میں چابک سے مار کھلائی - اچھا
یہ بھی خوب ہے - جتنی نیک نامی تیرے ہاتھ سے ہوتی
ہو آتنی ہی کر لے - میں بھی تجھے جب تک اپنے
پیچ میں نہ لاؤں گا ، تب تک انگلی پر نچاؤں گا -
دو بار تو فضیحت کرکے نکالا ، دیکھیے تیسری بار
کیا ہوتا ہے - اگر سو بار ہاروں گا تو بھی تیرا
پیچھا نہ چھوڑوں گا - جس طرح آدمی کے ساتھ سایہ

لگا رہتا ہے ، اسی طرح میں بھی تیرا سایہ بنوں گا ۔ تجھے کئی بار ستاؤں گا ۔ جتنی فضیحتی میری کی ہے ، اس سے دُونی تیری کروں گا ، تب میں چین سے بیٹھوں گا ۔ آج ایک اور راہ سوچی ہے ۔ بڈھا بیمار بن کر جاؤں، اسے بیچ میں لاؤں اور اپنی چالاکی کا نقشہ اس پر جاؤں ۔ تم میں سو فریب ہیں تو مجھ میں لاکھوں فریب بھرے ہیں ۔ تو فریب کی سو چالیں جانتی ہے تو میں ایسی لاکھوں چالیں جانتا ہوں ۔ جوگن ! اب خبردار ہو جا ، کیونکہ لوٹن بھی ہاتھ دھو کر تیرے پیچھے پڑا ہے ۔

[لوٹن کا جانا ، جالندھر ناتھ کا آ کر بھجن[۱] گانا]

جالندھر ناتھ :

خبردار ہو اے مسافر سنبھل جا
خطرناک ہے راہ ، جلدی نکل جا
جہاں کے گزرنے کا ہے رستہ چکنا
کہیں ہو نہ ایسا کہ تو بھی پھسل جا
لگے گھات میں ہیں ہوس کے پیادے
بچ ان سے تو گھر اپنے تو بے خلل جا
مسافر تو ہے اور دنیا سرا ہے
فقط ہے یہ رہنے کی دو چار پل ، جا
یہاں آ کے رہنے کا یہ ہے نتیجہ
کہ کر آج بستر اور کل نکل جا

۱- دیس ، پد ۔

نہیں ہے شکر ، زہر ہے دارِ فانی
نہ مجنوں سا اس کے لیے تو مچل جا
گناہوں کا بوجھا نہ لے سر پہ طالب
عجب کیا کہ اس بوجھ سے توکچل جا

[جالندھر ناتھ کا یاد خدا میں سر جھکا کر بیٹھنا ،
اور پنڈت کا آ کر نمسکار کرنا]

پنڈت : مہاراج گرو ناتھ ! اس طرف کرپا کی کیجیے نظر ۔

جالندھر : بیٹا تو ہے کون ؟ اور کہاں رہتا ہے ؟

پنڈت : میں اِس شہر کے راجہ گوپی چند کے دربار کا پنڈت ہوں ۔ مہاراج ! جس دن سے راجہ گوپی چند نے آپ کا نام سنا ہے تب سے آپ کے درشن کا شوق رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے پاکیزہ قدم سے اس کے دربار کو پیوتّر کرو ۔

جالندھر : بھائی ! مجھے سرکار دربار سے کیا کام ہے ۔ میں قلندرناتھ کا جوگی ہوں ، یہ جنگل میرا دربار ہے ۔ جوگ میرا راج اور جنگلی جانور میرے درباری ۔ تو راجہ سے کہہ کہ میں ایک غریب مفلس ہوں ۔ میرے آنے سے راجہ جیسے شریمانوں کا کیا کام ہے ۔

پنڈت : ناتھ جی ! آپ کی باتیں سن کر میں حیران ہوں ۔ اس شہر کے راجہ نے آپ کو بہت عاجزی سے بلایا ہے اور آپ اسے نامراد کرنا چاہتے ہو ؟ یہ بہتر نہیں ہے ،

اس سے وہ بہت آزردہ ہوگا ۔

جالندھر : (سوچ کر) :

نہیں راجہ کی مرضی سے مرا منہ موڑنا اچّھا
کسی مولا کے بندے کا نہیں دل توڑنا اچّھا
خدائی میں بھلا ہوتا ہے راجہ سے زمانے کا
برا ہے گر کروں میں قصد اس کے دل دکھانے کا
اگر آزردہ ہو جائے گا وہ میرے نہ جانے سے
تو میں جاتا ہوں، کیا انکار ہے اُس کے بلانے سے

پنڈت : (خود سے) شکار پھنسا تو سہی ۔ (جالندھر ناتھ سے) مہاراج ! باہر میانہ رکھا ہے، اس میں بیٹھ کر میرے ساتھ دربار میں چلو ۔

جالندھر : ہیں سلامت پاؤں تو گھوڑا میانہ کس لیے
چل سکے تو غیر کے سر چڑھ کے جانا کس لیے

پنڈت : جیسی آپ کی مرضی گُرو جی !

[جانا دونوں کا]

سین تیسرا

مکان جوگن

[جوگن کا اندر سے گاتے ہوئے آنا]

گانا[1]

جوگن : کسی شیریں ادا کی وفا نے ، دل کو ہمارے مزا دیا
مری آنکھوں پہ پردہ پڑا تھا ، سو اس نے آ کے اٹھا دیا
اس نے جو پھندہ لگا دیا تو ہم نے بھی دل کو پھنسا دیا
کسی ابرو کے خنجر سے زخمی ہوا دل
کتنا بچایا نہ ہم سے بچا دل
اس نے جو خنجر چلا دیا تو ہم نے بھی سر کو جھکا دیا
—— کسی
کہتی تھی مردوں کو نہ دیں گے دل ہم
باتوں ہی سے اپنی اب ہیں خجل ہم
سچ ہے سر جس نے اٹھا دیا ، اللہ نے اس کو گرا دیا
کسی شیریں ادا کی وفا نے دل کو ہمارے مزا دیا

[باہر سے کسی کا کھانسنا]

۱- جھنجھوٹی ، تال دادرا

کسی دکھیا کی آواز آتی ہے - دیکھوں تو کون ہے -

[لوٹن کا بڈھے کے لباس میں نظر آنا]

لوٹن : اے اللہ! میں مرتا ہوں - بی‌بی! مجھے سنبھالو - (کھانسنا) یا اللہ اس بڑھاپے میں یہ ستم - (کھانستے کھانستے جوگن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خود سے) واہ تیری شان ! ایسا مخمل جیسا جسم -

جوگن : ٹھہریے میں تمھارا علاج کرتی ہوں -

لوٹن : (خود سے) اس مغلانی اور پوربیے جیسا سلوک نہ کرنا (کھانسنا) (جوگن سے) خدا آپ کو زندہ رکھے - بی‌بی ذرا میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھاؤ - (خود سے) اور آپ بھی میرے پاس بیٹھ جاؤ -

جوگن : (ہاتھ پکڑ کر) ٹھیک ہے - بیٹھو باوا -

لوٹن : (خود سے) باوا نہ کہہ، میں تو تیرے ساتھ بیاہ کرنا چاہتا ہوں - (جوگن سے) مہربانی کر کے ذرا بیٹھ جائیے -

جوگن : بوڑھے باوا ! تجھے کیا مرض ہے ؟ تمھاری خبرگیری مجھ پر فرض ہے -

لوٹن : کئی دن سے نیند سے حیران ہوں اور نہایت پریشان ہوں - ضعفِ جگر ہونے سے کھانسی پیدا ہوتی ہے - (خود سے) مجھے تو زیادہ فکر تیری ہے -

جوگن : (نبض دیکھتے ہوئے) اس بڑھاپے میں گھر سے کبھی اکیلے نہ نکلنا - تمھارا کوئی خویش و اقارب ہے یا نہیں ؟

لوٹن : عورت ہے سو بچاری کم نصیب ہے ۔ ماں باپ اور ناز
خالہ دنیا کا مزا دیکھ کر اب عدم آباد کو آباد کرتے ہیں
باوا جی مر گئے ۔ آٹھ بیٹا بیٹی میں سے دو بیٹوں کو اللہ کے
حوالے کیا ، چار کو دنیا کو سونپا ۔ اب دو ہیں جو
کم نصیبی کے ساتھ گزارا کرتے ہیں ۔ دو بہنیں اور د
بھائی مر گئے ۔ بھابی بچاری ایک بچے کی ماں بیوہ ہے ۔ پانچ
حصہ داروں میں دو الگ ہو گئے اور دو خدا کی رحمت
کو پہنچے اور میں بڑا بے حیا دنیا کو تماشا دکھانے کے
لیے بچا ہوں ۔ (خود سے) تجھ سے شادی کرنے کے لیے زند
ہوں ۔ (جوگن سے) بی بی ذرا پانی تو پلاؤ ۔

جوگن : نبض تو برابر ہے ، مگر کچھ فکر سے بے چینی اور دل ک
گھبرانا ہے ۔ آرام ہو جائے گا ۔ میں آپ کو دوائی پلاتو
ہوں ۔ غریب بچارا ۔

[جوگن کا جانا ، لوٹن کا اٹھ کھڑا ہونا]

لوٹن : (خود سے) دیکھو تو غریب بیمار تیری کیسی ہوش سے د
کرتا ہے ۔ واہ واہ لوٹن ! آج فتح ہے ۔ اب تک تو نہیں
پہچانا ۔ مجھے بیمار ہی جانتی ہے ۔ اب کوئی موقع دیکھ کر
ایسی تال بجاؤں اور پھندے میں پھنساؤں ، پھر اپنی جورو
بناؤں ۔

[لوٹن کا ناچنا ، جوگن کا آ کر حیرت سے دیکھنا]

وگن : کہیں بے چارہ پاگل تو نہیں ہوگیا -

[لوٹن کا جوگن کو دیکھ کر پھر بڈھا بن جانا ، جوگن کا پانی دینا]

وٹن : خدا آپ کا بھلا کرے - بی‌بی معاف کرنا ، خالی پیٹ پانی
پینے سے کھانسی زور کرتی ہے -

جوگن : فکر نہیں بوڑھے باوا ! ذرا ٹھہریے ، میں گلاس رکھ کر ابھی
آتی ہوں ، کچھ دوائی لا کر پلاتی ہوں -

لوٹن : (خود سے) توبہ پھر باوا کہا (جوگن سے) مہربانی !

[جوگن کا جانا]

واہ رے دنیا ! واہ رے تیرا مکر ! جو یوں کہتا کہ اے
جانِ جاں ! ذرا گلے سے لگ جا تو بیسیوں نخرے دکھاتی
اور مغلانی اور پوربیے کی جگہ پر کسی اور کو بلاتی - لیکن
آج تو آنکھوں میں خاک ڈال کر بغل‌گیر ہوا - خیال آتا
ہے کہ اور رنگ جاؤں - گلے تو لگا لیا ، اب اس کے ہاتھ کا
بوسہ لوں تو پھر سچا لوٹن کہلاؤں - (لوٹن کا جوگن کو
آتے دیکھ کر چِلّانا) اے اللہ ، ارے کوئی آؤ ، میں مرتا
ہوں - اورر

جوگن : کیوں بوڑھے باوا کیا ہوا ؟

لوٹن : تمھارا باوا مرتا ہے - ایک بِھڑ نے کاٹ کھایا - ہائے ہائے
ارے باپ رے -

[لوٹن کا زمین پر گر کر تڑپنا]

جوگن : ہائے ہائے یہ کیسا ستم ! مصیبت پر مصیبت ! خیر تم
پریشان نہ ہو ۔ یہ درد تین دن سے زیادہ نہیں رہ سکتا
اس پر میں کچھ دوائی لگاتی ہوں ۔

لوٹن : تین دن ! میں تو ابھی سے مر رہا ہوں ، جو میرے ساتھ
نوکر ہوتا تو اچھا ہوتا ، دوائی اس پر بے فائدہ ہے ۔

جوگن : تمہارا نوکر کیا کرتا ہے اور کہاں رہتا ہے ؟

لوٹن : وہ اگر زہر کو چوس لیتا تو ابھی آرام پاتا ۔ میں خود چوس
لیتا مگر میرے منہ میں بڑے بڑے زخم ہیں ۔ اررر

جوگن : ٹھیک ہے ، ٹھیک ہے ، تم فکر مت کرو ، میں آپ کا ہاتھ
چوستی ہوں ۔

[جوگن کا لوٹن کے ہاتھ کو چوسنا]

لوٹن : آہا ! کیا آرام آ رہا ہے ۔

جوگن : آرام ہوتا ہے کچھ ؟

لوٹن : آرام پوچھتی ہو ؟ آہا اب آرام پایا ۔ بلکہ آپ نے تو جنت
کا مزا چکھایا ۔ مہربان بی بی ! مجھ غریب پر ہمیشہ مہربان
رکھنا (لوٹن کا کھانستے ہوئے جوگن کے گلے لگنا) بچھو
کے ڈنک سے کھانسی دب گئی تھی ، سو پھر ابھر
(کھانستے ہوئے ڈاڑھی کے بالوں کا ہٹ جانا اور جوگن
کا پہچاننا) ۔

جوگن : (خود سے) ہیں ہیں ! یہ تو میاں لوٹن ہیں ۔ اتنا بڑا دھوکا دیا ۔ ہاتھ چُموا کر خوب سا مزا لیا ۔ (لوٹن سے) بڑی خراب کھانسی ہے ۔

لوٹن : اور بدن میں تپ بھی بہت رہتا ہے ۔ ہاتھ دیکھیے کیسا گرم ہے (ہاتھ دکھانا) ۔

جوگن : یہ تو عجیب قسم کا تپ ہے ، کیونکہ ہاتھ بالکل ٹھنڈا ہے ۔

لوٹن : ہاں کبھی ٹھنڈا کبھی گرم اور آنکھیں بھی جلتی ہیں ۔ آپ دیکھیں کیسی گرم ہیں ۔

[جوگن کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگانا]

جوگن : آپ کو میرے ٹھنڈے ہاتھوں سے آرام ہوا ہوگا ؟

لوٹن : بے شک ، بے شک ! (کھانسنا)

جوگن : گھبراؤ نہیں ، بالکل آرام ہو جائے گا ۔ میں علاج کے لیے جاتی ہوں اور آپ کا تمام درد فوراً مٹاتی ہوں ۔

[جوگن کا جانا ، لوٹن کا خوش ہونا]

لوٹن : آہا آج بخت یاور ہے ، مہربانیِ داور ہے ۔ آنکھوں سے ہاتھ لگایا ، گلے سے لپٹایا ، ہاتھ چُموایا ۔ جیتے جی بہشت کی سیر کر آیا ۔ اب آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے ۔

[خوشی سے ناچنا ۔ جوگن کا سیخ لے کر آنا]

جوگن : بوڑھے باوا ! اب تھوڑی دیر کے لیے آرام سے سو جائیے گا۔ تمھارے سر میں سودا کا زور ہے اور اس لیے کھالسی کی ٹھوں ٹھوں اور بلغم کا شور ہے ۔ انشاء اللہ ایک داغ سے فوراً آرام ہو جائے گا ۔

لوٹن : مسخری کرتی ہو یا سچ کہتی ہو ؟

جوگن : اس میں مسخری کا ہے کی ۔

[لوٹن کے سر میں سیخ لگاتی ہے]

لوٹن : اللہ رے میں جلا ۔ یہ کیا کرتی ہو؟ (خود سے) آئی کمبختی ۔

جوگن : ذرا ٹھہریے ، ہمت نہ ہارئیے ۔ تھوڑی دیر کی تکلیف ، ساری عمر کا آرام ۔ تھوڑا دام ، بہت کام ۔ ایک داغ اور لگانے دو ، ذرا الفت آزمانے دو ۔ (پھر داغ دینا)

لوٹن : (خود سے) یا اللہ اس نے مار دینے کا ارادہ تو نہیں کیا ہے ؟ اری مؤا ۔

جوگن : دیکھیے اس کی تاثیر ، جب آپ آئے تھے تب تم میں کھڑے رہنے کی تاب نہ تھی ۔ اب کیسے پھرتی سے اِدھر اُدھر دوڑنے لگے اور کھانسی کا تو نام ہی نابود ہوگیا اور تپ بھی فوراً سے پیشتر کافور ہو گیا ۔

لوٹن : بے شک طاقت بھی آ گئی اور بیاری بھی بھاگ گئی اور تپ بھی نابود ہوگیا ۔ (خود سے) یہ مجھے جیتا نہ چھوڑے گی ۔

جوگن : دیکھیے سوائے طبابت کے میں جادو کا فن بھی جانتی ہوں ۔

(سیخ دکھا کر) ارے بوڑھے جوان بن جا ۔

[جوگن کا لوٹن کی ڈاڑھی اتار دینا]

لوٹن : بس ! بس ! خوب جوان بنایا ۔ اب معاف کرو ۔

جوگن : بتاؤں کیسے معاف کیا جاتا ہے ؟ کسی کے گھر میں گھسنا کیا آسان کام ہے ؟ ابھی کسی سپاہی کو بلاتی ہوں اور تم کو حوالات میں بھجواتی ہوں ۔ نہیں تو اسی آن سر جھکا کر میرے پاؤں پڑو اور معافی مانگو ۔

لوٹن : بی بی قصور معاف کرو ۔ رسوائی کا ٹوکرا سر پر نہ دھرو ۔

[بھاگ جانا]

جوگن : گانا[1]

تن من دھن سب وارا ، نثارا ، بلہارا

تن من . . .

ایسا نہ کوئی اب تک دیکھا ، اوج وفاداری کا تارا

تن من . . .

آفتیں جھیلا ہے ، سر پر کھیلا ہے ، چاہ میں ہے میری آوارہ

تن من . . .

عاشق میرا ، پر نظر افلاک پہ ہو ، کیوں نہ مجھے پھر ہوگا پیارا

تن من . . .

[گاتے گاتے اندر جانا]

۱۔ تال دادرا ۔

سین چوتھا

دربار گوپی چند

راجہ : پنڈت کہاں ہے ؟

لوٹن : کہیں آگ لگاتا پھرتا ہوگا ۔

راجہ : لوٹن ! تونے کیا کہا ؟

لوٹن : مہاراج ! میں نے یوں عرض کی کہ آگ لگاتا پھرتا ہوگا ۔ (پنڈت کو آتے دیکھ کر) لو گندھک کی کان لال مصالحے والی دیا سلائی آئی ۔

[پنڈت کا آگے آ کر آداب بجا لانا]

راجہ : کیوں پنڈت جی ! وہ کام کیا ؟

پنڈت : ہاں ، مہاراج جی آگئے ۔

راجہ : جب تو سب درباری جاؤ اور جوگی کو بڑی عزت کے ساتھ میرے پاس لاؤ (سب کا جانا) پنڈت جی ! ہم نے سنا ہے کہ اس جوگی کو شہر کے تمام لوگ بہت چاہتے ہیں ۔ ہم اس کو مار ڈالیں گے تو بڑا طوفان مچ جائے گا ۔

پنڈت : مہاراج ! آپ کس لیے فکر کرتے ہیں - میں نے اس کا بھی بندوبست کر لیا ہے - جب جالندھر ناتھ اندر آوے تو اس کو بڑی عزت سے اپنے پاس بٹھائیے ، کوئی بھجن گانے کے لیے فرمائیے - بھجن گاتے گاتے وہ ایسا بے دھیان ہوگا کہ اس کو اٹھا لے جانا ہمارے لیے بڑا آسان ہوگا - آپ ہی فرمائیے اس سے بڑھ کر اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے - اب درشن کے لیے بلائیے -

راجہ : صلاح تو اچھی ہے - جوگی کا دعویٰ کر کے بھوگی کا چلن چلے - اس کو ضرور سزا دینی چاہیے -

[سب کا جالندھر کو لے کر اندر داخل ہونا]

لوٹن : (خود سے) پنڈت کا یہ نیا شکار معلوم ہوتا ہے -

راجہ : مہاراج ! اس تخت پر بیٹھیے -

جالندھر : گوپی چند ! یہ تخت و تاج تجھے ہی مبارک رہے - ہم جنگل میں بھٹکنے والے ، ہم کو تخت سے کیا کام -

پنڈت : باوا جی ! مہاراج کی اتنی عرض قبول کیجیے -

لوٹن : (خود سے) آج پنڈت جی اتنی گڑبڑ میں ہیں - ضرور کچھ دال میں کالا ہے -

جالندھر : مجھے تخت سے تاج سے کام کیا
فقیروں کو آرام سے کام کیا

خیال اپنا جوگی کرے نام کیا
ہر اک روز آخر کو انجام کیا
رہیں کس لیے تخت کی تاک میں
کسی روز ملنا ہے جب خاک میں

راجہ : پنڈت ! پوجا کی تمام تیاری کرنے کا حکم فرماؤ اور گُرو جی کے واسطے خاص بھوجن تیار کراؤ۔

پنڈت : جو آ گیا مہاراج !

[پنڈت کا چلے جانا]

راجہ : جوگی جی ! آپ کے لائق کوئی خدمت ہم سے نہ ہو سکے گی ، اس لیے ہمیں معاف کیجیے گا ۔

جالندھر : باوا میں خود خدمت کرنے کے لائق ہوں ۔ پھر کیوں دوسروں سے فرماں برداری کراؤں۔ میرے لیے آپ تکلیف نہ اٹھاویں ۔

پنڈت : مہاراج ! پوجا کا سب سامان تیار ہے ۔

لونْن : پوجا کا سامان تو تیار ہے پر دال بھات ، پوری کچوری بھی مزیدار ہے یا نہیں ؟

پنڈت : گروناتھ ! آپ سب سنتوں کے سنت اور سادھوؤں کے سادھو ہو ۔ اس لیے ایسا کرو کہ آپ کے پرتاپ سے ہمارا بھی بھلا ہو۔

لوٹن : پنڈت جی! ایسی کرنی پر بھلائی کی امید نہ رکھو۔ بہتر تو یہ ہے کہ جلدی مرو تاکہ آٹا سستا ہو اور صاف رستہ ہو۔

راجہ : سادھو جی! تم ہمارے گُرو ہو۔ درشن کے لیے آپ کو تکلیف دی گئی، معاف کیجیے۔

جالندھر : گانا

سچّا گُرو ہے وہ کرتار داتا
کرتار داتا، وہ مختار داتا
گنہگار اس کے جو دربار آئے
کرم سے بچاتا ہے ہر بار داتا
جو توبہ کرے اُس کو فوراً وہ بخشے
ہے ایسا ہی ستّار، غفّار، داتا
کوئی در پہ آئے جو ناچار بندہ
نہیں رکھتا محروم کرتار داتا

[جالندھر کا بیخود ہونا اور سب کا متعجب ہونا]

سب : واہ! واہ! واہ!

راجہ : خاموش! تم نے کیا عجب دیکھا جو سب لگے سب واہ واہ کرتے ہو؟

لوٹن : مہاراج! اس جوگی کا دھیان اُس مالک سے لگا ہے۔ منہ پر رنگ آیا ہے، کیسا نور چھایا ہے۔

راجہ : یہ سب ڈھونگ ہے ، مکر ہے ۔ اس بدذات کی بدذاتی ابھی تم سب پر عیاں ہوگی ۔ پنڈت !

پنڈت : جی مہاراج !

راجہ : اس پلید کو شہر کے باہر اندھے کنویں میں ڈال دے ۔

پنڈت : جو آ گیا مہاراج !

[سب کا حیران ہونا ۔ پنڈت کا آستین چڑھا کر گرو کی طرف بڑھنا]

ڈراپ سین

باب تیسرا

سین پہلا

کٹ جنگل

گورکھ : سائیں آدیس !

کالف : آدیس سائیں آدیس ! بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی ۔

گورکھ : میں بن سے آیا ہوں ۔ سنا ہے کہ راجہ گوپی چند نے جالندھر ناتھ کو کنویں میں ڈلوا دیا ہے ۔ کیا یہ سچ ہے؟

کالف : سچ ہے سائیں ، غافل گوپی چند نے غفلت اور دھوکے سے میرے گُرو کو غائب کر دیا ۔ آسے میں اس آفت سے نکالنے کی تجویز میں ہوں ۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کا گُرو مچھندر ناتھ استرلنگ کے راج میں جادو کے زور سے عورت کے پھندے میں پھنسا ہے ۔ کیا یہ سچ ہے ؟

گورکھ : سائیں ! میں اسی واسطے گُرو کی تلاش میں نکلا ہوں ۔ راہ میں گوپی چند کی نادانی سن کر آپ سے پوچھنے آیا ۔

سائیں ! میں اپنے گُرو کی تلاش میں جاتا ہوں ۔ آپ اپنے گُرو کے لیے تپسّیا کیجیے ۔

کالف : آدیس سائیں ۔ پر جاتے ہی تم گُرو جالندھر ناتھ کی مصیبت ظاہر کرنا ۔

گورکھ : بہت خوب سائیں ! آدیس !

[دونوں کا جانا ۔ لوٹن کا داخل ہونا]

لوٹن : ارے تیرا ستیاناس ہو جائے جوگن ! داغ کا داغ ، گویا زندگی بھر کی فضیحتی کا چراغ ہے ۔ آج اس جگہ پر اگر اس سے میں بدلہ نہ لوں تو میں لوٹن نہیں ۔ اچھا ہوا جو جوگن کے نوکروں نے خبر دی کہ ہر روز وہ اس بن میں آتی ہے اور جس طرح میں بھروپیا بن کر روز نیا سوانگ لاتا ہوں ، وہ بھی نت نئے بھیس بدلتی ہے ۔ جوگن نے اپنے مکر میں مجھے بہت دق کیا ہے ۔ گلی میں اپنی کتا بھی شیر ہوتا ہے ۔ اب یہاں آوے تو مزہ چکھاؤں (سامنے دیکھ کر) ارے یہ تو پنڈت آتا ہے ۔ ذرا چھپ کے دیکھنا چاہیے کہ پھر کیا فساد مچاتا ہے ۔

[لوٹن کا ڈیوڑھی کی بغل میں چھپ جانا ۔ پنڈت کا چپکے سے آنا]

پنڈت : سنا ہے کہ رانی میناوت ہر روز چھپ کر یہاں آتی ہے اور گُرو جالندھر ناتھ کو یاد کرکے اس کی رہائی

کے لیے دعا اور گوپی چند کے لیے معافی چاہتی ہے۔
میناوت کو یقین ہے کہ یہ فتنہ میں نے ہی اٹھایا ہے۔
گوپی چند کو ورغلایا اور جالندھر کو کنویں میں
گرایا۔ اب سر سے یہ بلا ٹالنے کا خوب موقع ہے۔
چھپر کے ایک کونے میں چھپ بیٹھوں اور جالندھر ناتھ
بن کر میناوت کی باتوں کا جواب دوں۔ یقین ہے کہ
میناوت کا دل مجھ سے صاف ہو گا (سامنے دیکھ کر) اررر
وہی آتی ہے۔

[پنڈت کا چھپنا ۔ میناوت کا آ کر داسیوں کو دور جانے
کا اشارہ کر کے دو زانو ہو کر عرض کرنا]

گُرو جی کہاں ہو ؟ بتا دو مجھے
ارے ایک دن تو صدا دو مجھے
یہاں روز درشن کو میں آتی ہوں
مکاں خالی پاتی ہوں ، پھر جاتی ہوں
تمھیں تھے فقط ایک رہبر مرے
مجھے چھوڑ کر تم کہاں چل دیے
مری رہ گئی ناؤ منجدھار ہائے
نہ بیڑا مرا کو گئے پار ہائے
کِرپا کر کے درشن مجھے دو ذرا
خطا میرے بیٹے کی بخشو ذرا

[پنڈت کا آواز بدل کر جواب دینا]

پنڈت : رانی تیری بھگتی سے میں خوش ہوں ۔ مجھے عذاب دینے والا فقط تیرا بیٹا گوپی چند ہے ۔ تو پنڈت کے اوپر کس لیے شک کرتی ہے ۔ وہ بیچارہ نردوش براہمن ہے ۔

میناوت : گُرو جی ! میں خوش ہوں ۔ آپ نے پرسنّ ہو کر پنڈت کا حال کہا ۔ میرے حال پر کرپا کیجیے ۔ گوپی چند ابھی بالک ہے ، اس کا دکھ مجھ سے دیکھا نہ جائے گا ۔

پنڈت : کرتار کرپا کرے ۔ میناوت تیرا کلیان ہو ۔

[لوٹن کا پنڈت کو پکڑ کر ظاہر ہونا]

لوٹن : مہارانی جی ! یہ دیکھیے ! یہ جالندھر ناتھ نہ تھے ۔

میناوت : (چونک کر) پھر یہ کون ہیں ؟

لوٹن : یہ پنڈت ہیں اور میں لوٹن ۔

میناوت : پنڈت اور لوٹن ؟

لوٹن : نامور رانی ! یہ بگلا بھگت برہمن آپ کو فریب دینے کے لیے چھپ بیٹھا تھا اور میں کسی اَور کو دیکھنے کے لیے یہاں پہلے سے چھپا تھا ۔ یہ چھپا مگر پھنسا ، میں دیکھ کر خوب ہنسا ۔

میناوت : اس فریبی مکار نے یہ سب فتنہ جگایا تھا ؟ او پاپی سراپی تو کس کو آزمانے کے لیے آیا تھا ؟ دور ہو یہاں سے نمک حرام (پنڈت کا چپ چاپ چلے جانا) لوٹن ! تو کس کو دیکھنے آیا تھا ؟

لوٹن : رانی جی ! جوگن کی راہ دیکھ رہا تھا۔

میناوت : جس کے ساتھ تو نے شرط باندھی ہے ؟

لوٹن : ہاں ماتا ۔

میناوت : لوٹن! تیری ہمت میں آیندہ فتح ضرور ہے۔ جلد آ میرے ساتھ۔ کانف ابھی آتے ہوں گے ۔ گوپی چند کو شرمندہ کرنے کے لیے اس کے پاس جاتی ہوں اور اسے یہاں لا کر قصور معاف کراتی ہوں ۔

لوٹن : جو آ گیا ماتا ۔

[جانا دونوں کا ۔ دوسری طرف کانف کا سوچتے ہوئے آنا]

کانف : رام کرے جلدی مچھندر ناتھ آ پہنچے ۔ بغیر ان کے آنے کے گُرو کی رہائی نہیں ہوگی ۔ ایشور مچھندر ناتھ کو فوراً بھیج اور گُرو کو آفت سے بچا ۔

[کانف کا مچھندر ناتھ کے لیے دعا مانگنا]

گُرو ، یا خدا ! بے ریا ، لاجواب

صد افسوس ! ہے حال اُن کا خراب

نہ کرتا ستم چرخ گر بے حساب

گرہن میں نہ آتا کبھی آفتاب

بھلوں کو پڑا غم سے اکثر ہے کام
خدایا بھلوں کا بھلا کر مدام

[میناوت کا مع داسی و گوپی چند کے آنا ۔ داسیوں کو دور بیٹھنے کا اشارہ کرنا اور آپ مع گوپی چند پاؤں پر گرنا]

میناوت : مہاراج ! پاؤں لاگوں ۔

کالف : کیوں مائی ! گوپی چند کو لائی ؟

راجہ : جوگی جی بندہ حاضر ہے ۔

[گوپی چند کا کالف کے پاؤں پر سر رکھنا]

کالف : اے پاپی راجہ! تو کیسا مہا پاپی ہے ؟ کیسا بے حیا ہے ؟ ذرا اندیشہ اس وقت نہ آیا ۔ جالندھر باوا کو ستا کر تو نے کیا نفع پایا ؟

میناوت : (ہاتھ جوڑ کر)

تمھارے قدموں میں لائی اسے یہاں ہوں میں
کیے سے اس کے پشیماں بے گماں ہوں میں
یہ جانتی ہوں کہ اس پہ نا مہرباں ہوں میں
مگر کلیجا نہیں مانتا کہ ماں ہوں میں
خطا معاف سب اس کی اے باخدا ! کیجے
ہمارے بچے کے بدلے ہمیں سزا دیجے

راجہ : جوگی! میں نے دھوکے اور دیوانہ پن میں یہ کام کیا ہے اور آبرو کے جوش نے مجبور کیا تھا ۔

کالف : دیوانہ پن ! کیسا دیوانہ پن ؟ لوگ ہمیشہ اسی طرح اپنے بچانے کے لیے کہتے ہیں -

راجہ : غزل

کنہگار ہوں ، ناسزا ، نابکار
مگر ہوں معاف کا اُمّیدوار
ہوا مجھ سے دھوکے میں ایسا قصور
مگر بخش دیں آپ ، اے نامدار !
رہا پاپ سے میں بھٹکتا ہوا
ہمیشہ گناہوں سے تھی مجھ کو عار
دیا مجھ کو مکّار نے تھا فریب
نہیں تو نہ ہوتی خطا زینہار
اب اپنے کرم سے مجھے دو پناہ
کرو مہر کی اب نظر ایک بار

[گوپی چند کا پاؤں پر گرنا]

کالف : بیٹا گوپی چند ! تجھے اس طرح پریشان دیکھ کر میں بڑا خوش ہوں - پر میرے ہاتھ سے تیرے گناہوں کی معافی نہیں ہے - تجھ کو رہائی دینے والے ہمارے گُرو جالندھر ناتھ کے باوا بھائی مچھندر ناتھ ہیں - مچھندر ناتھ کو خبر دینے گورکھش ناتھ گئے ہیں - اگر مچھندر ناتھ آیا تو وہ تجھے اس پاپ سے چھڑائے گا -

راجہ : مہاراج ! تمھاری کرپا چاہیے -

: بیٹا گوپی چند اور رانی میناوت! اب جاؤ اور بے فکر رہو۔ (اٹھنا) تمھارے بھلے کے لیے جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا، کروں گا۔

[جاتے ہوئے. دونوں کا پاؤں پر گرنا]

راجہ : گُرو ناتھ، رخصت ہوتا ہوں۔

میناوت : مہاراج رشی مُنی۔ (ایک طرف سے کالف کا جانا، دوسری طرف سے گوپی چند و میناوت کا رخصت ہونا۔ لوٹن کا جوگن کو آتے دیکھ کر خوش ہونا)۔

لوٹن : (خود سے) آئی آئی! اچھا ہوا راستے میں ہی مل گئی۔ گھر تک نہ جانا پڑا۔ لوٹن ہمّت کر، آگے بڑھ۔ (جوگن سے) بی بی صاحبہ! اس طرف ذرا دیکھیے اور مجھے پہچانیے۔

جوگن : جی، مجھ سے کہتے ہو؟

لوٹن : ہاں بی صاحبہ! آپ ہی سے عرض ہے کہ مجھے پہچانتی ہیں؟

جوگن : کیا آپ بہرے ہیں؟

لوٹن : بہرا! خدا کی پناہ! آپ نے کیسے جانا کہ میں بہرا ہوں؟

جوگن : بہرے دوسروں کو بھی بہرا سمجھتے ہیں اس لیے آپ نے ابھی جو چلّا کر کہا اس سے مجھے شک آیا۔

لوٹن : کیا زبان چلتی ہے ؟ مگر آپ نے میرے سوال کا کچھ
جواب نہ دیا ۔ آپ مجھے پہچانتی ہو یا نہیں ۔

جوگن : کچھ تھوڑا بہت ۔ ایک دفعہ تم مجھے راجہ کے باغ
ملے تھے ۔ دوسرے وقت . . .

لوٹن : گھر میں — پھر ؟

جوگن : وہاں تم بوڑھے بن کے آئے تھے ۔

لوٹن : ہاں یہ سچ ہے مگر آپ نے مجھے جوان بنا دیا ۔ ٹھیک ہے
خوب یادداشت رکھی ۔ جب تو دربار میں جوشر
ہوئی تھی ، اس کا بھی کچھ خیال ہوگا ۔

جوگن : ہاں کچھ ہے تو سہی ۔

لوٹن : تو بی صاحبہ ! اب سیدھے راستے پر آ جاؤ ۔ ناحق گڑبڑ
نہ بڑھاؤ ۔

جوگن : گانا[1]

جاؤ جی جاؤ کس نادان کو سکھلانے آئے بہکانے آئے
کس کو پھسلانے آئے ، باتیں بنانے آئے
بن کے بے باک اپنی چالاکی دکھلانے آئے
پوری نادان اپنی نادانی دکھلانے آئے
جاؤ جی . . .

۱۔ تال لہرا سنگ ریزہ ۔

آگے ہوشیار کے ہوشیاری کرنے آنا کیسا
دریا میں پھینکے جال میں پانی لینے آنا کیسا ؟

لوٹن : میں جانتا ہوں کہ آپ دل لگی کر رہی ہو ۔ اب سب نخرے چھوڑ کر سچ بتاؤ کہ آپ کی کیا مرضی ہے ؟

جوگن : (خود سے) پھر اسے ہتھیلی پر چاند دکھاؤں ۔ (لوٹن سے) جو مرضی تمھاری وہی میری مرضی ۔

لوٹن : سچ ہے تو چلو میرے گھر ۔

جوگن : آپ کو ہر آن میرے تابعِ فرمان رہنا پڑے گا ۔

لوٹن : بیٹھ کہو گی تو میں بیٹھوں گا اور اُٹھ کہو گی تو اُٹھوں گا ۔ اس سے زیادہ فرماں برداری کیا کروں گا ۔

جوگن : بے شک ! جاؤ اور ایک گاڑی لاؤ ۔ شاید راستے میں کوئی دیکھے تو اپنی شرط کی وجہ سے شرمندہ ہونا پڑے ۔ میں یہاں کھڑی ہوں ۔

لوٹن : یہاں کون ہے ؟ کوئی بھی نہیں ۔ صرف چند دوستوں کے ساتھ شکار کو یہاں آیا ہوں ۔

جوگن : دوستوں کا تو کچھ ہرج نہیں ، میں غیروں کی بات کرتی ہوں ۔

لوٹن : بے شک میں جاتا ہوں اور فوراً گاڑی لاتا ہوں ۔

جوگن : بے چارہ کیسی خوشی سے ناچتا ہوا جاتا ہے ، پر آتے

وقت یہ خوشی رنج سے بدل جائے گی ۔ اس غریب
مچھلی کے لیے کنچنی کا جال آج خوب بچھاتی ہوں اور
اسے پھنساتی ہوں ۔

گانا[1]

اے دل دیوانے ، او چنچل ، دھیمے ، دھیمے ،
اوپر نیچے ، دیکھے بھالے ، ڈھنگ نرالے ،
دیکھو نیناں رے ، کاہو کی موہنی صورت ہو تو
اس سے رکھیو بچا کے ۔
دیپک جیسا مکھڑا ہو روشن تو وہ بھی دیجو جلائے
کہیں بھولے سے نیناں نہ جلیں ، انھیں رکھیو بچائے
اے دل دیوانے . . . .
تورے خنجر برچھی لاگت ہے ، تو سوجھت نیک اپائے
نین بھالا لاگے جو ، جیرا غارت جائے
جہاں نینوں میں نیناں سمائے ، وہاں کون کرے اپائے
اے دل دیوانے . . . .

[لوٹن کا پکارتے ہوئے مع دوستوں کے داخل ہونا]

لوٹن : پھاٹک پر کھڑی رہ ، ہم ابھی آتے ہیں ۔ (دوستوں سے)
برادرو ! آخرش میں فتح مند ہوا ۔ (سامنے دکھا کر)
دیکھو وہ سامنے کھڑی ہے ۔ میری مست ناز ،

۱۔ مونڈوا ، دادرا ۔

دل نواز جوگن ۔ (جوگن کو کنجڑی کے لباس میں دیکھ کر) ہیں یہ کیا ہوا ! (دوستوں کا حیران ہونا) یہ کون ؟ (جوگن سے) بی بی یہاں کسی جوگن کو آپ نے دیکھا ؟

جوگن : میاں صاحب ! ہوش کی دوا کرو ۔ یہ کسے پوچھتے ہو؟ جوگن وغیرہ کو جانے ہماری بلا ۔ فقیروں کو فقیر سے مطلب ۔ ہم دنیادار ، جوگی سے ہمارا کیا کام ۔ ہمارے حسن پر ، جوانی پر امیر فقیر فدا ہو جاتے ہیں ۔ ہم جوگی جوگن کو کب دھیان میں لاتے ہیں ۔

[جوگن کا اکڑنا ، دوستوں کا ہنسنا]

لوٹن : (خود سے) اوہو یہ چڑیل تو کتّے کی طرح بھونکتی ہے ۔ (جوگن سے) اجی حسینہ بیگم ! اتنا ناک بھوں کیوں چڑھاتی ہے ۔ ہم نے بھول میں پوچھا ، معاف کرنا ۔ ہم کو خبر نہیں تھی کہ آپ داناپور کی بیگم ہو ۔

[دوستوں کا ہنسنا]

جوگن : میاں عقل کے ناخن لو ، شریف زادے بنو ۔ شرارت سے باز آؤ ، ہم سے کیوں آنکھ لڑاتے ہو ۔

لوٹن : (خود سے) مثل مشہور ہے کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان ۔ میں نے بی صاحبہ سے جوگن کی بابت پوچھا تھا تو آپ نے گویا اپنا ہی عاشق تصوّر کر لیا ہے ۔

(جوگن سے) آپ اس بات سے بے فکر رہیے اماں جان
میں آپ کی فکر میں نہیں آیا ہوں ۔

جوگن : اماں جان کون ؟ (پیٹھ پر دوہتڑ مارنا) موئے درگور
لفنگے ، تجھے میں ایڑی چوٹی پر سے قربان کروں ،
میں کیا تیرے باپ کی بیوی ہوں جو مجھے اماں جان
کہتا ہے ۔

لوٹن : (خود سے) لو ایک نہ شد دو شد ۔ (جوگن سے) اچھا
اماں جان نہ سہی ، خالہ جان ہی سہی ۔

جوگن : تیری خالہ مرے اور تُو مرے موئے ۔

[جوگن کا اپنی اصلی شکل دکھلانا ، دوستوں
کا دیکھ کر ہنسنا]

پہلا دوست : لوٹن ! یہ ہے تیری جوگن ؟ کہاں سے ڈائن کو ڈھونڈ
نکالا ۔ واہ بھئی ہمیں بھی خوب بنایا ۔

لوٹن : ارے یار یہ تو جوگن کی دادی نکلی ، پر رانڈ نے
مجھے دھوکہ دیا ، میری فضیحتی کی ۔ (اِدھر اُدھر
دیکھنا ، دوستوں کا ہنسنا) ۔

جوگن : ڈائن کس کو کہتا ہے ؟ (دوستوں کو مارنا) تیری
دادی مرے اور تو بھی مرے موئے ۔ راہ چلتی
عورتوں کو چھیڑتا ہے ۔ خیر اب تو کہاں جاتا ہے ۔
پھر ملے گا تو جوتیوں سے خبر لوں گی ۔

[نخرہ کر کے جانا ، لوٹن کا سکتے کی حالت میں تکتے رہنا ،
دوستوں کا ہنسنا]

دوسرا : کیوں لوٹن ! جوگن سے شادی کی کب تیاری ہے ؟

لوٹن : ساڑھے بارہ بجے -

پہلا : اپنے پرانے آشناؤں کی دعوت ضرور کرنا -

لوٹن : آپ کے پُرکھا بھی آسمان سے بلا لوں گا -

دوسرا : دوست ! مجھے نہ بھولنا -

لوٹن : ارے یارو! میرا کلیجا جلتا ہے اور تمھیں مسخری سوجھتی ہے - (خود سے) لوٹن آج کس کا منہ دیکھ کر آیا تھا - خیر ہمتِ مرداں مددِ خدا -

بہ ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

[لوٹن کا ادھر اُدھر دیکھ کر جلدی سے جانا اور دوستوں کا ہنستے ہنستے جانا - گورکھ ناتھ اور مچھندرناتھ کا باتیں کرتے آنا]

مچھندر ناتھ : بیٹا گورکھ ! تو نے آج اپنے گُرو کو ایک بڑی آفت سے بچایا -

گورکھ : مہاراج ! اس میں ہماری کیا تقصیر ہے ؟ کچھ آپ ہی ناری کے نینوں کا شکار ، اُس کی جادو کی تلوار سے زخمی نہیں ہوئے تھے ؟ تم پر اس جادوگر عورت نے جادو کیا تھا اور افسوں کے اثر سے تمھارا دل ہاتھ سے نکل گیا تھا -

[گوپی چند کا آنا اور مچھندرناتھ کے پاؤں پر گرنا]

مچھندر : کانف ! یہ کون شخص ہے اور کس واسطے اتنا اداس ہے ؟

کانف : مہاراج ! یہ بڑے دکھ کا مارا ، اپنی قسمت سے آوارہ ہے اور آپ کے پاس کچھ عرض کرنے کے لیے آیا ہے -

مچھندر : بیٹا کانف ! پوچھ کہ یہ کیا چاہتا ہے - تیرا کلیان ہو - چھوڑ بیٹا ، چرن چھوڑ -

راجہ : گورکھ ناتھ ! جب تک تقصیر معاف ہونے کا بچن نہ دو گے تب تک تمھارا قدم نہ چھوڑوں گا -

مچھندر : اے رنجیدہ دل ! میں نے تجھے بچن دیا - بول تُو کیا چاہتا ہے ؟

راجہ : ناتھ ! میں راجہ گوپی چند ہوں -

مچھندر : گوپی چند ؟

راجہ : ہاں وہی کمبخت گوپی چند کہ جس نے فریب کیا اور نِردوش گُرو جالندھر ناتھ کو کنویں میں ڈال دیا - وہی کم بخت ، کم فہم ، گوپی چند جس کا منہ سیاہ کاری سے تمام عمر کالا ہے -

مچھندر : ارے غافل ! ارے نادان ! اب آنے سے حاصل کیا ترے اس رنج کرنے اور پچھتانے سے حاصل کیا

گیا جب تیر ہاتھوں سے نکل ، تب کیا پریشانی
یہ پہلے سوچ لیتا تو اٹھاتا کیوں پشیمانی
یہی تیری سمجھ ہے اور یہی تیری ہے دانائی ؟
ارے مغرور ! بندوں پر خدا کے ظلم آرائی ؟
تجھے راجہ بنایا رب نے کیا سب کے ستانے کو ؟
تو آیا راج کرنے ، ظلم سے دوزخ میں جانے کو ؟
کنویں میں کس خطا پر بے گنہ کو تو نے گاڑا تھا ؟
جالندھر ناتھ نے نادان تیرا کیا بگاڑا تھا ؟

راجہ : نہ غافل ہوں ، نہ ہوں مغرور میں کر کے ستم رانی
فقط عزّت کی اپنے جوش میں کی میں نے نادانی
ہزاروں رنگ دورِ آسماں ہر دم بدلتا ہے
نصیبوں کا لکھا لیکن نہیں زنہار ٹلتا ہے
جہاں میں کون ہے وہ شخص جو اپنا برا چاہے
مگر ہوتا ہے اے دانا ! وہی جو کچھ خدا چاہے

مچھندر : قصور اس میں خدا کا کیا ، ہوئی ہو جب خطا تم سے

راجہ : خطا ہم سے ہوئی تو خوف کیا ، گر ہو عطا تم سے

مچھندر : میں تجھ کو آگے ہی اسیس دے چکا ہوں ، نہیں تو میں ایسی بددعا دیتا کہ تو جل کر راکھ سیاہ ہو جاتا ۔ میں تجھ سے درگزر کرتا ہوں ، پر گرُو جالندھر ناتھ کے غضب سے تو کیسے بچے گا ؟

گانا

راجہ : عرض سن لیجو موری ، خطا بخش دو میری ، کرم کرو
داتا کوپ نوارو ، آس سائیں مو ہے توری -

نالف : ناتھ جی ! آج یہ راجہ اس حالت میں آیا تو کیا ہوا -
یہ گُنی اور نیک بخت راجہ ترلوک چند کا بیٹا ہے
جس کا گُن جہان میں گایا جاتا ہے - آترتی چڑھتی
سب کو پیش آتی ہے - انسان مٹی کا پُتلا ہے - چُوک
جانا اور کھوٹی راہ پر چلنا اس کے سبھاؤ میں داخل
ہے - اس واسطے آپ راجہ گوپی چند کی تقصیر کو
دھیان میں نہ لائیے - اس کے پچھتاوے اور رونے کا
خیال کیجیے -

راجہ : سچ ہے مہاراج !

چھند

بھولے وہ پنڈت جو چار وید پاٹھ کرے ، بھولے وہ
گیانی جو گیان میں نرالا ہے -
بھولے وہ بید جو روگ ہرے جسم کے ، بھولے وہ بیر جو
بہادری میں اعلیٰ ہے -
بھول کے بھی پھول کا گلے میں آدمی کے ایک بالا
کرتار نے ہزار بار ڈالا ہے -
طالب اس چُوک سے بچا نہ کوئی ، آدمی کے من میں
بھول چُوک کا مسالہ ہے -

مچھندر : اچھا سن گوپی چند ! میں تجھے ایک تدبیر بتاتا ہوں ۔
تو اپنے محل میں جا اور تین پُتلے بنوا رکھ ؛ ایک
سونے کا ، دوسرا رُوپے کا اور تیسرا لوہے کا ۔ پھر جو
کچھ کرنا ہے وہ میں تجھے بتاؤں گا ۔ اب تُو جا ،
نڈر ہو ، محل میں آرام کر ۔

راجہ : جو آ گیا مہاراج !

مچھندر : جا بیٹا ! کرتار تجھ پر کرپا کرے گا !

[جانا]

سین دوسرا

راستہ

سپاہی : سرکار ! گرفتاری کے لیے اتنی تاکید کا کیا سبب ہے ؟

لوٹن : کسی کو خبر نہیں تھی کہ وہ مور کے پر میں ایک کاگ ہے - میں نے ہزار بار راجہ جی سے عرض کی تھی کہ وہ پنڈت بڑا فریبی ، زہری ناگ ہے - آپ اس کی مسالے دار باتوں پر یقین نہ لائیے ، مگر میرا کہا نہ مانا - آخر میدوت اور جالندھر ناتھ کے لیے اچھا ہوا - پنڈت کا فریب جانا ، تب ہار کر گرفتاری کے لیے پروانہ روانہ کیا -

سپاہی : ایسے فریبی پنڈت کی ناک اور کان کاٹ کر ، گدھے پر سوار کرکے اس کو شہر بدر کر دینا چاہیے کہ پھر کسی کے گھر میں ایسی کوئی خرابی نہ کرے -

لوٹن : سپاہیو ! جلدی دائیں بائیں ہو جاؤ - وہ بدذات پنڈت ہی سامنے سے آتا ہے - دیکھو جس طرح راجہ جی نے کہا ہے ، اسی طرح اس فریبی کو گرفتار کرنا - ہمّت رکھنا - جاؤ چھپ جاؤ - میں بلاؤں تب آؤ -

[سپاہیوں کا چھپ جانا - پنڈت کا آنا اور لوٹن کو دیکھ کر چونکنا]

لوٹن : اوہو ! بندگی پنڈت جی ! کہو ، کہاں چلے ؟ آج کچھ اُداس ہو ؟

پنڈت : نہیں کچھ نہیں !

دوہا

سدا نہ پھولے تور کی ، سدا نہ ساون ہو
سدا نہ پھول کھلا رہے ، سدا نہ جوبن ہو
کہو راجہ جی کی کچھ خبر ؟

لوٹن : اچھی خبر ہے ۔ جو تم کہو سو خبر تمھاری کریں ۔

پنڈت : میں کیا کہوں ، میرا جی آداس ہو گیا ہے ۔ راجہ جی خفا ہوئے ہیں تب تو اس شہر میں رہنا بے فائدہ ہے ۔ شاید موت کی نوبت ہو تو کچھ شک نہیں ۔

لوٹن : اجی یہ کیا کہتے ہو ۔ ایسا کام کوئی سمجھ سوچ کے کرو ۔ آپ جیسے اشراف کے چلے جانے سے دربار کا کام تمام ہو جائے گا ۔

پنڈت : بس بھائی ضد نہ کر ۔

دوہا

جہاں نہ کوئی مِیت ہو ، جہاں نہ کچھ مان ہو
وہاں نہ بسے ایک چِھن ، لاکھ ملے دھن دان

لوٹن : بات تو یہ سچ ہے ، مگر کیا میں بھی آپ کا مِیت نہیں ؛ جس نے اپنی جان دے کے آپ کو دوست بنایا تھا ؟ آپ

ہمیں بھی چھوڑتے ہیں ، رشتۂ الفت توڑتے ہیں ۔ یہ بھی ایک کم نصیبی ہے۔

پنڈت : لوٹن کہا سنا معاف کرو ۔ میں تیرے گھر آنے والا تھا مگر پربھسُو نے راستے میں ملا دیا ۔

[پنڈت کا لوٹن کو گلے لگانا اور آہستہ آہستہ خنجر نکالنا چاہنا]

لوٹن : (خود سے) یہ بغل گیری گلا کاٹنے کے لیے ہے یا گلے لگانے کے لیے ؟

پنڈت : بھائی ! یہ آخری ملاقات ہے ۔ میری طرف سے اپنے دل کو صاف کرو ۔

لوٹن : تم بھی اپنے دل کو پاک کرو کیونکہ آدمی کی زندگی کا بھروسا نہیں ۔ خدا جانے کل آپ کی ارتھی کی تیاری ہے یا میرے جنازے کی باری ہے ۔

[پنڈت کا خنجر مارنا چاہنا ، لوٹن کا سپاہیوں کو آواز دینا]

پنڈت : آہ بغل گیری نے بھی یاری نہ دی ۔

لوٹن : اس بغل گیری نے یاری نہ دی تو اب موت کی بغل گیری یاری دے گی ۔

پنڈت : لوٹن ! تیرا بخت یاور اور میرا بخت بدتر ۔ راجہ کی خفگی کے پیشتر میں نے تجھ سے اپنے کیے کا بدلہ لینا چاہا تھا مگر وہی پیش آیا جو قسمت میں لکھا تھا ۔

لوٹن : پنڈت جی مہاراج ! جیسی کرنی ویسی بھرنی ۔

پنڈت : سچ ہے بھائی ! میری برائی میرے آگے آئی ۔ اب یہ ناپ تیرے قدموں کے آگے سر جھکاتا ہے ، چل مجھے کہاں لے جاتا ہے ۔

لوٹن : راجہ جی کے پاس ۔ تمھارے بھلے کاموں کی سفارش کرنے کے لیے ۔ جو کچھ ہوگا ، اچھا ہوگا ۔

[جانا]

سین تیسرا

کٹ جنگل

[مچھندر ناتھ ، گورکھ ، کانف ، گوپی چند اور دو چیلوں کا
کنویں کے پاس بھجن کرتے ہوئے نظر آنا ۔
مچھندر ناتھ کا کنویں کے پاس جانا]

مچھندر ناتھ : گوپی چند! آگے آ ، مَن کو پاک کر ، بُرے اندیشے
اور بد بچاروں سے سینہ پاک کر ، میرے اپدیش پر
دھیان دھر اور لوہے کی مُورت کو کنویں میں
ڈال کر سائیں جالندھر کو آدیس کہہ ۔

[گوپی چند کا عرض کرنا]

راجہ : قدم میں آپ کے یہ نابکار آیا ہے
جھکا کے سر کو بہت شرمسار آیا ہے
ترے حضور میں رحمت کے آسرے مولا
تری معاف کا امیدوار آیا ہے

جالندھر ناتھ : بیٹا تُو کون ہے ؟

راجہ : پریشان ، پشیمان اور دردمند
مرا نام ہے سائیں جی! گوپی چند

جالندھر : گنہ گار ، پاپی ، ہے نا پاک تُو
یہیں جل کے بس ہو ارے خاک تُو

[لوہے کی مورت کا جلنا ، گوپی چند کا ڈرنا]

مچھندر : گوپی چند! ہمّت رکھ ، ڈر مت ، گُرو کا تجھ پر بڑا کوپ ہے ۔ اس رُوپے کی مورتی کو کنویں میں ڈال کر سر جھکا ۔

[گوپی چند کا رُوپے کی مورت کو کنویں میں ڈالنا]

راجہ : خطا ہوئی ہے بڑی اور قصوروار ہوں میں
ہزار طعن کے لائق ، گناہ گار ہوں میں
مگر نہ آپ جو ہم بیکسوں پہ رحم کریں
تو فرق کیا ہے غفور اور گنہگاروں میں

جالندھر : مجھے کون یاد کرتا ہے ؟ بیٹا تُو کون ہے ؟

راجہ : وہی جس نے تم کو دکھ دیا ہے ، وہی ناسزا پُر خطا گوپی چند ۔

جالندھر : بھڑک آگ بس تُو جلا اس کو ڈال
مِلا خاک میں اس کو کر پائمال

[مورت کا جلنا اور گوپی چند کا ڈرنا]

مچھندر : گوپی چند ! اپنے گناہوں سے توبہ کر اور بھگوان
کا نام لے اور سونے کی مورت کنویں میں ڈال ۔

[گوپی چند کا سونے کی مورت کنویں میں ڈالنا]

راجہ : نہیں ہے خوف اجل کا ، ہمیں ہلاک کرو
مری طرف سے مگر دل کو اپنے صاف کرو
ہماری بھُول نہیں گر قبول اے داتا
تو پھر الم نہیں ، چاہے جلا کے خاک کرو

جالندھر : ارے او دغاباز ، ارے فتنہ گر
شرابوں کی اگنی سے تُو جل کے مر

[سونے کی مورت کا جلنا اور گوپی چند کا ڈرنا]

راجہ : ہوا مَیں بد انجام ، بد روزگار
نتیجہ بدی کا ہوا آشکار
اگر میں سمجھ کر کے کرتا یہ کار
یہ بدلہ نہ ملتا مجھے زینہار
مری تین مورت جلیں تین بار
بس اب آگ میں جل کے ہوں گا میں زار

مچھندر : گوپی چند ! نہ گھبرا ، ایک دفعہ اور سیس نوا ۔

راجہ : جھکاتا ہوں شرمندہ ہو کے میں سر

جالندھر : تری آس کیا ؟ کون ہے تو بشر ؟

راجہ : طلب گار معافی کا میں گوپی چند
جالندھر : تُو زندہ ہے کیا اب تلک گوپی چند
راجہ : فقط توبہ کرنے کو اے نیک ذات
جالندھر : ابھی تک تو زندہ ہے اے بدصفات ؟
راجہ : کرم کے بھروسے پہ آیا گرو !
جالندھر : اے بیٹا ابھی تک سلامت ہے تُو ؟
راجہ : سلامت ہوں لیکن ندامت کے ساتھ
جالندھر : کس طرح تو نے اماں پائی ہے مرے غصّے سے ؟
راجہ : آپ کے بھائی ہیں مانے کے لیے سر پر مرے
جالندھر : بیٹا ، رسّی ڈالو اور مجھ کو کنویں سے نکالو ۔

[رسّی کا ڈالا جانا اور جالندھر کا باہر نکلنا ۔ سب کا ان کے پیروں پر گرنا]

مچھندر : سائیں ! آپ کا درشن بہت دنوں بعد ملا ۔
جالندھر : سچ ہے بھائی گورکھ ! تو خوش رہ ، کانف ! تیرا کلیان ہو ۔ گوپی چند ! تُو سکھی رہ ، تُو کس لیے اُداس ہے ۔

راجہ : جہاں کو میں نے بس اے نامدار ! دیکھ لیا
یہاں کا لطف ، یہاں کی بہار دیکھ لیا
دغا فریب کا نقش و نگار دیکھ لیا
غرض کی چاہ ، بناوٹ کا پیار دیکھ لیا

جسے گلے سے لگایا ، ہمیشہ پیار کیا
اسی نے میرا گلا کاٹنے کو وار کیا
پلا جو گھر میں مرے ، بے وفا غلام ہوا
وہی غلام ہمارا نمک حرام ہوا
کنارہ سب سے غرض مجھ کو لاکلام ہوا
بس اب جہاں کو مرا آخری سلام ہوا
ملا کے دہر سے زیادہ نہ سوگ دو مجھ کو
چھڑا کے مطلبی دنیا سے ، جوگ دو مجھ کو

جالندھر : اے گوپی چند ! تن من دھن کی آس چھوڑ اور مایا سے منہ موڑ ، نیکی سے ناتا جوڑ ۔ اس ایشور کو ایک پہچان ، دھیان دھر ۔ میں تجھ کو دگمبر کا منتر سناتا ہوں ۔ بیٹا ذرا آنکھیں بند کر ۔

[گوپی چند کا آنکھیں بند کرنا ، جالندھر کا اس کے کان میں منتر کہنا ، بجلی کا چمکنا] ۔

راجہ : پہچانا میں نے پہچانا ، پایا میں نے پایا ۔

جالندھر : بیٹا ! اس کے کپڑے اتار کر کفنی پہنا کر لاؤ ۔

[گوپی چند کا ایک چیلے کے ساتھ جانا]

برادر مچھندر ناتھ ! آؤ ۔ گوپی چند کی نجات کے لیے پرارتھنا کریں ۔

گانا

گُنی داتا رے ہمارے ، بھرو سے رحم کے سارے ، ہم
ہیں تمہارے
در پہ تیرے اے خدایا ، بندہ تیرا ہے آیا ، ہر پاپ
سے پچھتایا ، توبہ کے سہارے — گنی داتا ہمارے
اس پر تو دیا کر اور اس کو شما کر —
اے گنی داتا ہمارے . . .

[گوپی چند کفنی پہن کے آتا ہے]

جالندھر ناتھ : اے گوپی چند ! سن لے دل سے یہ بات
نہ رکھنا اَوشتے دنیا پر تو ہاتھ
دل اپنا موہ مایا سے بچانا
نہ ہرگز دام میں دنیا کے آنا
نہ پڑ جانا ہوس کی بھول میں تو
ملانا جوگ کو مت دُھول میں تو
دکھائی میں نے تجھ کو راہ پہلی
چلے اس پر تو کامل ہو تُو جوگی
بی بی اور ماتا کے پاس جا تو
وہاں سے بھیک مانگ کے لا تو
اگر اُن کی محبّت میں نہ آیا
تو سمجھوں گا ہوس پہ فتح پایا

سکھاؤں گا تجھے پھر گیان بیراگ
کہ جس سے مُکتی حاصل ہوگی بے لاگ
ابھی سے جا کے بن تُو سادہ جوگی
مبارک تین سال تک رہے بیروگی

[جانا]

سین چوتھا

محل میناوت

[میناوت داسیوں کے ساتھ گوپی چند کو یاد کر رہی ہے]

میناوت : بہرِ شکار نکلا جب سے پسر ہمارا
اب تک نہ لوٹ آیا لختِ جگر ہمارا
آیا نظر نہ اب تک نورِ نظر ہمارا
دل ہو رہا ہے بےکل شام و سحر ہمارا
آمد سے اس کی جلدی آگاہ کر دو مجھ کو
آئے تو اے خواصو فوراً خبر دو مجھ کو

[میناوت کا جانا ، گوپی چند کا جوگیا لباس میں آنا]

راجہ : **گانا**

تو ہر نام بھج لے ، بندے اپنے مولا کو
ہر کار گھر بار تج تو ، ہر کا نام بھج تو
دنیا کو چھوڑ ، منہ اس سے موڑ

[گوپی چند کا محل کو دیکھ کر افسوس کرنا]

یہ مرا دیوانِ شاہی ، یہ مرا شاہی محل
مثلِ راجہ رہتا تھا کل تک میں اس میں بر محل
آج میرا ، کل تمہارا ، پرسوں اُن کا مال ہے
مال و ملکیّت کا دنیا کی یہی بس حال ہے
یہ محل ایوان ہے گو عیش اور آرام کا
ہے درِ دوزخ مرے آگے ، یہ ہے کس کام کا
پر محبت ، ہائے او ظالم محبت ! بد بلا
کیوں لگاتی گھات ہے دل پر مرے تُو برملا
او محبّت ! پھر مرے دل کو رہی ہے کیوں ستا
میرے دنیا چھوڑنے سے پہلے مجھ کو چھوڑ جا
اے ہوس ! اے فانی چیزوں کی تمنّا ! دور ہو
دور ہو مجھ سے تُو بس اے موہ مایا ! دور ہو
الکھ !

[داسی کی آواز اندر سے آنا]

پہلی داسی : کون ہے ؟

راجہ : اے داسی ! بھکاری ، برھمچاری ۔

دوسری : کس کی داسی اے منگن بھکاری ! "اے داسی" تو بھی ہمیں داسی کہے ۔ اپنی زبان ستیاناسی سنبھال ۔ تیرے باپ نے کبھی ایسی داسی دیکھی تھی ۔ جا کہیں چیزیں مانگ ، جا راجہ کے لنگر خانے میں ہانک لگا ۔ یہ کوئی دھرم سالہ نہیں ہے ۔ چل نکل یہاں سے ، نہیں تو دھکے کھائے گا ۔ گردن میں ہاتھ دے کے نکالا جائے گا ۔

راجہ : مائی کیوں ستاتی ہو ، کیوں دل دُکھاتی ہو ۔ جلدی بھکشا دو ۔ داتا تمھارا بھلا کرے ، بھنڈار بڑھے ۔

داسی : اے ہٹے کٹے مردوے ذرا شرما ۔ اتنا بڑا جوان ہو کر بھیک مانگتا ہے ، محنت مزدوری نہیں کرتا ۔ اگر حیا ہوتی تو چلّو بھر پانی میں ڈوب مرتا ۔

دوسری : بہن ! میں حیران ہوں ۔ مجھے اس فقیر کی آواز سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راج کمار گوپی چند کی آواز ہے ۔

پہلی : چلو بی ، یہ کنگال راجکمار کی برابری کرے گا ؟ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگوا تیلی ۔

راجہ : ہاں مائی جی ، میں گوپی چند ہوں ۔ مجھ پر نئی مصیبت ہے ۔ کل راجہ تھا آج جوگی بن گیا ہوں ۔ جو بول داسی کا میرے منہ میں پڑا تھا ، نکل گیا ۔ معاف کرو ۔ بھکشا دو ۔ داتا بھلا کرے ۔

دوسری : تو جائے گا یا ہمارا سر پھرائے گا ۔ کوئی ہے ؟ نکالو اسے ۔

میناوت : ہیں کون ہے ؟ کیوں شور مچا رہی ہے ؟

پہلی : رانی جی! یہ کوئی جوگی ، دل کا بھوگی ، کب سے تین پانچ کر رہا ہے ۔

[رانی کا غور سے دیکھنا]

میناوت : ہیں کون ؟ میرا بیٹا گوپی چند ۔ یہ میں کیا دیکھتی ہوں ؟ (رونا)

راجہ : ماتا ، پیاری ماتا ! میں جاتا ہوں ، جیتا رہا تو تین برس بعد ملوں گا ۔

میناوت : ہائے بیٹا ! گوپی چند ، میرا فرزند جوگی ! ہائے یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں ۔

راجہ : مائی چھوڑ دے ، مجھ کو جانے دے ۔ اگر زندہ رہا تو میں تین سال کے بعد آ کر ملوں گا ۔

میناوت : بیٹا میں نے تجھے جوگ لینے کے لیے کب کہا تھا ۔ تُو جوگی کس لیے بنا ؟ کیا یہ تیرا نازک بدن اس کی سختی اٹھا سکے گا ؟ کیا یہ گورا سفید بدن پتھر کے بچھونے پہ لیٹے گا ؟ ارے ان نرم مخمل جیسے پاؤں میں چھالے پڑیں گے اور خوں خوار کانٹوں سے تلوے چھِل جائیں گے ۔ بیٹا یہ خیال مجھے دیوانہ بنائے گا ۔ میں کیسے دیکھوں اور کیسے سنوں اور کیسے دھِیر دھروں ۔ پِتا تیرا سورگباش ہوا ، تُو بھی جوگی ہو چلا ۔ میرا اب کون رہا ؟ مجھے تو نے کہیں کا نہ رکھا ۔ جوگ لیا ، ہائے یہ کیا کیا ۔ یہ تیری اٹھتی جوانی ، گھر میں سولہ برس کی رانی ۔ اس نے جینے کا کیا مزہ پایا ، جیتے جی اسے مٹایا ۔ میں کیا کروں گی اور اسے کیسے تسلی دوں گی ؟

راجہ : ماتا ! ماں باپ کا دھرم ہے اولاد کو پاپ کے گڑھے سے نکالنا اور نیک کاموں کی طرف رغبت دلانا ، نہ کہ چھوٹے

جانے بتانا اور راہِ حق سے ہٹانا ۔ ماتا ! آنکھیں کھول
کے دیکھ میں کون ہوں ۔ اگر میں تیرا بیٹا ہوتا تو
نو مہینے تیرے پیٹ میں رہ کر موت کی گود میں
کیوں سوتا ۔ ماتا چھوڑ ، جانے دے ۔ اب تو بھی
کوئی اور کام کر ، بھگوان کی بھکتی میں نام کر ۔ مجھے
بھی جانے دے ، اس کی سیوا میں دل لگانے دے ۔

میناوت : نہیں بیٹا میں نہیں جانے دوں گی ۔

[جانا گوپی چند کا]

سین پانچواں

موہنا کا محل

موہنا : گانا

پران ناتھ پیارو آیو نا بیاکل جیرا ہائے ،
درس دکھا موہے ، ساجنا ہائے ، کل نہ پڑت ہے

[موہنا کا پریشانی میں اندر جانا ۔ راجہ کا جوگی کے
لباس میں آنا]

راجہ : یہ میرا رنگ محل ہے ، اس میں میری پیاری موہنا میرے
لیے بے کل ہے ۔ ایک دن کی جدائی گوارا نہیں ، اب آسے
چھوڑے بغیر چارہ نہیں ۔ ہائے مظلوم موہنا ، جب تو اپنے
خاوند کو بھگوے لباس میں دیکھے گی تو کیسے زندہ
رہے گی ۔ اس بھگوے لباس میں اس کے سامنے جانا گویا
موت کا پیغام دینا ہے ۔ آہا وہی سامنے سے آتی ہے ۔ ذرا
چھپ کر دیکھو ، قسمت کیا دکھلاتی ہے ۔

[موہنا کا آنا]

موہنا : گانا

میں پیا بِن تِل ملیاں ، نت رہی اگن تن من جلیاں - ہائے
سجن کیوں سدھ بسرائے ، چھانڈ گئے موہے ، آپ نہ آئے
آٹھ پہر یہی ہے کلیان

راجہ : ہائے افسوس اس کے بَین سے سینہ پھٹتا ہے - کلیجہ کٹتا ہے -
ہائے مظلوم موہنا ! جب تو اپنے خاوند کی اس حالت کو
دیکھے گی کیسے زندہ رہے گی - الکھ -

موہنا : گانا

تم کو آدیس آدیس جوگی الکھ جوگی الکھ جگائے ناتھ بجائے
—آدیس آدیس
کانن کنڈل گلے میں مالا - کفنی سُہیلی ہرنی شالا ،
شب شنکر کا بھیس ہے جوگی ، الکھ جگائے ، ناتھ بجائے
—آدیس آدیس

راجہ : اَلکھ ، اَلکھ !

موہنا : سکھی وہ تھال لا ، موتیوں بھرا مال لا - جوگی خوش ہو
جائیں گے تو ان کی دعا سے میرے سوامی آئیں گے -
(جوگی سے) جوگی جی ! میرا پیارا پران پتی جو شکار
کھیلنے گیا ہے ، اب تک نہ آیا - اس کی جدائی نے
مجھے بے چین بنایا - لو یہ تھال موتیوں کا اور دعا دو کہ
وہ جلد گھر آئے اور میرا جی سکھ پائے -

راجہ : ماتی ! وہ تیرے سامنے کھڑا ہے ۔

موہنا : یہ آواز؟ یہ صورت ؟

راجہ : تیرے خاوند گوپی چند کی ۔

موہنا : میرے پیارے راجہ کا یہ کیا حال ؟

راجہ : ماتی دور ہو ۔ مجھ سے نہ چھو ۔ مجھے بھکشا دے ۔

موہنا : سوامی ! مجھے ماتی کہتے ہو ! کیا اپنی پیاری موہنا کو بھول گئے ۔ کیوں مزاج کیسا ہے ؟

راجہ : اک طور پہ رہتا ہی نہیں رنگ جہاں کا
ہے قبر کا کونا کبھی ، زانو کبھی ماں کا
یکساں نہیں ہے حال کبھی پیر و جواں کا
تھی تیر کی صورت کبھی ، نقشہ ہے کماں کا
گم نام کبھی اور کبھی نام و نشاں ہے
تابوت کبھی ، اور کبھی تختِ رواں ہے

موہنا : پران پتی! کیا سچ مچ یوگ لے لیا ہے ؟ جنم کا بھوگی آج جوگی ہو چلا ۔ مجھے ڈبویا ، کس پکھنڈی نے جوگ سکھایا ، ذری آسے رحم نہ آیا ۔ تیرے گلے میں کفنی مالا ، میرے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا ۔ وہ کون نردئی ، وہ کون سنگ دل تھا ، جس نے دو دن کی بیاہی تریا پر ستم گزارا ۔ ہائے میں نے کسی کا کیا بگاڑا ، ہائے بھگوان میرا بھرا چمن اجاڑا ۔ پیاری بنا کر گلے لگایا ، آج مجھ کو ماں بنایا ۔ میری جوانی اکارت کر چلا ، مجھے غارت کر چلا ۔

میرے ماں باپ نے مجھ کو تجھے سونپا ، تُو میرے مرنے جینے کا شریک بنا ، اب مجھے کسے سونپا ؟

گوپی چند :

مرا دونوں جہاں میں یار ہے جو ، مجھے آج ہے وہ دلدار ملا
نہ وہ اہلِ جفا ، نہ وہ اہلِ وفا ، عیّار نہ دل آزار ملا
نہ تو باغ میں لطفِ بہار ملا ، نہ تو خلد میں غنچۂ جان کھلا
اُسی پہلو میں چین ہزار ملا ، اُسی کوچے میں دل کو قرار ملا
کوئی ملکِ عدم سے چلا تو آئے ، بدی نیکی کا بیوپار ملا
نفع نیکی سمجھ نقصان بدی ، تجھے دل کرنے کو وچار ملا

داسی : مہارانی ! راج ماتا کا حال خراب ہے ، مہاراج کے جوگی ہونے کے غم میں جینا عذاب ہے ۔

موہنا : ارے او بیدرد ظالم ! یہ تُو نے کیا کیا ؟ ماں کو بڑھاپے میں یہ دکھ دیا ۔ پیارے میرا کہا مان ، ہائے ہائے چلی میری جان ۔

راجہ : او پران پیاری موہنا ! آگ میں جلے میرا جوگ ، ہلاک ہو جائے یہ زندگی ۔

جالندھر : گوپی چند خبردار ! دنیا کی مایا جھوٹی ہے ۔ بیٹا سنبھل ، نہیں تو پچھتائے گا ۔ مایا تجھے آسمان پر چڑھا کر پاتال میں پھینکنا چاہتی ہے ۔

راجہ : جو آ گیا مہاراج !

[جاتا]

باب تیسرا

سین چھٹا

جنگل

[لوٹن کا سوچتے ہوئے آنا]

لوٹن : بس یہ آخری آزمائش ہے۔ اگر اس میں بھی ناکامی رہی اور جوگن سے شرط ہارا تو میں بھی الکھ اس کے ساتھ جگاؤں گا۔ اُس چھبیلی کے پھنسانے کے لیے ہزار کوشش کی مگر وہ نہ پھنسی۔ خیر جس طرح اس نے مجھے دق کیا ہے، کبھی نہ کبھی وہ بھی پیچ میں ضرور آئے گی۔ میں تجھے پھنساؤں گا اور تجھے مزا چکھاؤں گا۔ مگر اب تو سب کچھ کہتا ہوں، جب مل جائے گی تو سر جھکانے کے سوا کچھ بن نہ پڑے گا۔

ہجر میں لاکھ حسینوں کا گلہ کرتے ہیں
وصل ہوتے ہی فراموش جفا کرتے ہیں
سامنے وہ رخِ پُر نور جب آ جاتا ہے
کچھ نہیں منہ سے نکلتا نہ بُکا کرتے ہیں

چھوڑوں نہ میں اُس کا دامن، جوگ لوں یا جوگن بنوں۔

جوگن : ہاں جوگن۔

لوٹن : ہیں جوگن !

جوگن : کیوں بچ گئے ؟

لوٹن : ہاں اب بتائیے ، آپ کی کیا مرضی ہے ؟

جوگن : جو تمھاری مرضی وہی میری مرضی ۔

لوٹن : جب تو جوگن تجھے صد ہزار آفریں ۔

جوگن : محفلِ راجہ میں جو تم آئے ہو بازی لگا
جیت کے تم چاہتے ہو رسوا کرنا برملا ؟
جائیے ، اس دام میں بندی نہ آئے گی ذرا
عشق سچّا ہے تو جی تم پر بھی ہے اپنا فدا

لوٹن : سچ ہے میں نے بازی محفل میں لگائی دلربا
آتے جاتے حسن و خوبی پر ترے عاشق ہوا

جوگن : خیر تم کو میری الفت ہے تو مجھے بھی تمھاری الفت ہے ۔
جاؤ ایک گاڑی لاؤ ۔

لوٹن : میں گاڑی لاؤں اور تم گھوڑی ہو کر کہیں بھاگ جاؤ ۔
اسی دن کی طرح پھر ستاؤ ۔

جوگن : خیر اس دن والی بات جانے دو ۔ اب میں تمھاری ہو چکی
ہوں ، جاؤ ۔

لوٹن : بہت خوب ابھی لاتا ہوں گاڑی ۔

[جاتا]

جوگن : اب میں ایک شکاری عورت کا سوانگ لوں اور میاں جی کو چالاکی کو شکار کروں ۔

سین ساتواں

محل چمپاوتی

[داسیوں کے ساتھ چمپاوتی کا آنا]

سہیلیاں : گانا

ہر گلی میں چرچا سن کے آئے ہیں سرکار ہم
ہم کیسے کہیں ، ہم سے کہا نہ جائے
جوگ لے کے گوپی چند سدھارے ہائے ۔

رانی : بیرن کو کیا غرض پڑی جو لینے جاوے جوگ ۔
راجا راجا کہتے ہیں سب گلیوں میں پکار
گوپی کے نام کے لوگ بستے ہیں ہزار

راجہ : الکھ ! بابا الکھ !

سہیلیاں : دیکھو ، دیکھو راج کمار کی پھوٹی ہے تقدیر ۔

چمپا : راجہ میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں ؟

راجہ : بہن قسمت کا لکھا پورا ہوا ، اس میں تقصیر میری ، نہ اور کسی کی ۔

چمپا : گانا

مرے ماں باپ کا جایا ، مرا جانِ جگر بھائی
مرا لختِ جگر اور ماں کا ہے نورِ نظر بھائی
نہیں کچھ رحم کرنے کا تو کیا ہمشیر پر بھائی
ترا یہ گھر ہے سونے کا اسے غارت نہ کر بھائی
ترا نازک بدن پیارے ، گھٹے گا رنج کے مارے
مرا تو تیرے غم میں ہوتا ہے ٹکڑے جگر بھائی

راجہ : بہن مجھے چھوڑ دے -

چمپا : بھائی ذرا ٹھہر ، میری عرض سن لے -

[راجہ کا ہاتھ چھوڑا کر چلے جانا]

سین آٹھواں

جنگل

[جوگن کا شکاری کے لباس میں گاتے ہوئے آنا]

گانا

جوگن : ادا اس کی دوچار میری آنکھوں میں سما گئی ،
عاشق ہے سچا جو میرے انکار سے آیا دو بار
اور پایا آزار ، رہا پھر بھی نثار ، اس کی ادا بھا گئی
طبیعت لبھا گئی ۔ مجھ کو جو چاہے میں اس کو چاہوں
بشر تو کیا ہے ، محبت بغیر خدا بھی نہیں ملتا
میری قسمت رنگ دکھا گئی جو اپنا دلدار پا گئی

لوٹن : گاڑی ملی نہ گھوڑا ، پالکی ملی نہ میانہ ، جوگن کے تنِ نازک کا مشکل ہے اتنی دور جانا ۔
سر پہ اپنے اس صنم کو میں بٹھا لے جاؤں گا
وہ اگر چاہے تو آنکھوں پر بٹھا لے جاؤں گا

جوگن : کوئی شکار ادھر سے بھاگا ؟

لوٹن : شکار! کہیں میرا شکار کرنے کو تو نہیں جال پھیلایا؟

جوگن : ہاں کوئی ادھر سے بھاگا؟

لوٹن : میں کیا جانوں ، میرا ہرن خود خدا جانے کہاں ہوا ہو گیا۔

جوگن : تم یہاں کیا کر رہے ہو؟

لوٹن : اپنا سر پھوڑ رہا تھا ، تم کو اس سے واسطہ؟

جوگن : کچھ فکر نہیں؟

لوٹن : جی ہاں! مجھے ایک بڑا فکر ہے۔ ایک میری سونے کی چڑیا تھی ، کہیں اڑ گئی۔

جوگن : خیر کیا ہوا؟ دوسری اور مل جائے گی۔

لوٹن : دوسری کو چولھے میں ڈالو۔ پہلی نے تو ہتھیلی پر چاند دکھایا ، دوسری سے خدا جانے کیا پھل پاؤں۔

جوگن : کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے؟ تمھارا نام؟

لوٹن : خیر خوبصورت ہو یا بد صورت ، میری نظروں میں تو فرشتہ سیرت ہے۔ میرا نام میاں مٹھو ہے ، پر تم کون لٹ پٹ پنچھی ہو؟

جوگن : میں بھی ایک امیر کی لڑکی ہوں۔آج شکار کے لیے اس جنگل میں آئی تو ایک ہرن نظر آیا۔ کسی نے پکارا ، دوڑو ، پکڑو۔

لوٹن : کہاں ؟ کدھر ؟

جوگن : میں نے اس کا پیچھا کیا ، وہ گھائل ہوا ۔ میں نے ایک تیر مارا ، وہ گرا ۔ اب رہا نہ ہاٹ کا نہ باٹ کا ۔ دھوبی کا کتّا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا ۔

لوٹن : خیر ہاٹ کا نہ باٹ کا ، سپاٹ کا ، سٹاٹ کا ، چاہے جو ہو ۔ بہتر تو یہ ہے کہ اسے کاٹو اور بھون کے کھاؤ ۔ خدا کے واسطے اب بھیجا نہ پکاؤ ، بہتر یہی ہے کہ یہاں سے قدم اٹھاؤ ۔

جوگن : میں بھی تمھارے ساتھ آتی ہوں ۔

لوٹن : واہ ! زبردستی (خود سے) یہ تو گلے پڑی ۔ (جوگن سے) بی صاحب ! میں نے اپنا دل کسی اورکو دیا ہوا ہے ۔ اِدھر اُدھر سے کوئی اور تلاش کر لو ۔

جوگن : کیا میں تمھیں پسند نہیں آئی ؟

لوٹن : کیا یہ بھی کوئی منڈی ہے کہ یہ چیز پسند آئی اور یہ چیز پسند نہیں آئی ۔

جوگن : اگر میں تجھے پسند نہیں تو اپنی جان یہیں دے دوں گی ۔

لوٹن : چاہے یہ جان رہے یا جائے ، بی‌بی ! میں نے اپنا دل کسی اور کو دے دیا ہے ۔

جوگن : اس میں سے تھوڑا سا ہم کو بھی دے دو ۔

لوٹن : واہ ! یہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے کہ تھوڑی سی تمھیں بھی دے دوں ؟

جوگن : (بھیس اتار کر) اچھا ، ذرا ادھر تو دیکھو ۔

لوٹن : کون ؟ جوگن !

جوگن : ہاں جوگن !

لوٹن : کون جوگن ؟ میری جان جوگن ۔

جوگن : اب فتح کس کی ہوئی ؟

لوٹن : پون ہماری ، پاؤ تمھاری ، اور حضرتِ عشق کی ساری ۔

جوگن : لوٹن ! میں نے تجھے ہر طرح سے ٹھک کر رسوا کیا ، مگر تیری ہمّت سے میں ہار گئی ۔

لوٹن : ہار کر بھی مجھ کو جیت لیا ۔

جوگن : اب لوٹن جوگن کا ۔

لوٹن : اور جوگن لوٹن کی ۔

جوگن : جوگن کس کی ؟ لوٹن کی ۔

لوٹن : اب چلو میری جان دربار کو ، جا کر راجہ کو یہ خوشخبری سنائیں ۔

[دونوں کا جانا]

سین نواں

دیوانِ عام

[جالندھر ناتھ ، مچھندر ناتھ ، کانف ،گورکھ ناتھ اور
سب درباری حاضر ہیں]

جالندھر : بھائی یہ کیا کم ہے کہ راجہ نے تین برس تک
ثابت قدمی سے جوگ کو پورا کیا ۔

مچھندر : سائیں جی ! ہرگز یقین نہ ہوتا تھا کہ گوپی چند ایسا
مضبوط دل رکھے گا ، مگر شاباش اُس پر اور اُس کی
ثابت قدمی پر ۔

کانف : گُرو ناتھ ! اگر انسان ہمت کرے تو اس کے لیے کوئی
کام مشکل نہیں ۔

گورکھناتھ : سائیں ! سچ ہے ، ہمّت سے ہر انسان فتح پا سکتا ہے ۔

[میناوت اور چمپاوتی کا آنا]

جالندھر : کلیان ہو بیٹا ، کلیان ۔

چمپا : (چرن چھو کے) مہاراج کرپا کیجیے۔

[لوٹن اور جوگن کا آنا]

لوٹن : مہارانی! غلام کو بھولیے نہیں۔

جوگن : اِس لونڈی پر بھی کرپا کیجیے۔

میناوت : کیا وہی غرور بھری عورت ہے جس کے ساتھ تیری شرط ہوئی تھی؟

لوٹن : جی حضور!

[چمپاوتی اور موہنی کا مع داسیوں کے آنا]

میناوت : مہاراج! انھیں اسیس دیجیے۔

جالندھر : کلیان ہو بیٹی چمپاوتی! بیٹی موہنا!

[گوپی چند کا آنا]

میناوت : (لپٹ کر) گوپی چند، میرا بیٹا گوپی چند!

راجہ : گرو ناتھ! اسیس کا امیدوار ہوں۔

مچھندر : بیٹا کلیان ہو!

جالندھر : اب یہ جوگ چھوڑ اور اپنا راج پاٹ سنبھال۔ تیرے جوگ کی مدت پوری ہوئی۔

راجہ : گرو ناتھ! یہ داس اب تمھارا تابعدار ہے، جو حکم ہوگا وہی کروں گا۔

لوٹن : کیا لوٹن آپ کو یاد نہ رہا؟

راجہ : آہا لوٹن! کہو تیری شرط کا کیا ہوا؟

لوٹن : مہاراج میں نے فتح پائی -

راجہ : کس پر ؟

لوٹن : جوگن پر -

[پنڈت کا گرفتاری کی حالت میں آنا]

پنڈت : مہاراج ! یہ رُوسیاہ بھی حاضر ہے - آپ اپنی موت پر زار زار روتا ہے -

راجہ : پنڈت تُو نے جیسا کیا ویسا پایا اور جو کرے گا وہ پائے گا - میں نے تجھے رہا کیا - خدا رحم کرنے والا ہے -

چمپا : کیوں جوگن ! آخر ہاری نا ؟

جوگن : رانی جی ! آپ کا فرمانا درست ہے -

جالندھر : کوئی ہے ؟ رامشگروں کو بلاؤ -

[ایک درباری کا رامشگران کا لانا]

درباری : حاضر ہیں مہاراج !

[گوپی چند کا تخت پر بیٹھنا اور رامشگروں کا ناچنا گانا ، سب کا مل کر دعا کرنا]

آج یہ عیش کا دن سب کو مبارک ہووے
ہر گھڑی چین رہے ، رب کی عنایت ہووے

[آخری ڈراپ کا گرانا]

تمام شد

فرہنگ

دایر دل شیر

باب پہلا ، پردہ پہلا

پران = جان
نس دن = دن رات
پل چھن = لمحہ بہ لمحہ

باب پہلا ، پردہ دوسرا

جات جات = ذات ذات ، مختلف ذاتوں کے ، مختلف قسموں کے -
پربھات = صبح

باب پہلا ، پردہ چوتھا

سوبھا (شوبھا) = رونق ، زینت ، حسن
دیکھت = دیکھتے ہی
مدھر = خوش گوار ، دلکش
مدن = مسرت افزا
من موہن = دل آویز ، دل کش
اچپل = نازک
وا بن = اُس کے بغیر
ناہیں بجھن کی = نہیں بجھے گی

آناری نار = اناڑی عورت
اوتم = برتر ، ارفع

باب پہلا ، پردہ پانچواں

پتر = پتّہ
کبھیسے = (کبھیسا کی جمع) جیبیں
بتیاں = باتیں
رتیاں = راتیں

باب پہلا ، پردہ ساتواں

سہاون = بھلا لگنے والا
جان بھاون = دل کو اچھا لگنے والا
مدھر = خوشگوار ، دلکش
منوہر = دلکش
چھب = حسن
ڈھب = انداز
سندر = حسین ، خوبصورت
آنا کانی = ٹال مٹول
اکر جھکر = رگڑ جھگڑ
آرج = عرض
آرج کرت = عرض کر کر کے
گرج = غرض

گرج توہے پیاری = (لیکن) مجھے
تو (اپنی) غرض عزیز ہے

باب دوسرا ، پردہ پہلا

توہے = مجھے
مناؤں توہے = تجھ سے التجا کروں
غرج = عرض

باب دوسرا ، پردہ دوسرا

مان = بھروسہ

باب تیسرا ، پردہ پہلا

بھاگ بھری = خوش نصیب
جم جم = بخوشی
سوہے سہاگ = سہاگ ہمیشہ رہے
چیری = باندی ، کنیز
بہنا = اے بہن !
سنسار = دنیا

راجا گوپی چند

باب پہلا ، سین پہلا

کایا = جسم ، جسمانی زندگی
جگدھر = دنیا کا رکھوالا
نیارا = الگ ، مختلف
پرمیشور = سب سے بڑا آقا
پرشوتم = اعلیٰ ترین ذات ، ارفع
انسان

پرمانند = انتہائی مسرت ، انتہائی
مسرت کا سرچشمہ
دینا ناتھ = (دین = غریب) غریبوں
کا والی
دکھ بھنجن = تکلیفوں کا دور کرنے
والا
جگ جیون = دنیا کی زندگی
جگ ناتھ = دنیا کا آقا
مرلی دھر = بانسری والا ، کرشن
جی کا لقب
سوہن = خوبصورت
آدیش = حکم ، جوگیوں میں سلام
کا کلمہ
النکھ = نظر نہ آنے والا ، جوگیوں
کے سلام کا کلمہ
آبہیں = ابھی
پدھاری نائیں = تشریف نہیں لائیں
درس = درشن
ٹارے نہ ٹریوں = ٹالے نہ ٹلوں گا
مارے نہ مریوں = مارے نہ
مروں گا
وشیش = خاص
شدھ گنی = اچھے اوصاف والا
پرنتو = لیکن
نشچت = یقین
تہارو = تمہارا
درپن = آئینہ
جس = خوبی ، اچھائی

چتر = ہوشیار
چندر کلا = نیا چاند ، ہلال
سوبھا = رونق ، زینت
جوت = روشنی
آبھا = رونق

باب پہلا ، سین دوسرا

کشٹ = تکلیف
انوچت = انوکھے ، عجیب و غریب
بیکنٹھ = دوسری دنیا ، جنّت
کیلاس = ہمالیہ میں ایک پہاڑ کا نام
بانا = طرز ، انداز
سار = اصلیت
ادھیراج = شہنشاہ

باب پہلا ، سین تیسرا

نیارا = عجیب

باب پہلا ، سین چوتھا

آگیا = حکم
بیراگ = دنیا سے بے تعلقی ، ترکِ لذّات ، گوشہ نشینی
جوگ = دنیا سے کنارہ کش ہوکر زہد کی زندگی بسر کرنا
پنتھ = راستہ
اُپدیش = نصیحت
سمرن = مالا ، تسبیح
سمرن کرنا = مالا جپنا

دگمبر = شیو جی کا لقب
نرنجن = بے داغ ، بے عیب ، شیو جی کا ایک لقب

باب پہلا ، سین پانچواں

چھلی = دھوکے باز ، فریبی

باب پہلا ، سین چھٹا

شوک ہرن = غم کو دور کرنے والا
تارن = تارنا (پار لگانا ، پہنچانا) پہنچانے والا ، پار لگانے والا
نتارن = (نتارنا = بچانا ، آزاد کرنا) بچانے والا ، آزادی دلانے والا ، نجات دہندہ
لوک = علاقہ ، منطقہ ؛ زمانی اعتبار سے کائنات کے تین دور
تین لوک = کائنات کے تین دور ؛ جنّت ، دوزخ ، اعراف
سرجن ہار = پیدا کرنے والا ، خالق ، خالقِ حقیقی ، خالقِ مطلق
کرتار = کرنے والا ، حفاظت کرنے والا
شیام برن (شیام ورن) = شیام کی سی صورت والا ، کالا اور خوبصورت

رگھو ناتھ = (رگھو ، رام چندر جی کے بزرگوں میں سے اودھ کے قدیم راجا کا نام) رگھو کی اولاد کا محافظ ، دشرتھ اور رام چندر کا لقب -
کانن میں = کانوں میں
کُنڈل ہار = (کُنڈل = بڑی سی بالی یا بالا) بالا پہننے والا ، عموماً سادھوؤں کے لیے استعمال ہوتا ہے -
جیوں = جیسے
نرمل = صاف ، پاک ، خالص
آکش = آسمان
سوبھا = چمک دار ، خوبصورت ؛ زعفرانی رنگ کا -
چندن = صندل
ڈار = ڈال
شُکر = زہرہ
ساجیئے = سجائیے
برہسپت = مُشتری
راس = بُرج
اچپل = شوخ ، چنچل
اَن داتا = روزی دینے والا ، رزاق

باب پہلا ، سین ساتواں

لگن = سورج کا کسی بُرج میں داخل ہونا ؛ سورج کے کسی بُرج میں داخل ہونے کا وقت -
مہُورت = دن کا تیسواں حصہ ؛ عموماً مبارک گھڑی -
راہو = اُن نَو ستاروں میں سے ایک جو ہندوؤں کے نزدیک قسمتوں کو متاثر کرتے ہیں - سورج گرہن اور چاند گرہن اسی ستارے کے اثر کا نتیجہ سمجھے جاتے ہیں -
منگل = مریخ
شنی = سنیچر ، زحل
برہسپت = مُشتری
اشلوک = شعر ، نظم

باب پہلا ، سین نواں

دشا = عمرِ انسانی کا کوئی خاص دور ؛ مثلاً بچپن ، جوانی ، بڑھاپا -
بچارن کا کام = بچارنے کا کام
آوت ہے = آتا ہے
دکھاوے کا ہو = دکھاتا ہو
پرنتُ = لیکن
کیا ہوت ہے = کیا ہوتا ہے
ودوان = عالم
بھوکن مرت ہیں = بھوکے مرتے ہیں -
سُبکل = اچھے خاندان والا (یا والی)
پدارتھ = چیز ، شے ، جنس
سُبکل پدارتھ = اچھی چیز ، اچھی جنس -

یہ جگ ماہیں = اِس دُنیا میں
کرم ہین = (کرم + ہین) کرم : قسمت ، ہین : محروم ، بے کس - (کرم ہین = بد قسمت ، بد نصیب) -
پاوت ناہیں = نہیں پاتے
بتا سکت ہے = بتا سکتا ہے
چندرماں = چاند
سوانگ رُوپی = بہروپیا
وا پر پڑیو ہے = اُس پر پڑی ہے
سہج تے = آسانی سے
ہو جائے گو = ہو جائے گی
گرہ = (نجوم کی اصطلاح) وہ قوت جو چاند اور سورج کو اپنی گرفت میں لے کر چاند گرہن اور سورج گرہن کا سبب بنتی ہے — ستارے جو انسانوں کی قسمتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں - ہندو علم الاصنام میں اس طرح کے نو ستاروں کے نام لیے گئے ہیں - انھی میں سے ایک کا نام راہو ہے -
پرکاش کریں گے = روشن ہوں گے ، ظاہر ہوں گے -
دھن = بُرج ''قوس''
مکر = بُرج ''جدی''
کُمبھ = بُرج ''دلو''
مین = بُرج ''حوت''
میکھ = بُرج ''حمل''

برچھک = بُرج ''عقرب''
برکھ = بُرج ''ثور''
متھن = بُرج ''جوزا''
کرک = بُرج ''سرطان''
سنگھ = بُرج ''اسد''
کنیا = بُرج ''سنبلہ''
تُلا = بُرج ''میزان''
برہسپت = مشتری
شُکر = زُہرہ
شنی = سنیچر ، زُحل
راس = بُرج
ٹھور = جگہ
بُدھ = عُطارد
چوکی کرت ہے = پہرہ دے رہا ہے
منش = آدمی
بھیو ہے = ہوا ہے
بِدیا کے بل سے = علم کی قوت سے -
بتاون کو = بتانے کے لیے
اُتم = برتر ، ارفع
لُگائی تے = عورت سے
کون کارن بھیو ہے = کس سبب سے ہوا ہے (کارن = وجہ ، سبب) -
مہرارو = بیوی
مسان = مرگھٹ
چھما کرو = معاف کرو

باب دوسرا ، سین پہلا

پاکھنڈ=فریب

باب دوسرا ، سین دوسرا

پالنگ=لنگڑا

پوتّر=پاک

شریمان=صاحبِ اقبال

باب دوسرا ، سین چوتھا

پرتاپ=اقبال

کرتار=مُشکل کُشا

باب تیسرا ، سین پہلا

تپسیا=ریاضت

کِھما=(کھما یا شما) ، معاف

نِردوش=بے قصور

پاپی=قصور وار ، گنہ گار

سراپی=(سراپ=بد دُعا) بد بخت

کلیان=بھلائی ، خوش بختی